عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

21

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۲

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

دفتر پنجم جزو اول

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ ثم الحمد للہ "کلیدِ مثنوی" "دفترِ پنجم" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس سے قبل کلیدِ مثنوی ۲۰ جلدوں میں شائع کر چکے ہیں جس میں دفترِ پنجم شامل نہیں تھا۔

تلاشِ بسیار کے بعد اِس کا قلمی مسودہ دارالعلوم (کراچی) سے مِل گیا جس کو پڑھنا کارے دارد تھا۔

اِس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہٗ العالی کا خصوصی تعاون شامل رہا۔ اللہ پاک اُن کو جزائے خیر دیں۔ آمین!

بہرحال کئی مشکل مراحل سے گزر کر یہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس میں بزرگوں کے مشورہ سے جناب محترم حضرت قاضی سجاد حسین صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے ترجمہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

اِس طرح ترجمہ قاضی صاحب کا ہے اور شرح حضرت حکیم الامت مجددِ الملّت حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ۔

اس کے جامع حضرت مولانا حبیب احمد صاحب ہیں ——— اللہ پاک ان سب حضرات کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر دیں۔ آمین!

اللہ پاک محض اپنے فضل و کرم سے ہماری اس حقیر سعی کو شرفِ قبول نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین ——— طالبِ دعاء:

احقر محمد اسحاق عفی عنہٗ

جمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ

دفترِ پنجم ربعِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہ[1] حسام الدیں کہ نورِ انجم ست — طالبِ آغازِ سِفرِ پنجم است

شاہ حسام الدین جو ستاروں کا نور ہیں — پانچویں کتاب کے شروع کرنیکے، طالب ہیں

اے ضیاء الحق حُسام الدینِ راد — اُوستادانِ صفا را اُوستاد

اے سخی ضیاء الحق حسام الدین! — (آپ) اہلِ باطن کے اُستادوں کے اُستاد ہیں

گر نبودے خلق محجوب و کثیف — ور نبودے حلقہا تنگ و ضعیف

اگر مخلوق محجوب اور کثیف نہ ہوتی — اگر گلے تنگ اور کمزور نہ ہوتے

در مدیحت دادِ معنیٰ دادمے — غیرِ ایں[2] منطق لبے نکشادمے

تو میں آپ کی تعریف کا حق ادا کر دیتا — اِس گفتگو کے علاوہ لب کُشائی نہ کرتا

لیک لقمہ بازِ آں صعوہ نیست — چارہ اکنوں آب[3] و روغن کردنیست

لیکن باز کا لقمہ ممولے کی ملکیت نہیں ہے — اب تدبیر، پانی اور تیل کرنا ہے

مدحِ تو حیف است با زندانیاں — گویم اندر مجمعِ رُوحانیاں

قیدیوں سے تیری تعریف کرنا ظلم ہے — روحانیوں کے مجمع میں کہوں گا

شرحِ تو غبن است با اہلِ جہاں — ہمچو رازِ عشق دارم در نہاں

دنیاداروں سے آپکی تشریح کرنا، ٹوٹا ہے — عشق کے راز کی طرح دل میں رکھتا ہوں

---

[1] شہ۔ یعنی ضیاء الحق حسام الدین کا مطالبہ ہے کہ مثنوی کا پانچواں دفتر شروع کیا جائے۔ سِفر۔ کتاب یعنی مثنوی کا دفتر۔ گر نبودے۔ یہ شرط ہے دوسرا شعر جزاء ہے۔ محجوب۔ یعنی عوام میں تمہاری تعریف سننے کی اہلیت نہیں ہے ورنہ میں تمہاری بہت تعریف کرتا اور اسکے علاوہ کوئی بات کہتا۔

[2] ایں منطق۔ یعنی حسام الدینؒ کی تعریف۔ لیک۔ عوام کے سامنے حسام الدین رح کی تعریف کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ باز کی خوراک ممولے کو کھلائی جائے۔

[3] آب و روغن۔ اگر واؤ عطف نہ ہو تو معنیٰ یہ ہیں کہ پانی کو تیل کہنا پڑ رہا ہے یعنی عوام کے سامنے غیر حقیقی تعریف کرنی پڑ رہی ہے اگر نسخہ آب و روغن ہے تو اب معنیٰ یہ ہونگے کہ تعریف میں تکلف کرنا پڑ رہا ہے۔ زندانیاں۔ یعنی دنیا کے قیدی۔ غبن۔ ٹوٹا۔ عشق۔ عشق مخفی رکھا جاتا ہے۔

مدح تعریف است و تخریقِ حجاب — فارغ است از مدح و تعریف آفتاب

تعریف کرنا، پہچنوانا اور (جہالت کے) پردے کو چاک کرنا ہے — سورج، تعریف اور پہچنوانے سے بے نیاز ہے

مادحِ خورشید مدّاحِ خود است — کہ دو چشمم روشن و نامُرمدست

سورج کی تعریف کرنیوالا اپنی تعریف کرنیوالا ہے — کہ میری دونوں آنکھیں روشن اور تندرست ہیں

ذمِ خورشیدِ جہاں ذمِ خود است — کہ دو چشمم کور و تاریک و بدست

دنیا کے سورج کی مذمت کرنا، اپنی مذمت ہے — کہ میری دونوں آنکھیں اندھی اور بے نور اور بری ہیں

تو ببخشا بر کسے کاندر جہاں — شد حسودِ آفتابِ کامراں

آپ اُس کو معاف کر دیجئے جو دنیا میں — کامیاب سورج کا حاسد ہے

تاندش پوشید ہیچ از دیدہا — وز طراوت دادنِ پوسیدہا

اس کو کوئی آنکھوں سے چھپا سکتا ہے؟ — اور بوسیدہ چیزوں کے تازگی بخشنے کو

یا ز نورِ بیحدش تانند کاست — یا بدفعِ جاہِ اُو تانند خاست

یا اُس کے لامحدود نور کو وہ گھٹا سکتے ہیں — یا اُس کے رتبہ کو ہٹانے کے لئے وہ کھڑے ہو سکتے ہیں

ہر کسے کو حاسدِ گیہاں بُوَد — آں حسد خود مرگِ جاویداں بُوَد

جو شخص عالم کا حاسد ہو — وہ حسد خود ہمیشہ کی موت ہے

قدرِ تو بگذشت از درکِ عقول — عقل اندر شرحِ تو شد بوالفضول

آپ کا مرتبہ عقلوں کے ادراک سے بالا ہے — آپ کی شرح کرنے میں عقل، بکواسی ہے

گرچہ عاجز آمد ایں عقل از بیاں — عاجزانہ جُنبشے باید دراں

اگرچہ عقل بیان سے عاجز ہے — اُس میں عاجزانہ (ہی) حرکت کرنی چاہیے

اِنَّ شَیْئًا کُلُّہٗ لَا یُدْرَکُ — اِعْلَمُوْا اَنَّ کُلَّہٗ لَا یُتْرَکُ

وہ چیز جو پوری حاصل نہیں کی جاسکتی — جان لو، وہ سب نہیں چھوڑی جاتی

گرچہ نتواں خورد طوفانِ سحاب — کے تواں کردن بترکِ خوردِ آب

اگرچہ ابر کا طوفان پیا نہیں جاسکتا — (لیکن) پانی پینا کب چھوڑا جاسکتا ہے؟

آبِ دریا را اگر نتواں کشید — ہم بقدرِ تشنگی باید چشید

دریا کا (پورا) پانی اگرچہ نہیں کھینچا جاسکتا — پیاس کی بقدر ہی چکھ لینا چاہیے

ـــه گرچہ۔ انسان بارش کا تمام پانی نہیں پی سکتا لیکن تھوڑا سا تو ضرور پی لیتا ہے۔ آبِ دریا۔ سارا دریا نہیں پیا جاسکتا تو بقدرِ امکان سیرابی حاصل کرلی جاتی ہے۔

ـــه مدح۔ جس طرح سورج مدح اور تعریف سے بے نیاز ہے اسی طرح حسام الدین بھی۔ مرمد۔ دکھتی ہوئی آنکھ۔ ذمِ۔ اگر کوئی شخص سورج کو تاریک کہے تو لوگ خود اُس کو اندھا کہیں گے۔۔۔۔ تو ببخشا۔ یعنی اے حسام الدین آپ اُس کو معاف کریں جو آپ پر حسد کرتا ہے اس لئے کہ اُس کے حسد سے آپ کو نقصان نہیں ہے خود اُس کا نقصان ہے آپ آفتاب اور آپ کے فیوض آفتاب کے فیوض کی طرح ہیں اگر کوئی چاہے کہ آفتاب کو اور اُسکی فیض رسانی کو لوگوں کی آنکھوں سے چھپائے تو وہ خود حماقت میں مبتلا ہے۔ وز طراوت۔ سورج کی شعاعیں پھلوں کو تازگی عطا کرتی ہیں۔

ـــه یا۔ سورج کے حاسد نہ اُس کا نور گھٹا سکتے ہیں نہ اُس کا رتبہ کم کرسکتے ہیں۔ گیہاں۔ جہان۔ یعنی حسام الدینؒ جو کہ عالمِ اکبر ہیں۔ قدر۔ آپ کا رتبہ عام عقول سے بالاتر ہے اب جو بھی اس کی تعریف کی جائے کم ہے۔ گرچہ۔ حسام الدین کی پوری تعریف اگرچہ ناممکن ہے۔ لیکن پھر بھی عاجزانہ اس کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ جو چیز پوری حاصل نہ ہوسکے اُس کو پورے طور پر ترک نہ کرنا چاہیئے کچھ نہ کچھ اس میں سے حاصل کرلینا چاہیئے

رازِ ١ را گر می نیاری در میاں
اگر تو راز کو درمیان میں نہیں لاسکتا ہے

دَر کہا را تازہ کُن از قشرِ آں
اُس کے چھلکے سے یادوں کو تازہ کرلے

نطقہا نسبت بتو قشرست لیک
آپکے اعتبار سے (ہماری) باتیں اگرچہ چھلکا ہیں لیکن

پیشِ دیگر فہمہا مغزست نیک
دوسروں کی سمجھ کے لئے اچھا گودا ہے

آسماں نسبت بعرش آمد فرو
آسمان، عرش کے اعتبار سے نیچا ہے

وَرنہ بس عالیست پیشِ خاکِ تود
ورنہ خاک کے تودے کے اعتبار سے بہت بلند ہے

من بگویم وصفِ تو تا رہ برند
میں آپ کی تعریف کرتا ہوں تاکہ وہ رہنمائی حاصل کریں

پیش ازاں کز فوتِ آں حسرت خورند
اُس سے پہلے کہ وہ اُس کے فوت ہونے سے حسرت کریں

نورِ حقّی و بحق جذابِ جاں
آپ اللہ کا نور ہیں اور جان کو خدا کیطرف کھینچنے والے ہیں

خَلق دَر ظلماتِ وہم اند و گماں
لوگ وہم اور گمان کی اندھیریوں میں ہیں

شرط ٢ تعظیم است تا آں نورِ خوش
تعظیم شرط ہے، تاکہ وہ عمدہ نور

گرد ایں بیدیدگاں را سرمہ کش
اِن اندھوں کے لئے سُرمہ لگانے والا بنے

نور یابد مستعدِ تیز کوش
سخت کوشش کرنیوالا، مستعد نور حاصل کرتا ہے

گو نباشد عاشقِ ظلمت چو موش
جو چوہے کی طرح اندھیرے کا عاشق نہ ہو

نور میکش اے حریفِ تیز کوش
اے سخت کوشش کرنیوالے دوست! نور حاصل کرلے

گر نہٗ چوں موش دَر ظلمت مکوش
اگر تو چوہے کی طرح نہیں ہے، اندھیرے کی کوشش نہ کر

سُست چشمانے کہ شب جولاں کنند
کمزور آنکھوں والے جو رات کو گھومتے ہیں

کے طوافِ مشعلِ ایماں کنند
وہ ایمان کی مشعل کا طواف کب کرتے ہیں؟

نکتہا ٣ ئے مشکلِ باریک شُد
مشکل باریک نکتے بن گئے

بندِ طبعے کوز دیں تاریک شُد
طبیعت کا بند، کیونکہ وہ دین سے تاریک ہے

تا بر آراید ہُنر را تار و پود
جب تک کہ وہ ہُنر کا تانا بانا نہ سنوارلے

چشم دَر خورشید نتواند کشود
سورج میں آنکھ نہیں کھول سکتا

ہمچو نخلے بر نیارد شاخہا
وہ کھجور کے درخت کی طرح شاخیں نہیں نکال سکتا

کردہ موشانہ زمیں سوراخہا
جس نے چوہے کی طرح زمین کو سوراخ سوراخ کررکھا ہے

---

١ راز۔ یعنی حسام الدینؒ کی پوری تعریف عوام کے سامنے ناممکن ہے تب بھی اس کا کچھ حصہ بیان کردینا چاہیئے۔ نطقہا۔ اگرچہ حسام الدینؒ کی تعریف اُن کی تعریف کا مغز نہیں ہے بلکہ چھلکا ہے لیکن عوام کے لئے اُس میں بھی فوائد ہیں۔ آسمان۔ بلندی اور پستی فائدہ اور نقصان سب اضافی باتیں ہیں ایک چیز ایک کے لئے مفید دوسرے کیلئے غیر مفید ہے آپ کی تعریف عوام کے لئے مفید ہے اگرچہ وہ حقیقی نہیں ہے۔ من بگویم۔ میں تعریف اسلئے کررہا ہوں تاکہ وہ حقیقی تعریف تک رہنمائی حاصل کریں۔ نورِ حقی۔ تیری ذات کے ذریعہ مخلوق وہم وگمان سے گذرکر مرتبہ یقین حاصل کرسکتی ہے۔

٢ شرط۔ مرید اُس وقت فیض حاصل کرسکتا ہے جبکہ اُس کے دل میں شیخ کی عظمت ہو۔ نور یابد۔ فیض حاصل کرنے کے لئے استعداد اور کوشش ضروری ہے۔ گر نہ۔ چوہا اندھیر کو پسند کرتا ہے۔ سست چشمانے۔ چوہا اور چمگادڑ کبھی روشنی کا طواف نہیں کرتے ہیں۔

٣ نکتہائے۔ جن کے دلوں میں دین کی جانب سے تاریکی ہے اُن کے لئے علمی موشگافیاں حقیقت تک پہنچنے سے مانع بنگئی ہیں۔ تا بر آرید۔ یہ لوگ جب تک حقیقت بینی کے ہُنر سے آراستہ نہ ہونگے وہ شیخ حسام الدینؒ کی تعریف نہ سمجھیں گے۔ ہمچو۔ جو لوگ چوہے کی طرح زمین دوز سوراخوں میں رہنے کے عادی ہیں وہ کھجور کی طرح بارآور نہ ہوں گے۔

شرح شاہ حسام الدین جو کہ ہدایت و اضارت عالم میں نورستارگان کے مثابہ ہیں اور جس طرح ستاروں کا نور مسافرین دنیا کی رہنمائی کرتا اور اور عالم اجسام کو روشن کرتا ہے۔ یوں ہی وہ مسافرینِ آخرت کی رہنمائی کرتے اور ارواح کو منوّر کرتے ہیں۔

چاہتے ہیں کہ دفتر پنجم شروع کیا جائے۔ بنابریں میں اس دفتر کو شروع کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے دانا اور صفائے باطن کے استادوں کے استاد ضیاء الحق حسام الدین ——— اگر مخلوق حقائق و معارف سے محجوب اور غلبۂ جسمانیت سے کثیف نہ ہوتی اور حلقہائے افہام مردم، تنگ اور کمزور نہ ہوتے تو میں آپ کی تعریف میں۔ کما حقہٗ مضامین عالیہ بیان کرتا اور سطحی گفت گو کے سوا اور نہایت دقیق گفت گو کرتا۔ لیکن کیا کہیئے کہ مخاطبین اس کے اہل نہیں اور قاعدہ ہے کہ باز کی غذا ممولے کو نہیں دی جاسکتی اسلئے مجبوراً سرسری تحسین پر اکتفا کرتا ہوں اور چونکہ محبوسین عالم ناسوت کے سامنے آپ کی تعریف ظلم ہے کیونکہ یہ تعریف بے محل ہے۔ اسلئے میں آپ کی تعریف ان لوگوں کے مجمع میں کرونگا جن پر درج غائب ہے اور چونکہ اہل ناسوت کے سامنے آپ کی تعریف کرنا ایک قسم کا خسارہ ہے کیونکہ وہ اس کے قدردان نہیں یا یوں کہو کہ ان کے سامنے تعریف کرنا ان کو نقصان پہنچانا ہے کیونکہ وہ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اسلئے غلط فہمی میں پڑجائیں گے لہذا میں اُس کو ان سے اس اہتمام سے مخفی کرتا ہوں جیسے راز مخش کو مخفی کیا جاتا ہے ——— نیز اس تعریف نہ کرنے کی ایک دوسری وجہ بھی ہے وہ یہ کہ مدح کا حاصل ممدوح کی خوبیوں کو ظاہر کرکے لوگوں کو ان سے آگاہ کرنا اور پردۂ اخفا جو ان پر پڑا ہوا ہے اسے پھاڑنا ہے اور آپکے اوصاف اس قدر واضح ہیں کہ اسکے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اسلئے آپ مدح اور تعریف سے مستغنی ہیں جس طرح کہ آفتاب ان سے مستغنی ہے ——— اس پر اگر یہ کہا جائے کہ دیگر دفاتر میں جو اس کی تعریف کی گئی ہے نیز خود اسی مقام پر جو اس کی تعریف کی جائے وہ کس لئے ہے سو اس

کا جواب یہ ہے کہ یہ تعریف اس کی تعریف نہیں بلکہ خود اپنی تعریف ہے کیونکہ اگر کوئی آفتاب کی تعریف کرے تو یہ آفتاب کی تعریف نہ ہوگی بلکہ خود اپنی تعریف ہوگی کہ میری آنکھیں روشن اور مرض سے پاک ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی آفتاب کی ملامت کرے تو یہ اس کی مذمت نہ ہوگی بلکہ خود اپنی مذمت ہوگی۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اندھا ہوں اور میری آنکھوں میں نور نہیں اور میری آنکھیں اچھی نہیں ہیں پس ایسا شخص جو کہ آفتاب کا دشمن ہو اور اس پر حسد کرے تم کو اس پر رحم کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اسے کسی طرح بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اچھا نہیں بتلاؤں کیا وہ اسے لوگوں کی نظروں سے یا خراب اشیاء کو ترونماز کرنے سے غائب کر سکتا ہے؟ یا اس کے نور بے حد کو کم کر سکتا ہے؟ یا اس کے عالی شان رتبہ کو دور کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ پس ایسا شخص جو آفتاب پر حسد کرنے کے ضمن میں تمام عالم پر حسد کرتا ہے کیونکہ اس کا فائدہ عالم کیطرف راجع ہے۔ اس کا حسد خود اس کے لیے موت دائمہ ہوتا ہے اور محسود کا اسکو کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ اسلئے وہ ضرور قابل رحم ہے۔

خیر یہ مضمون تو اضطراری تھا۔ اب ہم اصل مقصود کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا رتبہ عالی ادراک عقول سے بالاتر ہے اور آپ کی حالت کی تفصیل کرنے میں عقل بیہودہ ہے یہ صحیح ہے لیکن ایسی حالت میں تعریف کو بالکل چھوڑ بھی نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ عقل تفصیل اوصاف سے عاجز ہے مگر تاہم عاجزانہ حرکت کی ضرورت ہے اسلئے کہ جو چیز کُل نہیں ہو سکتی اس کو بالکل نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ دیکھو گو اَبر کا کُل پانی نہیں پیا جا سکتا لیکن پانی پینا بالکل نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور اگر دریا کا کل پانی نہیں پیا جا سکتا تو پیاس کی مقدار ضرور پینا چاہیئے۔

بنا بریں اگر ہم آپ کے اسرار کو نہ بیان کر سکیں تو ہمیں چاہیئے کہ آپ کے معمولی اوصاف بیان کر کے عقول کو تازہ کریں۔ کیونکہ ہمارے بیانات گو آپ کے اعتبار سے معمولی ہیں لیکن دوسری افہام کے لیے وہی عمدہ مغز ہیں۔ چنانچہ آسمان عرش سے تو ضرور پست ہے مگر زمین کے لئے بہت اونچا ہے۔ اس بنا پر مجھے چاہیئے کہ قبل اس کے کہ لوگوں کو آپ کی وصف کے فوت ہونے سے حسرت ہو میں آپ کے اوصاف بیان کروں تاکہ ان کو گونہ آپ کی اوصاف پر اطلاع ہو جائے اچھا سنو! آپ سرتاپا نورِ خدا اور ارواح کو کھینچ کر خدا سے ملانے والے ہیں اور مخلوق اوہام وظنون کی تاریکیوں میں محبوس ہے۔

اب خطاب کا رُخ بدل کر فرماتے ہیں کہ لوگو! یہ ضرور ہے کہ وہ ارواح کو.. کھینچ کر خدا سے ملا دیتے ہیں مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آدمی کے دل میں انکی عظمت ہو۔ جب یہ شرط پائی جائے گی اس وقت وہ نور اندھوں کو آنکھوں میں سرمہ لگا کر انکو حق بیں بنا دے گا۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وصول الی اللہ کے لئے جد و جہد بھی کرے کیونکہ نور باطن عادۃً اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اس کے حاصل کرنے کے لیے مستعد ہو اور پوری کوشش کرے۔ اور چوہے کی طرح ظلمتِ ناسوت پر عاشق نہ ہو۔ پس اے عاقل شخص! تو وصولِ نور کی شرائط جمع کر کے نور حاصل کر۔ اور اگر تو موش صفت نہیں ہے تو ظلمتِ ناسوت میں مت کوشش کر۔ بلکہ اس سے باہر نکل کر نور حاصل کر۔ ہم نے موش صفت نہ ہونے اور مستعد ہونے کی شرط اسلئے لگائی ہے کہ جو لوگ اپنی چشمِ بصیرت کو ارتکاب معاصی سے کمزور کر چکے ہیں اور اسلئے وہ نور ایمان حقیقی سے متوحش ہو کر ظلمت معاصی میں.. سرگرداں ہیں۔ یہ لوگ مشعلِ ایمان حقیقی کے پاس سر بھینک سکتے ہیں۔

نیز یہ بھی یاد رکھو کہ علوم دینیہ کے مشکل اور دقیق مسائل ہیں طبیعت

کے لیے جو دین سے اندھی ہے بیڑی بن جاتے ہیں کیونکہ جب تک اسے کمال علم کا تانا بانا سنوارتے رہتی ہے اسوقت تک وہ آفتاب دین کے دیکھنے کے قابل نہیں ہو سکتی اور وہ درخت کی طرح زمین سے شاخیں نہیں نکالتی۔ بلکہ چوہے کی طرح زمین کے اندر ہی سوراخ کرتی ہے یعنی ناسوت ہی میں منہمک رہتی ہے اور اس سے نکلنے کی کوشش نہیں کرتی اسلئے ہمیشہ محروم رہتی ہے۔

اس مقام پر چونکہ مولانا نے موانع وصول الی الحق کی طرف اشارہ فرمایا تھا لہٰذا آئندہ اسکی کافی طور پر تفصیل بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

تفسیر[1] فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ (الآیۃ)

پس پکڑ لے چار پرندے پھر ان کو اپنی طرف ہلا" کی آخر آیت تک تفسیر

چار وصف ایں بشر را دل فشار
یہ چار وصف انسان کے دل کو پچوڑنے والے ہیں

چار میخ عقل گشتہ ایں چہار
یہ چاروں، عقل کی چار میخ ہیں

تو خلیلِ وقتی اے خورشید ہُش
اے ہوش کے سورج: تو خلیلِ دوراں ہے

ایں چہار اطیار رہزن را بکش
ان چار ڈاکو پرندوں کو مار ڈال

زانکہ ہر مرغے ازینہا زاغ وش
اس لئے کہ ان میں سے ہر زاغ صفت پرند

ہست عقلِ عاقلاں را دیدہ کش
عقلمندوں کی عقل کی آنکھ نکال لینے والا ہے

چار وصفِ تن چو مرغانِ خلیل
جسم کے چار اوصاف حضرت خلیل کے پرندوں

بسملِ ایشاں دہد جاں را سبیل
ان کا قربان کرنا جان کو راستہ عطا کرتا ہے

اے خلیل اندر خلاصِ نیک و بد
اے خلیل! اچھے اور برے کو نجات دلانے کیلئے

سر ببر شاں تا رہد پاہا ز سد
ان کا سر قلم کر دے تاکہ پاؤں بندش سے چھٹ جائے

کل توئی و جملگاں اجزائے تو
تو مجموعہ ہے اور سب تیرے اجزاء ہیں

بر کشا کہ ہست پاشاں پائے تو
کھول دے کہ ان کا پاؤں تیرا پاؤں ہے

از تو عالم روح زارے میشود
آپ کی وجہ سے دنیا روح زار بنتی ہے

پشتِ صد لشکر سوارے میشود
ایک سوار تو لشکروں کی مدد بن جاتا ہے

[1] تفسیر حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا گیا کہ اگر تجھے ہماری صفت زندہ کرنے اور مارنے میں شک ہے تو چار پرندوں کو ذبح کر ڈال۔ یہ چار پرند بطخ، مور، کوا، مرغ تھے۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ ان چار پرندوں سے انسان کی چار بری صفات مراد ہیں جو کہ انسان کے لئے حقیقت بینی سے مانع ہیں۔ انسان ان صفات کو ازالہ کر دے تو حقیقت بین بنتا ہے۔ بطخ سے مراد حرص، مور سے مراد حب جاہ، کوے سے مراد تمنا اور مرغ سے مراد شہوت ہے۔ چار میخ سزا کا ایک طریقہ تھا۔ توضیح۔ اگر انسان ابراہیم خلیل اللہ کی طرح حقیقت بین بننا چاہتا ہے تو اس کو بھی ان چار صفتوں کو مٹا دینا چاہیے زانکہ یہ چاروں صفتیں کوے کی خاصیت رکھتی ہیں کہ کوا سب سے پہلے مردے کی آنکھ نکالتا

زانکہ ایں تن شُد مقامِ چار خُو | نامِ شاں شُد چار مرغِ فتنہ جُو
کیونکہ یہ جسم چار عادتوں کا مقام ہے | اُن کا نام فتنہ کے جویاں چار پرندے پڑگیا ہے

خلق را گر زندگی خواہی اَبد | سَر بُبُر ایں چار مُرغِ شُوم و بَد
اگر آپ لوگوں کی ابدی زندگی چاہتے ہیں | اِن بدبخت اور بَد چار پرندوں کا سَر قلم کردیجئے

باز شاں زندہ کُن از نوعِ دگر | کہ نباشد بعد ازاں زیشاں ضرر
پھر ان کو دوسری طرح سے زندہ کردیجئے | کیونکہ اس کے بعد نقصان نہ پہنچے گا

چار مُرغِ معنویِ راہزن | کردہ اند اندر دلِ خلقاں وطن
باطنی چار ڈاکو پرندوں نے | لوگوں کے دل کے اندر وطن بنالیا ہے

چوں امیرِ جُملۂ دلہا شوی | اندریں دَوراں خلیفۂ حق توئی
جب آپ تمام دلوں کے حاکم بن جائیں گے | (پھر) اس زمانہ میں اللہ کے خلیفہ آپ ہی ہیں

سَر بُبُر ایں چار مُرغِ زندہ را | سَرمدی کُن خلقِ ناپائندہ را
ان چار زندہ پرندوں کا سَر قلم کردیجئے | فانی لوگوں کو دائمی بنا دیجئے

بطّ و طاؤس ست و زاغ ست و خروس | ایں مثالِ چار مُرغ اندر نفوس
بطخ اور مور ہے، کوا ہے اور مرغا ہے | نفسوں میں یہ چار پرندوں کی طرح ہیں

بطّ حرص است و خروس آں شہوت ست | جاہ چوں طاؤس و زاغ آں مُنیت ست
حرص بطخ ہے اور شہوت مُرغا ہے | رُتبہ مور کی طرح ہے، آرزو نفس کا کوا ہے

مُنیتش آنکہ بُود اُمید ساز | طامعِ تابید یا عُمرِ دراز
اُس کی آرزو یہ اُمید بندھاتی ہے | ہمیشگی کا لالچی یا درازیٔ عمر (کا لالچی)

بطِّ حرص آمد کہ نُولش در زمیں | در تر و در خشک میجوید دفیں
حرص بطخ ہے کہ اس کی چونچ زمین میں ہے | تر اور خشک میں دفینہ ڈھونڈتی ہے

یک زماں نبود مُعطل آں گلو | نشنود از حُکم جز اَمرِ کُلُوا
اس کا حلق تھوڑی دیر کیلئے بھی معطل نہیں ہوتا | وہ کھاؤ کے سوا کوئی حکم نہیں سُنتی ہے

ہمچو یغماچی کہ خانہ میکند | زُود زُود انبانِ خود پُر میکند
اُس لٹیرے کی طرح جو گھر کو کھودتا ہے | جلد جلد اپنا تھیلا بھرتا ہے

اندر انباں می فشارد نیک و بد | دانہائے دُرّ و حبّاتِ نخود
اچھا، بُرا تھیلے میں ٹھونستا ہے | موتی کے دانے اور چنے کے دانے

ایک سوار کی ہمت اور بہادری بہت سے لشکروں کی پناہ ہوتی ہے —— ۳ؔ زانکہ۔ انسان کے جسم میں یہ چار خصلتیں ہیں جنکو چار پرندوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خلق۔ ان خصائل کے ازالے سے ابدی زندگی نصیب ہوگی۔ باز شاں۔ ان چاروں خصلتوں کو اس طرح قابو میں رکھو کہ ان کی مضرت سے بچ سکو۔

ہے یہی انسان کو اندھا کردیتی ہیں۔ بستن۔ جو شخص ان چاروں صفتوں کو مٹائیگا اسکی جان حقیقت تک رسا ہوجائے گی۔

۵ؔ نے خیال۔ یعنی اے حسام الدین لوگوں میں سے صفاتِ ذمیمہ کو دور کردیجئے تاکہ انکو سلوک میں سیر حاصل ہوجائے۔ تن تو۔ مرید شیخ کے اجزا کی طرح ہوتے ہیں۔ از تو۔ تیرے وجود سے یہ عالم ارواح بنا ہوا ہے پشت

۵ؔ چوں۔ جب آپ دلوں پر حکومت کرنے لگیں گے تو خلافتِ الٰہی کے مستحق ہونگے۔ سر ببر۔ ان رذائل کے ازالہ سے حیاتِ سرمدی حاصل ہوجائیگی۔ بط۔ ان چار پرندوں جیسی انسان میں چار خصلتیں ہیں۔

۶ؔ بط۔ بطخ سے مراد انسانی حرص ہے اور مرغے سے مراد انسانی شہوت ہے مور سے مراد انسان کی جاہ طلبی ہے اور کوّے سے مراد انسان کی تمنا ہے۔ منیتش۔ ایک آرزو مند کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کو دنیوی زندگی ہمیشہ کیلئے حاصل ہوجائے یا کم از کم عمر دراز ہوجائے۔ بط۔ انسان کی حرص بطخ کی طرح ہے جو ہر جگہ اپنی چونچ خوراک کی جستجو میں گاڑتی پھرتی ہے۔ کُلُوا۔ اللہ کے احکام میں سے اس نے صرف "تم کھاؤ" ہی کو سُنا ہے۔ یغماچی۔ لٹیرا جلد جلد ہر چیز کو تھیلے میں بھرتا ہے

تا مبادا باغیٔ آید دگر ‏— میفشارد در جوال اُو خشک و تر

ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا لٹیرا آجائے — وہ بورے میں خشک و تر ٹھونستا ہے

وقت تنگ و فرصت اندک و مخوف ‏— در بغل زد ہر چہ زود بے وقوف

وقت تنگ ہے فرصت تھوڑی ہے وہ ڈرا ہوا ہے — بے تامّل جو کچھ ہے اُسے بغیر سمجھے بوجھے بغل میں دبا لیا

اعتمادش نیست بر سلطانِ خویش ‏— کہ مبادا باغیٔ آید بہ پیش

اُس کو اپنے شاہ پر بھروسہ نہیں ہے — (اس بارے میں) ایسا نہ ہو کہ کوئی لٹیرا آجائے

لیک مومن ز اعتمادِ آں حیات ‏— میکند غارت بمہل و باانات

لیکن مومن اُس (اُخروی) زندگی کے بھروسہ پر — لوٹتا ہے، تامّل اور توقف سے

ایمن است از فوت و از باغی کہ اُو ‏— می شناسد قہرِ شہ را بر عدو

وہ محرومی اور لٹیرے سے مطمئن ہے کیونکہ وہ — دشمن پر شاہ کے قہر کو جانتا ہے

و ایمن ست از خواجہ تاشانِ دگر ‏— کہ نیایندش مزاحم صرفہ بر

اور دوسرے ساتھیوں سے مطمئن ہے — کہ اُس سے مزاحمت کرنیوالے فائدہ مند ہونگے

عدلِ شہ را دید در ضبطِ حشم ‏— کہ نیارد کرد کس بر کس ستم

خادموں کے معاملہ میں اس نے بادشاہ کے انصاف — کہ کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا ہے

لاجرم نشتابد و ساکن بود ‏— از فواتِ حظِ خود ایمن بود

لامحالہ وہ جلدی نہیں کرتا اور سکون سے ہوتا ہے — اپنے حصہ کے فوت ہونے سے مطمئن ہوتا ہے

پس تانّی دارد و صبر و شکیب ‏— چشم سیر و مُوثر است و پاک جیب

پس وہ آہستہ روی اور صبر شکیب اختیار کرتا ہے — سیر چشم ہے دوسروں کو ترجیح دینے والا ہے پاک دل ہے

کیں تانّی پرتوِ رحمان بود ‏— واں شتاب از ہزۂ شیطان بود

کیونکہ یہ آہستہ روی اللہ (تعالیٰ) کا سایہ ہے — اور وہ جلد بازی شیطانی حرکت ہے

زانکہ شیطانش بترساند ز فقر ‏— بارگیرِ صبر را بکُشد بعقر

کیونکہ شیطان اس کو افلاس سے ڈراتا ہے — صبر کا بوجھ اٹھانیوالے کا پاؤں کاٹ ڈالتا ہے

از نبی بشنو کہ شیطاں در وعید ‏— میکند تہدیدت از فقرِ شدید

قرآن سے سُن کر شیطان دھمکانے میں — تجھے سخت افلاس سے ڈراتا ہے

تا خوری زشت و بری زشت از شتاب ‏— نے مروت نے تانّی نے ثواب

تاکہ تو جلدی میں بُرا کھائے، بُرا کمائے — نہ انسانیت نہ آہستہ روی نہ ثواب

لاجرم کافر خورد در ہفت بطن ‏— دین و دل باریک و لاغر زفت بطن

لامحالہ کافر سات پیٹ میں کھاتا ہے — دین اور دل کمزور اور لاغر ہے پیٹ بھاری ہے

ہفت بطن۔ سات انتڑیاں۔ کافر۔ اس تقصے سے کافروں کی بسیار خوری کو سمجھانا ہے۔

سلہ۔ تا مبادا۔ اس کی جلد بازی اس لئے ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا لٹیرا آکر شریک نہ بن جائے۔ اعتمادش۔ اس کو اپنے خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا ہے۔ لیک مومن۔ مرد مومن چونکہ اُخروی زندگی کا بھی عقیدہ رکھتا ہے اس لئے اُسیں یہ جلد بازی نہیں ہوتی۔

سلہ ایمن۔ اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اس کا خدا اس کے دشمن پر غالب ہے۔ خواجہ۔ اس کو دوسرے مومنوں کی طرف سے بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ عدلِ شہ۔ وہ خدائی انصاف پر یقین رکھتا ہے۔ لاجرم۔ مومن ان عقائد کی وجہ سے مطمئن رہتا ہے کہ اس کا مقدر کوئی نہیں چھین سکتا۔

سلہ تانّی۔ بُردباری۔ مُوثر۔ اپنی ضرورت پر دوسروں کو ترجیح دینے والا۔ کیں۔ حدیث شریف ہے اَلتَّانِّیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالتَّعْجِیْلُ مِنَ الشَّیْطٰنِ۔ حلم اور بُردباری اللہ کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی جانب سے ہے۔ بارگیر۔ بوجھ اُٹھانے والا۔ عقر۔ ہاتھ پاؤں کاٹ دینا۔ فقر۔ قرآن پاک میں ہے اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ "شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے"۔

سلہ تا خوری۔ شیطان فقر سے اس لئے ڈراتا ہے کہ انسان کھانے کمانے میں حرام سے پرہیز نہ کرے۔ کافر میں نہ مروّت ہوتی ہے نہ بُردباری اور نہ وہ ثواب کا مستحق ہوتا

شرح آدمی کے اندر چار اوصاف ہیں جو دل کو تکلیف دیتے ہیں اور وہ چاروں عقل کے لئے شکنجہ ہیں پس اے صاحب عقل تاباں! تم اپنے وقت کے عقیل ہو تم کو چاہیئے کہ ان چاروں راہزن پرندوں کو مار ڈالو۔ کیونکہ ان میں ہر جانور کوے کی طرح عقلاء کی عقلوں کی آنکھیں نکال لیتا ہے اور یہ چاروں اوصاف جسمانی جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ مثل ابراہیم خلیل اللہ کے جانوروں کے ہیں جن کو انہوں نے بحکم سبحانہٗ احیاء موتےٰ کے مشاہدہ کے لئے ذبح کیا تھا اور ان کا ذبح ہو جانا روح کو وصول الی الحق کا رستہ دیتا ہے پس اے خلیل وقت تم بھلے بُرے غرضکہ سب لوگوں کو ان کے پنجے سے ..... چھڑانے کے لیے ان کا سر اڑا دو۔ تاکہ لوگوں کے پاؤں اس مانع سے چھوٹ جائیں جو ان کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں تم کو اوروں کے پاؤں ضرور کھولنے چاہیں تاکہ لوگوں کے پاؤں گویا کہ تمہارے ہی پاؤں ہیں۔ اسلئے کہ تم کل یعنی متبوع ہو اور سب تمہارے اجزاء یعنی تابع۔ تمہارے ایسا کرنے سے عالم پر روحانیت کا غلبہ ہوگا اور عالمِ روح زار بھلکے گا۔ اور یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ ایک سوار لشکروں کو سنبھال لیتا ہے۔ چونکہ جسم میں چار خصلتیں جاگزیں ہیں۔ جس کو چار فتنہ جو جانور کہتے ہیں اور جنہوں نے مخلوق کو تباہ کر رکھا ہے ——— اسلئے میں کہتا ہوں کہ اگر تم مخلوق کو ہمیشہ کے لئے زندہ کرنا چاہتے ہو تو اول ان بُرے اور منحوس چاروں جانوروں کے سر اڑا دو۔ اور ان کو پھر دوسری طرح یوں زندہ کر دو کہ یہ مطیع نفس نہ رہیں۔ اور نقصان نہ پہنچا سکیں۔ بلکہ اس بقاء بعد الفنا کے بعد مطیع عقل ہو جائیں۔ میں سر اڑانے کے لئے تم سے اسلئے کہتا ہوں کہ ان چار راہزن جانوروں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا ہے اور ان کو نقصان پہنچا رہے ہیں جبکہ تم ان جانوروں کو مار کر تمام دلوں پر مسلط اور ان میں متصرف ہو جاؤ گے۔ اس وقت تم خلیفۂ حق ہو گے

بایں معنیٰ کہ اس وقت اس خلافت کا پورے طور پر ظہور ہوگا۔

پس ان چاروں زندہ جانوروں کا سر اڑا دو۔ اور مخلوق فانی کو حیاتِ ابدی عطا کر کے اسکو دائم البقار کر دو۔

فائدہ: ان اشعار میں یا تو خطاب خاص شیخ حسام الدین کو ہے کما ہو ظاہر السیاق یا مطلقًا مرشد کامل کو۔ یا ہر شخص کو۔ (فتدبر)

اب ان چاروں جانوروں کی تفصیل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار جانوروں کو مارا تھا۔ وہ یہ تھے بطخ، مور، کوا، مُرغا۔ یہ چاروں جانور ان چار معنوی جانوروں کے مشابہ ہیں۔ جو نفوس میں گھر کئے ہوئے ہیں اور وہ جانور یہ ہیں۔ حرص، شہوت، جاہ، طولِ اَمل۔ پس بط شبیہ حرص ہے اور مرغا شبیہ شہوت، مور شبیہ جاہ اور کوا شبیہ طول اَمل آدمی کی طول اَمل کی یہ کیفیت ہے کہ خواہ مخواہ امیدیں تراشتا ہے اور دنیا میں ہمیشہ رہنا یا کم از کم ایک عرصہ دراز تک رہنا چاہتا ہے۔ اسلئے اس کی اس طول اَمل کو کوے سے مناسبت ہے کہ وہ دراز عمر ہوتا ہے۔ حرص بطخ ہے کیونکہ وہ زمین میں منہ دئیے ہوئے بر و بحر میں خزانہ ڈھونڈتی پھرتی ہے اور اس کا حلق ایک دم بیکار نہیں رہتا۔ اور وہ حکم کُلوا کے سوا کوئی اور حکم سنتی ہی نہیں۔ اُس کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے لُٹیرا جو کہ دوسروں کے گھر اجاڑتا ہے۔ اور جلد جلد اپنا تھیلا بھرتا ہے اور جو کچھ بُرا بھلا اسے ملتا ہے خواہ موتی ہوں یا چنے سب کو بلا امتیاز تھیلے میں ٹھونس لیتا ہے۔ اور بدیں خیال کہ مبادا کوئی اور باغی آکر شریک ہو جائے تر و خشک سب کو گون میں بھر لیتا ہے اس کی نظر میں وقت تنگ ہوتا ہے فرصت کم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی خوف زدہ بھی ہوتا ہے اس لیے جو کچھ ہی ملتا ہے بدون اسکو دیکھے اپنی بغل میں دبا لیتا ہے اسکو اپنے بادشاہ پر اعتماد نہیں ہوتا اور وہ

ڈرتا ہے کہ مبادا کوئی باغی آجائے اور میرا مال چھین لے یا کم از کم اس میں شریک ہو جائے۔ یہ تو حالت اہل دنیا کی تھی۔ کہ وہ حق سبحانہ پر اعتماد نہ ہونے اور دنیا کو سطحی نظر بنانے کے سبب اسی میں منہمک اور اسی کی تحصیل میں مشغول ہیں۔ لیکن کامل الایمان لوگ اپنی حیات کے اعتماد پر صبر و سکون کے ساتھ سامان دنیوی حاصل کرتا ہے کیونکہ وہ قبل از استکمال رزق مرجائے اور رزق کے فوت ہوجانے اور باغی سے مامون ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حق سبحانہ میرے دشمنوں پر غالب ہیں۔ وہ ہرگز ان کو موقع نہیں دے سکتے۔ کہ میرا حصہ اڑالیں اور وہ اس سے بے کھٹکے ہے۔ کہ میرے ہم مشرب مومنین میرے مزاحم ہو کر خود مال اڑالیں گے غرضکہ نہ اُسے دشمنوں سے ڈر ہے نہ دوستوں سے اندیشہ۔ اسلئے اطمینان کے ساتھ رزق مقدر حاصل کرتا ہے۔ اور جو کہ وہ انتظام رعایا کے بارہ میں بادشاہ کا عدل دیکھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا اسلئے وہ جلدی نہیں کرتا۔ اور سکون سے کام لیتا ہے اور اپنے حصہ کے فوت ہونے سے بے کھٹکے ہوتا ہے۔ وہ نہایت تحمل اور صبر سے کام لیتا ہے اور نہایت سیر چشم اور صاحب ایثار اور پاکباز ہوتا ہے۔

تحمل کو وہ اسلئے اختیار کرتا ہے کہ تحمل پَرتوِ ہے حق سبحانہٗ کا۔ اور عجلت کو اسلئے چھوڑتا ہے کہ عجلت اثر ہے تحریک شیطان کا۔ کیونکہ شیطان فقر کی دھمکی دیتا ہے اور اس طرح اس پر اسپِ صبر کی کونچیں کاٹ کر اسے فنا کر دیتا ہے باور نہ ہو تو قرآن سے سُن لو کہ وہ کہتا ہے اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ یعنی شیطان تمہیں فقر کی دھمکی دیتا ہے اور مقصود اس دھمکی سے یہ ہے کہ تم ڈر کے مارے تحصیلِ دنیا میں عجلت کرو اور جلدی میں تمہیں بھلے بُرے کی تمیز نہ رہے اسلئے تم کھاؤ بھی بُرا اور کماؤ بھی برا۔ نہ تم میں انسانیت رہے نہ صبر و تحمل اور نہ تمہیں ثواب ملے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر بحکم حدیث

سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کیونکہ وہ شیطان کا پورا محکوم ہوتا ہے اسلئے وہ اندھادھند پیٹ بھر لیتا ہے اور مومن اس کا محکوم نہیں ہوتا اسلئے سوچ سمجھ کر کھاتا ہے۔ اب مولانا کافر کی سات آنتوں میں کھانے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

در سببِ ورودِ ایں حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے وارد ہونے کا سبب کہ

اَلْکَافِرُ یَاْکُلُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ یَاْکُلُ فِیْ مِعًی وَاحِدٍ
کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک انتڑی میں کھاتا ہے

کافراں مہمانِ پیغمبر شدند — وقتِ شام ایشاں بہ مسجد آمدند
کافر، پیغمبر کے مہمان ہوئے — شام کے وقت وہ مسجد (نبوی) میں آگئے

کامدیم اے شاہ ما اینجا قنق[1] — اے تو مہماں دارِ سکانِ اُفُق
کہ اے شاہ! ہم اس جگہ مہمان بنکر آئے ہیں — اے وہ کہ آپ جہان کے رہنے والوں کے مہمان ہیں

بینوائیم و رسیدہ ما ز دُور — ہیں بیفشاں بر سرِ ما فضل و نُور
ہم بے سروسامان ہیں اور دور سے آئے ہیں — ہاں ہمارے سروں پر مہربانی اور نور چھڑک دیجئے

رُو بیاراں کرد آں سلطانِ راد — دستگیرِ جملہ شاہان و عباد
اُس سخی شاہ نے دوستوں کی طرف رُخ کیا — جو تمام بادشاہوں اور غلاموں کا دستگیر ہے

گفت اے یارانِ من قسمت کنید — کہ شما پُر از من و خوئے منید
فرمایا، اے میرے دوستو! تقسیم کر لو — کیونکہ تم میری (محبت) اور عادت سے بھرے ہوئے ہو

پُر بود اجسامِ ہر لشکر ز شاہ — زاں زنندے تیغ بر اعدائے جاہ
ہر لشکر کے جسم بادشاہ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں — اسی لئے مرتبہ کے دشمنوں پر تلوار چلاتے ہیں

تو بخشم[2] شہ زنی آں تیغ را — ورنہ بر اخواں چہ خشم آید ترا
تو بادشاہ کے غصہ کی وجہ سے تلوار چلاتا ہے — ورنہ بھائیوں پر تجھے کیا غصہ آئے!

بر برادر بے گناہے میزنی — عکسِ خشمِ شاہ گرزِ دہ منی
بلاقصور بھائی پر تو مارتا ہے — بادشاہ کے غصہ کے زیر اثر دس سیر کا گرز

شہ یکے جانست لشکر پُر ازو — روح چوں آبست ویں اجسام جُو
بادشاہ ایک جان ہے لشکر اس سے بھرا ہوا ہے — روح پانی کی طرح ہے اور یہ جسم نہر (کی طرح) ہیں

[1] قنق۔ مہمان۔ اُفق۔ اطرافِ عالم۔ یاراں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آنحضور۔ عباد۔ عبد کی جمع ہے، بندہ۔ قسمت۔ یعنی مہمانوں کو آپس میں بانٹ لو۔ پُر بود۔ شاہ کی سیرت لشکریوں پر اثرانداز ہوتی ہے۔

[2] بخشم۔ دشمنوں پر بادشاہ کو غصہ ہوتا ہے اسی بنیاد پر لشکری تلوار چلاتے ہیں۔ شہ۔ بادشاہ لشکر کے لئے بمنزلہ روح کے ہے۔ آب۔ اگر بادشاہ خوب سیرت ہے تو لشکر بھی خوب سیرت ہوتا ہے۔

آبِ رُوحِ شاہ گر شیریں بُود — جملہ جُوہا پُر ز آبِ خوش شود
اگر بادشاہ کی رُوح کا پانی میٹھا ہوتا ہے — ساری نہریں میٹھے پانی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں

کہ رعیّت دینِ شہ دارند و بس — اینچنیں فرمود سُلطانِ عَبَس
کیونکہ رعایا فقط بادشاہ کا دین رکھتی ہے — (سورۂ) عبس کے شاہ نے ایسا ہی فرمایا ہے

ہر یکے یارے یکے مہماں گزید — در میاں بُد یک شِکم زفت و عَنید
ہر دوست نے ایک مہمان منتخب کر لیا — اُن میں ایک پیٹو اور سرکش تھا

جسمِ ضخمے داشت کس اُو را نبُرد — ماند در مسجد چو اندر جام دُرد
بھاری جسم رکھتا تھا اُس کو کوئی نہ لے گیا — وہ مسجد میں رہ گیا جس طرح جام میں تلچھٹ

مُصطفےٰ اُو بُرد چوں واماند از ہمہ — ہفت بُز بُد شیر دہ اندر رمہ
جب وہ سب سے رہ گیا، مصطفےٰ اسکو لے گئے — گلّے میں سات بکریاں دودھ والی تھیں

کہ مقیمِ خانہ بُودندے بُزاں — بہرِ دوشیدن برائے وقتِ خواں
جو بکریاں گھر پر رُکی ہوئی تھیں — دسترخوان کے وقت دُہنے کے لیے

نان و آش و شیرِ آں ہر ہفت بُز — خورد آں بُو قحط عوج ابنِ غُز
روٹی اور سالن اور اُن ساتوں بکریوں کا دودھ — وہ قحط زدہ، عوج، غُز کا بیٹا کھا گیا

جملہ اہلِ بیت خشم آلو شُدند — کہ ہمہ در شیرِ بُز طامع بُدند
تمام گھر والے غصّہ میں بھر گئے — کہ سب بکریوں کے دودھ کے اُمیدوار تھے

معدہ طبلے خوار ہمچو طبل کرد — قسمِ ہژدہ آدمی تنہا بخورد
پیٹو نے معدہ ڈھول کی طرح کر لیا — اٹھارہ آدمیوں کا حصہ تنہا کھا گیا

وقتِ خفتن رفت و در حجرہ نشست — پس کنیزک از غضب در را ببست
سوتے وقت گیا اور حجرے میں بیٹھ گیا — لونڈی نے غصّہ سے دروازہ بند کر دیا

از بُروں زنجیرِ در را در فگند — کہ ازو بُد خشمگین و درد مند
باہر سے دروازے کی زنجیر لگا دی — کیونکہ وہ اُس سے غصّہ میں اور رنجیدہ تھی

گبر را از نیم شب تا صبحدم — بس تقاضا آمد و دردِ شکم
کافر کو آدھی رات سے صبح تک — بہت تقاضا اور پیٹ میں درد ہوا

از فراشِ خویش سوئے در شتافت — دست بر در چوں نہاد اُو بستہ یافت
اپنے بستر سے دروازے کی جانب دوڑا — جب دروازہ پر ہاتھ رکھا اُس کو بند پایا

در کشادن حیلہ کرد آں حیلہ ساز — نوع نوع و خود نشد آں بند باز
اُس مکار نے دروازہ کھولنے کی تدبیر کی — طرح طرح لیکن، وہ دروازہ نہ کھلا

شد تقاضا بر تقاضا خانہ تنگ — ماند اُو حیران و بیدرمان و دنگ
تقاضے پر تقاضے کی وجہ سے گھر تنگ ہو گیا — وہ حیران اور پریشان اور لاچار ہو گیا

---

۵۳ سلطانِ عبس۔ سورۂ عبس آنحضورؐ پر نازل ہوئی ہے آنحضورؐ نے فرمایا ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں یعنی جیسا راجہ ویسی پرجا۔ درمیاں۔ اُن مہمانوں میں ایک بہت پیٹو تھا۔ جسم ضخمے۔ چونکہ وہ بہت موٹا تھا اُس کو کوئی اپنے گھر نہ لے گیا۔ بُز۔ یعنی آنحضورؐ کے گلّے میں سات بکریاں دودھ دینے والی تھیں۔

۵۵ کہ مقیم۔ یہ دودھ والی بکریاں جنگل نہ جاتی تھیں تاکہ کھانے کے وقت اُن کا دودھ دوہ لیا جائے۔ بو قحط۔ قحط میں مبتلا انسان بسیار خور ہو جاتا ہے۔ غُز۔ ترکوں میں سے ایک قوم تھی جو ڈاکو تھی عوج کے باپ کا نام عُنق تھا مولانا نے اُس کی بری عادتوں کی وجہ سے اُس کو غُز کا بیٹا کہا ہے۔ خشم آلو خشم آلودہ۔ طامع۔ اُمیدوار۔

۵۶ طبلے خوار۔ بسیار خور۔ ہژدہ۔ اٹھارہ۔ بس۔ چونکہ لونڈی کو اُس پر غصہ آرہا تھا۔ در فگند یعنی زنجیر کو کنڈے میں ڈال دیا۔ تقاضا یعنی اُس کو بد ہضمی کی وجہ سے قضاء حاجت کا تقاضا ہوا اور پیٹ میں درد ہوا۔

۵۷ در کشادن اُس نے دروازہ کھولنے کی بہت تدبیریں کیں لیکن دروازہ نہ کھلا۔ حیلہ کرد۔ اُس نے قضاءِ حاجت کو دبانے کی یہ تدبیر کی کہ سو گیا۔ بر تقاضا۔ اُس نے

حیلۂ کرد و بخواب اندر خزید — خویشتن در خواب در ویرانہ دید

اُس نے تدبیر کی اور نیند میں مبتلا ہو گیا — اُس نے خواب میں اپنے آپ کو ایک ویرانہ میں دیکھا

زانکہ ویرانہ بُدا اندر خاطرش — شُد بخواب اندر ہمانجا منظرش

کیونکہ اُس کے باطن میں ویرانہ تھا — خواب میں بھی اُس کی اُسی جگہ نظر پڑی

خویش در ویرانۂ خالی چو دید — اُو چناں محتاج اندر دم برید

جب اُس نے اپنے آپ کو خالی ویرانہ میں دیکھا — اُس ایسے ضرورتمند نے فوراً ہگ دیا

گشت بیدار و بدید آن جامہ خواب — پُر حدث[1] دیوانہ شد از اضطراب

بیدار ہوا اور اُس نے سونے کا بستر دیکھا — نجاست سے بھرا ہوا پریشانی سے دیوانہ ہو گیا

زاندرونِ اُو بر آمد صد خروش — زیں چنیں رسوائیِ بے خاک پوش

اُس کے دل سے سینکڑوں آہیں نکلیں — مٹی میں نہ چھپنے والی ایسی رُسوائی سے

گفت خوابم بدتر از بیداریم — کارِ نیکم بدتر از بدکاریم

بولا میرا سونا میری بیداری سے بدتر ہے — میری نیکی میری بدکاری سے (بھی) بُری ہے

بانگ[2] می زد وا ثبورا وا ثبور — آنچناں کہ کافران وز نشور

ہائے ہلاکت! ہائے ہلاکت کا شور کرتا تھا — جس طرح کافر حشر کے دن (کریں گے)

منتظر کہ کے شود ایں شب بسر — تا برآید از کشادن بانگِ در

اس کا منتظر کہ یہ رات کب ختم ہوگی — تاکہ دروازہ کھلنے کی آواز آئے

تا گریزد اُو چو تیرے از کماں — تا نہ بیند ہیچکس اُورا چناں

تاکہ وہ کمان سے تیر کی طرح بھاگ جائے — تاکہ اُس کو کوئی اِس حالت میں نہ دیکھے

قصہ بسیار است کوتہ میکنم — باز شد آں در رہید از درد و غم

قصہ بہت ہے، میں مختصر کرتا ہوں — دروازہ کھلا اُس کو درد و غم سے نجات ملی

[1] پُر حدث یعنی پاخانہ میں سنا ہوا ——— زاندروں۔ اُس کے دل میں اُس نازیبا حرکت سے بہت سی پریشانیاں پیدا ہو گئیں۔ گفت۔ جاگنے میں زیادہ کھایا سوتے میں بستر پر پاخانہ پھر دیا۔

[2] بانگ۔ کفار حشر کے دن واویلا وا ثبورا ہائے تباہی ہائے ہلاکت کہیں گے نشور۔ حشر۔ بسر۔ یعنی رات کب ختم ہوگی۔ چناں یعنی پاخانہ میں سنا ہوا۔

شرح

کچھ کافر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہاں مہمان ہوئے اور شام کے وقت مسجد نبوی میں آئے اور آکر عرض کیا آپ تمام عالم کے مہربان ہیں کیونکہ جس کسی کو جو کچھ ملتا ہے آپ ہی کے طفیل میں ملتا ہے۔ ہم بھی آپ کے مہمان ہیں ہم مفلس ہیں اور دور سے آرہے ہیں آپ ہم پر عنایت اور نور برسائیے! یہ سُنکر وہ شاہ اور تمام بادشاہوں اور دیگر بندوں کے دستگیر اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ صاحبو! ان کو تقسیم کر لو کیونکہ تم مجھ سے

اور میری خصلت سے پر ہو۔ اسلئے تم کو اسکی گرانی نہیں ہو سکتی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہر لشکر بادشاہ سے پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سلطان کے دشمنوں کے تلواریں مارتے ہیں اور تم اپنی بھائیوں کے تلوار مارتے ہو بادشاہی کے غصہ سے مارتے ہو ورنہ اپنے بھائیوں پر تمہیں کبھی غصہ آسکتا ہے؟ اور تم اپنے بھائیوں کے بدن اسکے کہ انہوں نے تمہارا کوئی قصور کیا ہو۔ بادشاہ کے غصہ کے عکس سے تلوار مارتے ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ بادشاہ ایک جہان ہے اور لشکر اس سے پر ہے اور بادشاہ کی رُوح بمنزلہ پانی کے ہے اور سپاہیوں کے اجسام بمنزلہ نہروں کے۔ [**فائدہ: مقصود اس سے** یہ نہیں ہے کہ بادشاہ کی روح حقیقتاً فوج میں حلول کئے ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ لشکری بادشاہ کے خیالات سے متاثر ہوتے ہیں] یہ بھی وجہ ہے کہ اگر آب روح شاہ شیریں ہوتا ہے تو تمام ندیاں شیریں ہوتی ہیں۔ اور اگر شور ہوتا ہے تو وہ بھی شور ہوتی ہیں یعنی بادشاہ اگر اچھا ہوتا ہے تو رعایا بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر بُرا ہوتا ہے تو رعایا بھی بری ہوتی ہے ——— کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **الناس علیٰ دین ملوکھم** یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو! کہ ہر ایک صحابی نے ایک ایک مہمان بانٹ لیا۔ ان میں ایک مہمان بڑے پیٹ والا کافر تھا چونکہ اس کا جسم بہت بڑا تھا اسلئے اسے کوئی نہ لے گیا اور وہ مسجد میں یوں رہ گیا جیسے جام شراب میں تلچھٹ۔ پس جبکہ وہ سب سے بچ رہا تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان پر لے آئے آپکے گلہ میں سات بکریاں تھیں جو کہ دودھ دیتی تھیں اور مکان پر اس غرض سے موجود تھیں کہ کھانے کے وقت ان کا دودھ نکال لیا جائے۔ پس وہ شب بھو کا شبیہ عوج بن عنق تمام کھانا کھا گیا اور تمام بکریوں کا دودھ پی گیا۔ چونکہ تمام گھر والے دودھ کے طمع میں

تھے اور اس نے کسی کے لیئے ہی نہ چھوڑا۔ اسلیئے سب کو اس پر غصہ آیا۔ القصہ!
اس بسیار خور نے اپنے معدہ کو ڈھول سا بنالیا اور اٹھارہ آدمیوں کا کھانا اکیلا کھا
گیا۔ جب سونے کا وقت آیا تو حجرہ میں جاکر بیٹھ گیا۔ غصہ کے سبب سے ایک لونڈی
نے آکر آگے سے دروازہ بند کر دیا اور باہر سے زنجیر لگادی کیونکہ وہ اس پر بہت
غصہ تھی اور اس سے اُسے تکلیف پہنچی تھی۔ اور اس کافر کو آدھی رات سے صبح تک
قضائے حاجت کی سخت ضرورت محسوس ہوتی رہی اور پیٹ میں درد بھی رہا۔ اسی
اثنا میں وہ اپنے بستر سے اُٹھ کر دروازے کی طرف دوڑا جب دروازہ کو ہاتھ لگایا
تو اُسے بند پایا اس چالاک نے دروازہ کھولنے کے لیے طرح طرح سے تدبیریں کیں
مگر دروازہ نہ کھلا۔ اُس کو قضائے حاجت کا تقاضے پر تقاضا ہوتا تھا ادھر مکان ..
تنگ تھا اسلیئے وہ سخت پریشان اور بے چارہ حیران تھا بالآخر وہ کسی تدبیر سے
سوگیا تو اُس نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک جنگل میں ہوں جو کہ بیداری میں اُسے جنگل
کا بہت خیال تھا کیونکہ اسے قضائے حاجت کی ضرورت تھی اسلیئے خواب میں بھی
اُسے وہی نظر پڑا۔

القصہ! جب اُس نے اپنے کو سنسان جنگل میں دیکھا تو اسے ضرورت تو تھی ہی
فوراً پاخانہ پھر دیا۔ جب آنکھ کھلی تو اُس نے کروٹوں کو گوہ میں لتھڑا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر
فرط اضطراب سے دیوانہ ہوگیا اور اس رسوائی کے سبب جس کو خاک بھی نہیں دبا
سکتی تھی۔ اس کے دل سے آہیں نکلتی تھیں اور کہتا تھا کہ میرا سونا تو جاگنے سے بھی
برا نکلا اور جس کام کو میں اچھا جانتا تھا وہ تو اس سے بھی برا نکلا جس کو میں برا سمجھتا تھا۔
الغرض وہ ارے میں تباہ ہوگیا۔ ارے میں برباد ہوگیا کے یوں نعرے مارتا تھا۔ جیسے
کافر قیامت میں نعرہ لگائیں گے۔ اور منتظر تھا کہ کب یہ رات ختم ہو کہ دروازہ کھلنے کی
آواز آئے تاکہ میں یوں سٹک جاؤں جیسے کمان سے تیر۔ تاکہ کوئی شخص مجھے اس

حالت میں نہ دیکھے خیر قصہ تو لمبا ہے مگر میں اسے مختصر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ الحمد للہ کر کے دروازہ کُھلا اور وہ اس تکلیف اور غم سے چھوٹ گیا۔

درِ حُجرہ کُشادن مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بر مہمانِ خود و خود را پنہاں کردن تا اُو خیالِ درکشا ئندہ را نہ بیند و خجل نشود و گُستاخ بیروں رَود

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان کے لئے حجرے کا دروازہ کھولنا اور اپنے آپ کو چھپا لینا تاکہ وہ دروازہ کھولنے والے کی پرچھائیں کو نہ دیکھے اور شرمندہ نہ ہو اور بے دھڑک باہر چلا جائے

مُصطفےٰ[۱] صبح آمد و دَر را گُشاد
صبح کو مُصطفےٰ آئے اور دروازہ کھولا

صبح آں گمراہ را اُو راہ داد
صبح کو اُس گمراہ کو انہوں نے راستہ دیدیا

در کشاد و گشت پنہاں مُصطفےٰ
دروازہ کھولا اور مُصطفےٰ چُھپ گئے

تا نگردد شرمسار آں مُبتلا
تاکہ وہ مصیبت کا مارا شرمندہ نہ ہو

تا بُروں آید رَوَد گستاخ اُو
تاکہ وہ باہر آجائے اور بے دھڑک چلا جائے

تا نہ بیند درکُشا را پُشت و رُو
تاکہ دروازہ کھولنے والے کی پُشت اور چہرے کو

یا[۲] نہاں شد در پسِ دیوار یا
یا تو دیوار کے پیچھے چُھپ گئے یا

از وَیش پوشید دامانِ خدا
ان کو اُس سے خدا کے دامن نے چھپالیا

صبغۃ اللہ گاہ پوشیدہ کُند
اللہ (تعالےٰ) کا رنگ کبھی چُھپا تا ہے

پردۂ بیچوں بَراں ناظر تَنَد
بے کیفیت کا پردہ دیکھنے والے پر پڑجاتا ہے

تا نہ بیند خصم را پہلوئے خویش
تاکہ وہ دشمن کو اپنے پہلو میں نہ دیکھے

قدرتِ یزداں ازیں بیش ست بیش
اللہ (تعالےٰ) کی قدرت بیش از بیش ہے

مُصطفےٰ می دید احوالِ شبش
مُصطفےٰ اس کے رات کے احوال دیکھ رہے تھے

لیک مانع بود فرمانِ رَبش
لیکن اُن کیلئے اللہ (تعالےٰ) کا حکم مانع تھا

تا کہ پیش از خبط[۳] بکشاید رَہے
تاکہ (صبح کے) دھاگے سے پہلے وہ راستہ کھولدیں

تا نیفتد زاں فضیحت در چہے
تاکہ وہ اس رُسوائی سے کنویں میں نہ گرے

لیک حکمت بود و امرِ آسماں
لیکن مصلحت تھی اور آسمان کا حکم

تا بہ بیند خویشتن را اُو چناں
کہ وہ اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھ لے

---

[۱] مُصطفےٰ۔ آنحضورؐ کو مہمان کی یہ حرکت کسی طرح معلوم ہو گئی تھی — دروازہ اِس لئے نہ کھولا کہ اُس کو خوب شرمندگی ہو جو اُس کے ایمان لانے کا سبب بن جائے۔ تا نگردد۔ آنحضورؐ دروازہ کھول کر خود چُھپ گئے تاکہ اُس کو مزید شرمندگی نہ ہو۔

[۲] یا نہاں۔ حضورؐ یا خود چھپے تھے یا خدا نے آپ کو اُس کی نگاہوں سے چھپا دیا تھا۔ صبغۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کبھی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ انسان اپنے پہلو کے دشمن کو نہیں دیکھ سکتا۔ مصطفےٰ۔ آنحضورؐ کو اُس کے احوال کا علم ہو گیا تھا لیکن خدائی حکم تھا کہ رات کو دروازہ نہ کھولیں

[۳] خبط دھاگہ یعنی صبح صادق۔ لیکن شب میں دروازہ نہ کھولنا بظاہر اُس کے ساتھ دشمنی تھی لیکن اُس میں ہی اُس کی بھلائی مُضمر تھی۔ چونکہ جب اُس کافر نے صبح کو دروازہ کھلا دیکھا چپکے سے نکل بھاگا تو فضول۔ اُن صاحب کے لئے مناسب تھا کہ وہ اُس پاخانہ کو خود دھو دیتے۔

بس عداوتہا کہ آں یاری بود
بہت سی عداوتیں ہوتی ہیں کہ وہ دوستی ہوتی ہیں

بس خرابیہا کہ معماری بود
بہت سی بربادیاں ہوتی ہیں کہ وہ آبادی ہوتی ہیں

چونکہ کافر باب را بکشادہ دید
جب کافر نے دروازہ کھلا دیکھا

نرم نرمک از زمیں بیروں دوید
گھات سے آہستہ آہستہ باہر بھاگ گیا

جامہ خواب پر حدث یک فضول
سنے ہوئے کپڑے کو ایک سادہ لوح

قاصداً آورد در پیش رسولؐ
جان بوجھ کر آنحضورؐ کے سامنے لے آیا

کہ[1] چنیں کرد ست مہمانت ببیں
کہ دیکھئے آپ کے مہمان نے ایسا کیا ہے

خندہ زد رحمۃ للعالمیں
جہانوں کی رحمت مسکرا دیئے

کہ بیار آں مطہرہ اینجا بہ پیش
کہ وہ لوٹا سامنے لے آ

تا بشویم جملہ را با دستِ خویش
تاکہ سب کو اپنے ہاتھ سے دھو دوں

ہر کسے می جست کز بہرِ خدا
ہر شخص دوڑا کہ خدا کے لئے

جانِ ما و جسمِ ما قرباں ترا
ہماری جان اور ہمارا جسم آپ پر قربان ہو

ما بشوئیم ایں حدث را تو بہل
اس گندگی کو ہم دھو دینگے آپ رہنے دیں

کارِ دست ست ایں نمط نہ کارِ دل
یہ ہاتھ کا کام ہے، نہ کہ دل کا

اے[1] لعمرک مر ترا حق عمر خواند
اے تیری جان کی قسم (والے) تجھے اللہ نے عمر کہا

پس خلیفہ کرد و بر کرسی نشاند
پھر قائم مقام بنایا اور کرسی پر بٹھایا

ما برائے خدمتِ تو میزئیم
ہم آپ کی خدمت کے لئے زندہ ہیں

چوں تو خدمت می کنی پس ما کئیم
جب آپ خدمت کریں تو پھر ہم کیا ہیں؟

گفت آں دانم ولیک ایں ساعتیست
فرمایا میں یہ جانتا ہوں لیکن یہ وقت ہے

کہ[2] دریں شستن بخویشم حکمتیست
کہ اس میں میرے خود دھونے میں حکمت ہے

منتظر بودند کیں قولِ نبیؐ ست
وہ منتظر ہو گئے کہ یہ نبیؐ کا فرمان ہے

تا پدید آید کہ ایں اسرار چیست
یہاں تک کہ معلوم ہو کہ یہ کیا راز ہے؟

او بجد می شست آں احداث را
وہ اُن نجاستوں کو کوشش سے دھوتے تھے

خاص زامرِ حق نہ تقلید و ریا
خاص اللہ (تعالےٰ) کے حکم سے نہ کہ تقلید اور ریا سے

کہ دلش میگفت کیں را تو بشو
اُن کا دل کہہ رہا تھا کہ اس کو آپ خود دھوئیں

کاندریں جا ہست حکمت تو بتو
کہ اس جگہ اس میں تہ بہ تہ حکمتیں ہیں

ک۵ کہ چنیں۔ اُن صاحب نے آنحضورؐ کو بستر دکھا کر کہا۔ مطہرہ۔ لوٹا۔ ہر کسے۔ ہر صحابی نے کوشش کی کہ پاخانہ خود دھو دے۔ نہ کار دل آنحضورؐ صحابہ کے لئے دل و جگر تھے۔

لہ اے۔ قرآن پاک میں ہے۔ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۔ تیری عمر کی قسم وہ اپنی مستی میں اندھے ہوئے ہیں) خدا نے آنحضورؐ کی عمر کی قسم کھائی اور قسم ذات و صفات خداوندی کی کھائی جاتی ہے تو گویا آنحضورؐ کی عمر کو اپنی صفت قرار دیا ہے۔ تا ہماری زندگی کا مقصد آپ کی خدمت ہے۔ اگر ہم خدمت نہ کریں تو زندگی بیکار ہے۔

۲ کہ دریں۔ آنحضورؐ نے فرمایا ان سب باتوں کا مجھے یقین ہے لیکن پاخانہ خود میں اپنے ہاتھوں سے دھوؤنگا اسی میں حکمت پوشیدہ ہے۔ ایں اسرار یعنی خود دھونے کی حکمت کو دیکھ سکیں۔ او بجد۔ آنحضورؐ اپنے ہاتھوں نجاست کو خدائی حکم سے دھو رہے تھے ایسی کسی ریا اور تقلید کو دخل نہ تھا۔ [illegible] ہوا۔

شرح

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے اور دروازہ کھولا اور صبح کو اس کافر کو نکلنے کا راستہ دیا جس کی

تفصیل یہ ہے کہ آپ نے دروازہ کھولا اور خود چھپ گئے تاکہ وہ مصیبت زدہ شرمندہ نہ ہو اور بے تکلف باہر آجائے اور وہ دروازہ کھولنے والے کا چہرہ یا ہیئت نہ دیکھے جس سے وہ شرمندہ ہو۔ اب آپ کے اختفاء کی دو صورتیں ہیں یا تو آپ دیوار کے پیچھے چھپ گئے یا آپ ظاہر رہے مگر دامن حق سبحانہ نے اس سے آپ کو چھپا لیا یعنی چونکہ آپ خدا کے رنگ میں رنگے ہوئے اور اس کی صفات سے متصف تھے اور حق سبحانہ کی ایک صفت بطون و خفا بھی ہے اسلئے آپ مخفی ہو گئے ہونگے کیونکہ کبھی رنگِ خدا ہی منصبغ کو چھپا لیتا ہے اور بے کیف پردہ دیکھنے والے کی آنکھوں پر ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے مخالف کو اپنے پہلو میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ تم اسکو بعید نہ سمجھنا۔ اسلئے کہ حق سبحانہ کی قدرت اس سے بے انتہا زائد ہے۔ پس ایسا کرنا اس کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں۔

القصہ! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی رات کی حالت کو باعلامِ الٰہی دیکھ رہے تھے۔ مگر حکم الٰہی آپ کو دروازہ کھولنے سے مانع تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ صبح سے پیشتر دروازہ کھول دیں تاکہ صبح کو رسوائی کے سبب وہ کنوئیں میں نہ ڈوب مرے مگر حکمت حق سبحانہ اور امر الٰہی یہی چاہتا تھا کہ وہ اپنے کو رسوا دیکھے اسلئے نہ کھول سکے۔

[فائدہ] میرے نزدیک تاکہ پیش از خبط الخ کی تقدیر اومیخواست کہ پیش از خبط الخ ہے۔ ولم احصل ما قال المحشون] گو آپ کا یہ فعل بظاہر مخالفت تھا مگر نتیجہ اس کا بہتر تھا اور یہ کچھ مستبعد نہیں۔ کیونکہ بہت سی عداوتیں ایسی ہوتی ہیں جو مآل کے لحاظ سے دوستی ہوتی ہیں اور بہت سی ویرانیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا انجام تعمیر ہوتا ہے لہٰذا وہ عداوتیں اور ویرانیاں قابل قدر ہوتی ہیں نہ کہ قابل ناگواری۔

الغرض! جب اس کافر نے دروازہ کھلا دیکھا تو دبے دبے پاؤں حجرہ سے

باہر بھاگ گیا جب وہ نکل گیا اور کوئی شخص اندر پہنچا تو وہ اس گوہ میں لتھڑے ہوئے
کپڑے کو بالقصد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لایا اور کہا کہ ملاحظہ
فرمائیں حضور کے مہمان نے یہ حرکت کی ہے۔ رحمت للعالمین نے دیکھ کر تبسم فرمایا۔
اور فرمایا کہ لوٹا لاؤ۔ ہم خود اپنے ہاتھ سے اُسے دھوئیں گے ـــــ یہ سنکر یہ
شخص دوڑا اور عرض کیا کہ آپ ہماری جانیں اور ہمارے جسم قربان ہوں برائے خدا
آپ رہنے دیجیئے اس نجاست کو ہم دھوئیں گے ہم بمنزلہ ہاتھ کے ہیں اور آپ
بمنزلہ دل کے۔ یہ کام ہاتھ کا ہے نہ کہ دل کا۔

حق سبحانہٗ نے آپ کو یعنی آپ کی حیات کو اپنی حیات کہا ہے۔ اس بنا ر پر آپ کو
اپنا خلیفہ کر کے خلد میں اپنی جگہ کرسی پر بٹھلایا ہے یعنی بجائے لعمری کے لعمرک کہا ہے
پس یہ کام آپکے شایان شان نہیں ہے ہم تو آپ ہی کی خدمت کے لئے جیتے
ہیں۔ پس جب آپ کام کریں گے تو ہم کس مرض کی دوا ہیں۔ آپنے فرمایا کہ میں یہی
جانتا ہوں لیکن یہ ایک ایسا وقت ہے جس میں میرے اس کو اپنے ہاتھ سے دھونے
میں ایک خاص مصلحت ہے جو تمہارے دھونے پر مرتب نہ ہوگی اسلیئے میں اسے
خود دھوتا ہوں۔ لوگ منتظر تھے اور جانتے تھے کہ کہیں جلدی سے ظاہر ہو کہ یہ
کیا بھید ہے کیونکہ یہ نبی کا قول ہے جو غلط نہیں ہوسکتا۔ اسلیے کوئی بھید ضرور
ظاہر ہوگا۔

غرضکہ آپنے اسے خوب مل مل کے دھو رہے تھے اور یہ بحکم حق سبحانہٗ تھا
نہ تو کسی رسم کی پابندی کی بنا پر اور نہ دکھاوے کے لیے۔ امر حق ہم نے اسلیئے
کہا ہے کہ خود بخود آپ کا دل متقاضی تھا کہ اسے آپ خود دھوئیں کیونکہ اس میں
بہت سی مصلحتیں ہیں؛

سبب رجوع کردنِ آں مہمان بخانۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم دراں ساعت کہ نہالینِ ملوّثِ اُو را بدستِ مبارک خود می شُست و خجل شدنِ اُو و جامہ چاک کردن و نوحہ کردنِ اُو بر خود و بر حالِ خود و مسلمان شدن

اُس مہمان کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھر اُس وقت واپس آنے کا سبب جس وقت کہ وہ گندے ہوئے نہالچوں کو اپنے دستِ مبارک سے دھو رہے تھے اور اُس کا اپنے اوپر اور اپنی حالت پر شرمندہ ہونا اور کپڑے پھاڑنا اور رونا اور مسلمان ہو جانا

کافرک[۱] را ہیکلے بُد یادگار ۔۔۔ یاوہ دید آنرا و گشت او بیقرار

اُس حقیر کافر کے پاس ایک یادگار مورتی تھی ۔۔۔ اُس نے اسکو گم شدہ پایا وہ بے قرار ہو گیا

گفت آں حُجرہ کہ شب جا داشتم ۔۔۔ ہیکل آنجا بے خبر بگذاشتم

کہا کہ وہ حجرہ جہاں میں نے رات قیام کیا تھا ۔۔۔ لاعلمی میں مورتی اُس جگہ چھوڑ آیا ہوں

گرچہ شرمیں بُود شرمش حرص بُرد ۔۔۔ حرص اژدرہاست نے چیزیست خُرد

اگرچہ وہ شرمندہ تھا لیکن لالچ نے اُسکی شرمندگی ختم کر دی ۔۔۔ حرص اژدہا ہے، چھوٹی چیز نہیں ہے

از پے[۱] ہیکل شتاب اندر دوید ۔۔۔ در وُثاقِ مصطفےٰ آں را بدید

مورتی کی خاطر جلدی سے اندر گھس گیا ۔۔۔ مصطفیٰؐ کے حجرے میں اُس کو دیکھا

کاں یداللہ آں حدث را ہم بخود ۔۔۔ خوش ہمی شوید کہ دورش چشمِ بد

کہ وہ اللہ کے ہاتھ اُس نجاست کو خود ۔۔۔ بہت اچھی طرح دھو رہے ہیں خدا اُنکو نظرِ بد سے بچائے

ہیکلش از یاد رفت و شد پدید ۔۔۔ اندرو شورے گریباں را درید

مورتی اُس کے حافظہ سے نکل گئی اور پیدا ہو گیا ۔۔۔ اُسکے اندر ایک شور (تھا جس نے) اُسکے گریبان کو پھاڑ ڈالا

میزد اُو دو دست را بر رُو و سر ۔۔۔ کلّہ را میکوفت بر دیوار و در

وہ دونوں ہاتھ منہ اور سر پر مارتا تھا ۔۔۔ سر کو در و دیوار سے ٹکراتا تھا

آنچناں کہ خوں ز بینی و سرش ۔۔۔ شُد رواں و رحم کرد آں مہترش

اس طرح کہ اُس کی ناک اور سر سے خون ۔۔۔ بہہ پڑا اور اُن بزرگوار نے اُس پر رحم کیا

نعرہا[۲] زد خلق جمع آمد برو ۔۔۔ گبر گویاں ایّہا النّاس احذروا

اُس نے نعرے مارے لوگ اُسکے پاس جمع ہو گئے ۔۔۔ کافر کہتا تھا اے لوگو! ڈرو

میزد اُو بر سر کہ اے بے عقل سر ۔۔۔ میزد اُو بر سینہ کاے بے نور بر

وہ سر پیٹتا تھا کہ اے بے عقل سر! ۔۔۔ وہ سینہ کوٹتا تھا کہ اے بے نور جسم!

---

[۱] کافرک۔ وہ مہمان اپنی مورتی بھول کر چلا گیا تھا اگرچہ وہ شرمندہ تھا لیکن مورتی کی حرص نے اُس کو دوبارہ لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

[۱] ازپے۔ وہ مورتی کیلئے واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ آنحضورؐ اپنے دستِ مبارک سے اُسکی نجاست دھو رہے ہیں۔ یداللہ۔ بیعتِ رضوان کے سلسلہ میں قرآن میں فرمایا گیا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ ہیکلش۔ وہ آنحضورؐ کے ان کریمانہ اخلاق کو دیکھ کر اسقدر متاثر ہوا کہ مورتی کو بھول گیا اور دیوانہ وار اپنا سر دیواروں سے ٹکرانے لگا۔ خون بہا تو آنحضورؐ کو اُس پر ترس آنے لگا۔

[۲] نعرہا۔ وہ نعرے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ آنحضورؐ کی مخالفت سے ڈرو۔ بے عقل سر بے عقل۔ بے نور بر۔ بر بمعنی کُل زمیں۔ آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی اسرار اور رموز کا مجموعہ ہے مہتیں۔ زمیں۔ جز کُل۔ اُس کافر نے کہا کہ آنحضورؐ جو مجموعۂ عالم ہیں وہ خدائی حکم کے تابع ہیں اور میں جزو ہو کر نافرمان اور سرکش بنا ہوا ہوں۔

سجدہ میکرد اُو کہ اے کُلِّ زمیں — شرمسارست از تو ایں جزوِ مہیں
وہ سجدہ کرتا تھا کہ اے عالم کے مجموعے! — یہ ذلیل جُزو آپ سے شرمندہ ہے

تو کہ کُلّی خاضعِ امرِ وئی — من کہ جُزوم ظالم و لدّ و غوی
آپ جو کہ مجموعہ ہیں اُسکے حکم پر جُھکے ہوئے ہیں — میں جو کہ جزو ہوں ظالم اور سرکش اور گمراہ ہوں

تو کہ کُلّی خوار و لرزانی ز حق — من کہ جُزوم در خلاف و در سبق
آپ جو کہ مجموعہ ہیں اللہ تعالیٰ سے خوار اور اسی سے لرزاں ہیں — میں جو کہ جُزو ہوں خلاف اور سرکشی میں ہوں

ہر زماں[۳ہ] میکرد رُو بر آسماں — کہ ندارم رُوی ایں قبلۂ جہاں
ہر آن آسمان کی طرف منھ کرتا — کہ اس قبلۂ عالم کے سامنے میرا منھ نہیں ہے

چوں ز حد بیروں بلرزید و طپید — مُصطفےٰ اَش در کنارِ خود کشید
جب وہ حد سے زیادہ لرزا اور تڑپا — مُصطفےٰ نے اُس کو اپنی بغل میں لے لیا

ساکنش کرد و بسے بنواختش — دیدہ اَش بکشاد و داد اشناختش
اُس کو سکون دلایا اور اُسکو بہت نوازا — اُسکی آنکھیں کھولیں اور اُنھوں نے اُسکو پہچان کا علم بخشا

تا نگرید[۱ہ] ابر کے خندد چمن — تا نگرید طفل کے جوشد لبن
جب تک ابر نہیں روتا ہے چمن کب مُسکراتا ہے! — جب تک بچہ روتا نہیں ہے دودھ کب جوش مارتا ہے!

طفلِ یک روزہ ہمیداند طریق — کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق
ایک روز کا بچہ بھی یہ راستہ جانتا ہے — کہ میں رو پڑوں، تاکہ مہربان دایہ آجائے

تو نمی دانی کہ دایہ دائگاں — کم دہد بے گریہ شیر اُو رائگاں
تو نہیں جانتا کہ دایوں کی دایہ — خواہ مخواہ بے روئے دودھ نہیں دیتی ہے

گفت وَلْیَبْکُوا کَثِیرًا گوش دار — تا بریزد شیرِ فضلِ کردگار
اور چاہیے وہ بہت روئیں، کے قول کو یاد رکھ — تاکہ اللہ (تعالیٰ) کی رحمت دودھ بہادے

گریۂ ابرست و سوزِ آفتاب — اُستنِ دنیا ہمیں دو رشتہ تاب
ابر کا رونا اور سورج کی جلن — دنیا کے ستون یہی دو رشتے چمکانے والے ہیں

گر نبودے[۲ہ] سوزِ مہر و اشکِ ابر — کے شدے اجسامِ ما زفت و سطبر
اگر سورج کی جلن اور ابر کے آنسو نہ ہوتے — ہمارے جسم موٹے اور بھاری کب ہوتے

کے بدے معمور ایں ہر چار فصل — گر نبودے ایں تف و ایں گریہ اصل
یہ چاروں فصلیں کب آباد ہوتیں! — اگر یہ جلن اور رونا بنیاد نہ بنتا

سوزِ مہر و گریۂ ابرِ جہاں — چوں ہمیدارد جہاں را خوش دہاں
دنیا کے ابر کا گریہ اور سورج کا سوز — جبکہ دنیا کو خوش مزہ بناتا ہے

آفتابِ عقل را در سوز دار — چشم را چوں ابر اشک افروز دار
عقل کے سورج کو سوزش میں رکھ — آنکھوں کو ابر کی طرح آنسو بہانے والی رکھ

۳ہ ہر زماں۔ وہ کافر ہر لحہ آسمان کی طرف منھ کرکے کہتا تھا کہ میرا منھ اس قابل نہیں کہ آنحضورؐ کے رُوبرو ہوں۔ چوں آنحضورؐ نے اُسکی بیقراری کو دیکھ کر اُسکو سینے سے لگا لیا۔ ساکنش۔ آنحضورؐ نے اُس کو اطمینان دلایا اور اُس کو نورِ ایمان عطا فرما دیا۔

۱ہ تا نگرید۔ مقصد یہ ہے کہ آہ و زاری سے ہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ طفل۔ بچہ بھی جانتا ہے کہ جب تک نہ روؤنگا دایہ دوڑ کر نہ آئیگی۔ تو نمی دانی۔ لیکن عاقل بالغ انسان یہ نہیں سمجھ رہا ہے کہ رحمتِ خداوندی بغیر آہ و زاری کے متوجہ نہیں ہوتی ہے۔ گفت۔ قرآن میں ہے۔ فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا۔ تھوڑا ہنسو زیادہ روؤ۔ گریہ۔ ابر کے رونے اور سورج کی سوزش ہی سے دنیا کی تر و تازگی ہے۔

۲ہ گر نبودے۔ اگر عالم میں سورج کی گرمی اور ابر کا پانی نہ ہو تو اجسام میں نشوونما نہ ہو۔ چار فصل۔ سال کی چاروں فصلوں کا مدار سورج کی گرمی اور ابر کی بارش پر ہے۔ آفتاب۔ انسان کو بھی اپنے کمال کے لئے عقل میں سوزش اور آنکھ میں آنسو درکار ہیں۔ تن جسم کی بہار روح کی خزاں ہے۔

چشمِ گریاں بایدت چوں طفلِ خُرد
تجھے چھوٹے بچہ کی طرح رونے والی آنکھیں رکھا ہیں

کم خور آں نان را کہ نان آبِ تو بُرد
وہ روٹی نہ کھا جو تیری عزت کو برباد کر دے

تن چو با برگست روز و شب ازاں
جسم چونکہ سرسبز ہے اس کی وجہ سے ہمیشہ

شاخِ جاں در برگ ریزست و خزاں
جان کی شاخ پت جھڑ اور خزاں میں ہے

برگِ[۴۳] تن بے برگیٔ جانست زُود
جسم کی سبزی، جان کا پت جھڑ ہے، جلد

ایں ببا بد کاستن آں را فزود
اِس کو گھٹانا، اُس کو بڑھانا چاہیئے

اقرِضُوا اللہ قرض دہ زیں برگِ تن
اللہ تعالیٰ کو قرض دو اس جسم کی توانائی میں سے

تا بروید در عوض در دل چمن
تاکہ بدلے میں دل میں چمن اُگے

قرض[۴۴] دہ کم کن ازیں لقمہ تنت
قرض دے اپنے جسم کے لقمے کو کم کر

تا نماید وجہ لاعین رأت
تاکہ جس کو آنکھ نے نہیں دیکھا وہ منہ دکھلائے

تن ز سرگیں خویش چوں خالی کند
جب تو جسم کو اپنے پاخانے سے خالی کریگا

پر ز مشک و دُرِّ اجلالی کند
اجلال کے موتی اور مشک سے بھرلے گا

زیں پلیدی بر ہد و پاکی برد
اس ناپاکی سے نجات پا جائیگا اور پاکی حاصل کریگا

از لیطہرکم تنِ او بر خورد
وہ تمہیں پاک کرتا ہے سے اسکا جسم پھل کھائیگا

دیو میترساندت کیں ہین و ہیں
شیطان تجھے ڈراتا ہے کہ ہائیں ہائیں

زیں پشیماں گردی و گردی حزیں
اس سے تو شرمندہ ہوگا اور غمگین بنے گا

گر گدازی زیں ہوسہا تو بدن
اگر تو اِن ہوسوں سے بدن کو گھلائے گا

پس پشیمان و غمیں خواہی شدن
تو شرمندہ اور غمگیں ہوگا

ایں[۴۵] بخور گرم ست و داروی مزاج
یہ کھالے۔ گرم ہے اور مزاج کی دوا ہے

واں بیاشام از پئے نفع و علاج
اور نفع و علاج کے لئے وہ پی لے

ہم بدیں نیت کہ ایں تن مرکبست
نیز اس نیت سے کہ یہ جسم سواری ہے

آنچہ خو کردست آنش اصوبست
جس کی اُسکو عادت ہے وہ اُس کیلئے بہتر ہے

ہیں مگرداں خو کہ پیش آید خلل
خبردار! عادت نہ بدل نقصان ہوگا

در دماغ و دل بزاید صد علل
دل اور دماغ میں سینکڑوں بیماریاں پیدا ہونگی

ایں چنیں تہدیدہا آں دیو دوں
اِس طرح کی دھمکیاں وہ کمینہ شیطان

آرد و بر خلق خواند صد فسوں
دیتا ہے اور لوگوں پر سینکڑوں منتر پڑھتا ہے

خویش جالینوس سازد در دوا
اپنے آپ کو دوا میں جالینوس بناتا ہے

تا فریبد نفسِ بیمارِ ترا
تاکہ تیرے بیمار نفس کو فریب دے

کیں ترا سودست از درد و غمی
کہ یہ درد اور غم تیرے لئے مفید ہے

گفت آدم را ہمی در گندمی
گیہوں کے بارے میں آدمؑ سے بھی کہا

---

۴۳ برگِ تن جسم کی شادابی روح کی پژمردگی ہے جسم کو گھٹانا اور روح کو بڑھانا چاہیئے۔ اِقرِضُوا۔ قرآن پاک میں ہے وَاقرِضُوا اللہَ قَرضًا حَسَنًا" اور اللہ کو قرض حسنہ دو۔ مولانا نے قرض کے معنی اللہ کے راستہ میں بدن کو گھٹانے کے لئے ہیں۔

۴۴ قرض دہ جسمانی خوراک کو کم کرو پھر جنت کی سیر حاصل ہوگی۔ تن جسم جب جسمانی فضلوں سے خالی ہوگا تو اسرار و انوار سے پُر ہو جائیگا زیں پلیدی جسمانی ناپاکی دُور ہوگی تو پاکیزگی حاصل ہوگی۔ لیطہرکم قرآن پاک میں ہے اِنَّمَا یُرِیدُ اللہُ لِیُذہِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَہلَ البَیتِ وَیُطَہِّرَکُم تَطہِیرًا بیشک خدا چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے پلیدی زائل ہو جائے اور وہ تمہیں بالکل پاک کر دے۔ دیو جسمانی لذتیں ترک کرنے سے شیطان ڈراتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا ہے۔

۴۵ ایں بخور شیطان مختلف چیزوں کے فوائد سمجھا کر ان کے کھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ تجم شیطان کہتا ہے کہ جسم روح کی سواری ہے اس کو کمزور نہ کرنا چاہیئے۔ بجیں جس چیز کی عادت ہو وہ نہ چھوڑ ورنہ بیماریاں اُٹھ کھڑی ہونگی۔ خویش شیطان اپنے آپ کو حکیم جالینوس بنا کر مختلف مشورے دیتا ہے۔

پیش آرد ہی ہے وہیہات را — در لویشہ پیچد اُو لبہات را

اِئے ہائے اور افسوس کو پیش کرتا ہے — تیرے ہونٹوں کو ڈوری سے باندھ دیتا ہے

ہمچو لبہائے فرس در وقتِ نعل — تا نماید سنگِ کمتر را چو لعل[1]

جیسا کہ نعل (بندی) کے وقت گھوڑے کے ہونٹ — تاکہ کمتر پتھر کو لعل (بنا کر) دکھا دے

گوشہایت گیرد چوں گوشِ اسپ — میکشاند سوئے حرص و سوئے کسب

تیرے کان پکڑتا ہے اور گھوڑے کے کان کی طرح — حرص اور کمائی کی جانب کھینچتا ہے

بر زند بر پات نعلے زاشتباہ — کز بمانی تو ز دردِ آں ز راہ

تیرے پاؤں میں شبہ کا نال جڑ دیتا ہے — کہ تو اُس کی تکلیف سے راستے سے رُک جاتا ہے

نعلِ اُو ہست آں تردد در دو کار — ایں کنم یا آں کنم ہیں ہوشدار

اُس کا نعل، دو کاموں میں تردد ہے — یہ کروں یا وہ کروں خبردار! ہوشیار رہ

آں بکن کہ ہست مختارِ نبی — آں مکن کہ کرد مجنون و صبی

وہ کر جو نبی کا پسندیدہ ہے — وہ نہ کر جو پاگل اور بچہ نے کیا

حُفَّتِ الجنۃُ بچہ محفوف گشت — بالمکارہ کہ ازو افزود گشت

"جنت کو ڈھانپ دیا گیا ہے" کس سے ڈھانپا گیا ہے؟ — ناپسندیدہ چیزوں سے جن کو اُسنے بڑھا رکھا ہے

صد فسوں[2] دارد ز حیلت و ز دہا — کاں کند در سلہ گر ہست اژدہا

مکر اور حیلے کے سینکڑوں منتر رکھتا ہے — کہ ٹوکری میں ڈال دیتا ہے خواہ اژدہا ہو

گر بود آبِ رواں بر بندد ش — ور بود حبرِ زماں بر خندد ش

اگر بہتا پانی ہو اُس کو روک دیتا ہے — اگر عالمِ زمانہ ہو اُس کا مذاق اُڑاتا ہے

گر بود کوہے چو گہ بر بایدش — دست بُردِ خویشتن بنمایدش

اگر پہاڑ ہو اُس کو تنکے کی طرح اُڑا دیتا ہے — اپنے غلبہ کی اُس پر نمائش کرتا ہے

عقل[3] را باعقلِ یارے یار کن — اَمرُھُم شورٰی بخوان و کار کن

عقل کو کسی دوست کی عقل کا دوست بنا — اُن کا معاملہ باہمی مشورہ ہے کو پڑھ اور کام کر

[1] تا نماید۔ شیطان کی یہ تمام باتیں اس لئے ہیں کہ وہ حقیر چیز کو بڑھیا بنا کر دکھائے۔ گوشہایت۔ شیطان انسان کے کان پکڑ کر حرص اور مُفر کمائی کی جانب لے جاتا ہے۔ بر زند۔ شیطان شُبہات اور وساوس کے ذریعہ صحیح راستے سے روک دیتا ہے۔ نعل۔ وہ شیطان جو نعل بندی کرتا ہے وہ تردد میں مُبتلا کر دیتا ہے۔ آں بکن۔ جب تردد ہو تو وہ کام کر جو نبی نے کیا ہے طفلانہ اور مجنونانہ کام نہ کر۔ حُفَّت۔ حدیث شریف ہے حُفَّتِ الجنۃُ بالمکارہ جنت دل کی ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھانپ دی گئی ہے

[2] صد فسوں۔ شیطان کو ایسے منتر آتے ہیں کہ اژدہے کو بھی ٹوکری میں بند کر لیتا ہے۔ گر بود۔ شیطان اپنے منتر کے ذریعہ چلتا دریا روک دیتا ہے اور بڑے بڑے عالموں کا مذاق اُڑا دیتا ہے پہاڑ کو تنکا بنا دیتا ہے اور اپنی چالاکی کی نمائش کرتا ہے۔

[3] عقل۔ شیطان سے بچنے کیلئے اپنی عقل کو شیخ کی عقل سے وابستہ کر دے اور اُس سے مشورہ کرے۔ نواختن۔ وہ مہمان عرب جس نے بستر خراب کر دیا تھا اُس کی گریہ وزاری پر آنحضورؐ نے اُس کو بہت نوازا۔

شرح اس کافر کے پاس ایک ہیکل (تعویذ) جو بطور یادگار کے تھا - وہ گم ہوگیا - اور اس کے گم ہوجانے کے سبب اُسے بے چینی لاحق ہوئی اس نے اپنے دل میں کہاکہ جس حُجرہ میں مَیں شب کو رہا تھا شاید اس میں چھوڑ آیا ہوں - وہاں سے چل کر لانا چاہیئے - گو وہ شرمندہ تھا مگر اس کی شرم کو اس کے حرص نے کھودیا - یہ حرص ایک اژدھا ہے کوئی معمولی چیز نہیں ہے - اس سے خدا بچائے -

الغرض! وہ اس ہیکل کی خاطر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر دوڑا ہوا آیا - وہاں آکر آپ کو دیکھا کہ آپ کا ہاتھ جس کو حق سبحانہٗ نے یَدُاللہ فرمایا ہے - ہٰذا ہوالمراد ولانلتفت الی ما قال بحرالعلوم)
چشم بد دور اس نجاست کو خود بغایت بے تکلف دھو رہا ہے - یہ واقعہ دیکھ کر وہ ہیکل کو تو بھول گیا اور اسکے اندر جوش اعتقاد سے ایک شورش پیدا ہوئی - اور اسنے اس شورش سے اپنا گریبان چاک کرڈالا - وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ اور سر پیٹتا تھا - اور سر کو دیوار سے یوں ٹکراتا تھا کہ اُس کے ناک اور سر سے خون جاری تھا - یہ دیکھ کر سید البشر کو اس پر ترس آیا وہ بہت کچھ ہا ہو کر رہا تھا - جس سے لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے اور اس کو سنبھالنے لگے مگر وہ یہ بھی کہتا تھا کہ مجھ سے الگ رہیں اور سر پھوڑنے دو - وہ اپنا سر پیٹتا تھا - اور کہتا تھا کہ اے بے عقل سر! تو توڑ ڈالنے کے قابل ہے اور سینہ کوٹتا تھا اور کہتا تھا کہ اے بے نور سینہ! تو پھاڑ ڈالنے کے قابل ہے وہ سجدہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کل زمین - تیرا یہ ذلیل جزو تجھ سے شرمندہ ہے کیونکہ تو جو کہ کل ہے - حق سبحانہٗ کے حکم کے ساتھ سرفگندہ ہے اور میں کہ تیرا جزو ہوں ظالم اور جھگڑالو - اور گمراہ ہوں جو کہ تیرے لئے موجب ننگ ہے اور تو جو کہ کل ہے - یہ خدا کے

سامنے ذلیل اور اس کے خوف سے لرزاں ہے۔ لیکن میں کج مزاج ہوں۔ اس کا مخالف اور اس کی حدود سے بڑھ جانے والا ہوں۔ وہ آسمان کی طرف منہ کئے ہوئے تھا اور کہتا تھا کہ میں اس قبلہ جہاں کو نہیں منہ دکھلانے کے قابل ہوں [زمین کو قبلہ جہاں اسلئے کہا کہ وہ مرکز عالم ہے۔ وقال المحشون المراد من کل الارض ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن الارض ہو ... العالم ولیس کذلک کما لا یخفیٰ علی من لہ ذوق سلیم]

الغرض: جب کہ اس کا اضطراب اور بے قراری حد سے گزر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اسکو تسکین دی اور بہت کچھ نوازا۔ اس کی آنکھیں کھولدیں اور اسے معرفت حق سبحانہٗ سے مالامال کردیا یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور رونے کی خوبی اور اسکی ضرورت بیان فرماکر اور اسکی ترغیب دیتے ہیں — چنانچہ فرماتے ہیں کہ رونا اپنے اندر ثمرات عجیبہ رکھتا ہے۔ دیکھو جب تک ابر نہ روئے چمن کیسے کِھل سکتا ہے اور بچہ جب تک نہ روئے دایہ کا دودھ کیسے جوش میں آسکتا ہے غضب کی بات ہے کہ ایک دن کا بچہ تو مانگنے کا طریق جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے رونا چاہیئے۔ تاکہ دایہ شفیق ہوکر مجھے دودھ پلائے۔ مگر تم نہیں جانتے کہ مربی میرے یعنی حق سبحانہٗ۔ اپنی خاص نعمتوں سے بدوں روئے اور بیٹھے بٹھلائے بہت کم کسی کو بہرہ ور کرتے ہیں۔ تم حق سبحانہٗ کا ارشاد وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا سن لو۔ اور خوب رؤو۔ تاکہ عنایت حق کا دودھ تم پر برس پڑے

[فائدہ: جاننا چاہیئے کہ آیت میں وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا سے طلب گریہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے توبیخ و تقریع منافقین مقصود ہے۔ مگر مولانا علی سبیل الاعتبار یا بناء علی المشہور یہ کی تفسیر کی ہے جیساکہ ان کی عادت ہے] دیکھو!

گریۂ ابر اور سوز آفتاب یہ دو بٹی ہوئی ڈوری ہی عالم کا ستون ہیں جس پر بقائے عالم کا مدار ہے کیونکہ اگر سوز آفتاب اور گریۂ ابر نہ ہو تو ہمارے اجسام موٹے تازہ نہیں ہوسکتے۔ اور ہم بھوکوں مرجائیں اور اگر گرمئ آفتاب اور گریۂ ابر نہ ہو تو یہ چاروں فصلیں جو ہماری حیات کا مدار ہیں وجود میں نہیں آسکتیں اور جب ہم زندہ نہیں رہ سکتے تو عالم قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ ان کا وجود انسان کے وجود کے تابع ہے۔ بس جب اصل نہ رہے گا تابع ہی نہ رہے گا۔ پس جبکہ معلوم ہوگیا کہ سوزِ مہر اور گریۂ اَبر ایسی عظیم الشان چیزیں ہیں کہ ان پر بقاءِ عالم کا مدار ہے تو تم کو چاہیئے کہ اپنے آفتاب عقل کو تاباں رکھو۔ تاکہ اس کی حرارت یعنی اثر سے تمہاری حالت درست ہو۔ اور اپنی آنکھ کو ابر کی طرح گریاں رکھو! تم کو رونے والے آنکھ کی یوں ہی ضرورت ہے۔ جیسے چھوٹے بچے کی۔ کیونکہ جس طرح اسے رو کر دایہ سے دودھ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ بس ہم کو رونا چاہیئے اور روٹی کم کھانا چاہیئے یعنی تنعم میں نہ رہنا چاہیئے بلکہ مجاہدہ و ریاضت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ روٹی (تنعّم) تم کو حق سبحانہٗ کے نزدیک بے وقعت کرتی ہے۔

اور چونکہ تنعم کے سبب تمہارا نفس ہمیشہ بُرا بُرا.... رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری شاخِ جان پت جھڑ اور خزاں میں مبتلا ہے یعنی خراب خستہ حالت میں ہے ـــــ یاد رکھو! کہ جس قدر نفس کی حالت ٹھیک ہو گی اُسی قدر روح کی حالت خراب ہوگی پس تم کو چاہیئے کہ فوراً نفس کو گھٹاؤ اور روح کو بڑھاؤ۔

حق سبحانہٗ تعالٰے فرماتے ہیں اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ اور یہ امر اپنے اطلاق سے جس طرح انفاقِ مال کو شامل ہے۔ یوں ہی صرف نفس کو بھی شامل ہے۔ پس تم کو سامان نفس خدا کی راہ میں صرف کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس کے عوض میں تمہارے دل میں گلشن معارف پیدا ہو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ حق سبحانہٗ کو قرض

دو۔ اور نفس کی غذا کم کرکے اسکو خدا کی راہ میں صرف کرو۔ تاکہ اس کے صلہ میں تمہارے سامنے وہ نعمتیں جلوہ گر ہوں۔ جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سُنا اور نہ کسی شخص کے دل میں ان کا تصور آیا۔

پس جب کہ اس طریق سے نفس صفاتِ ذمیمہ سے جو کہ مثل گوبر کے ہیں پاک صاف ہو جاوے گا۔ اور امارہ سے مطمئنہ ہو جائے گا۔ اس وقت وہ صفاتِ حمیدہ سے جو کہ بمنزلہ مُشک اور بیش قدر موتیوں کے ہیں مالا مال ہوگا۔ اور اس نجاست سے طہارت پاکر پاک صاف ہو جائے گا۔ اور حق سبحانہٗ تم پر بارانِ رحمت برسائیں گے جس سے تمہارا نفس تطہیرِ حق سبحانہٗ سے متمتع ہوگا اور نجاستِ شیطانی تم سے دور ہو گی۔

فيه اشارة الى قوله تبارك وتعالىٰ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ۔

(فائدہ: واضح رہے کہ مولانا کے کلام میں جہاں کسی تن کو فنا کرنے اور اسکو گھٹانے کا حکم ہے وہاں نفس مراد ہے کیونکہ جسم کو کمزور کرنا مقصودِ شرعی نہیں۔ بلکہ نفس کو مارنا مقصود ہے پس اگر نفس کو جائز راحت پہنچائی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے) اب مولانا تن پروری کے منشا کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ تم جو نفس پروری میں مشغول ہو۔ اور اسکو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم کو شیطان ڈراتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو خبردار! تنعم میں کمی نہ کرنا ورنہ تم پشیمان اور مغموم ہوگے اور اگر تم نفس کو اس کی خواہشات سے روک کر اسے کمزور کرو گے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تم پشیمان اور مغموم ہوگے پس تم یہ کھاؤ۔ کیونکہ یہ مزاج کی مصلح دوا ہے اور یہ پیو کہ اس سے تم کو نفع ہوگا اور تمہاری مرض کا علاج ہو جائے گا وعلیٰ ہذا القیاس!

غرضکہ وہ تنعم ہی میں مصروف رکھتا ہے اور وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ جسم روح کی سواری ہے وہ باقی رہنا ضروری ہے پس اسکو باقی رکھنا چاہیئے اور جن چیزوں کا یہ عادی ہے۔ وہ اسکو دینی چاہئیں کیونکہ یہ ہی اس کے لئے بہتر ہے۔

دیکھو! عادت کو نہ چھوڑنا ورنہ نقصان ہوگا اور دل ودماغ میں سینکڑوں بیماریاں اٹھاؤگے ـــــ غرضکہ وہ کمینہ شیطان سینکڑوں حیلے کرتا ہے اور مخلوق پر سینکڑوں منتر پھونکتا ہے وہ اپنے آپ کو علاج میں جالینوس بنالیتا ہے تاکہ تمہارے نفس بیمار کو دھوکہ دے اور اسے خواہشات لایعنی پہ آمادہ کرے اور کہتا ہے کہ یہ شے تم کو تکلیف اور رنج سے فائدہ بخشے گی تم کو اسے حاصل کرنا چاہیئے۔ اس کم بخت نے آدم علیہ السلام کو بھی گیہوں کے متعلق یہ ہی کہہ کر دھوکا دیا تھا۔ غرضکہ وہ بہت کچھ تحذیر کرتا ہے اور اس طرح تمہارے منہ میں ہانٹی دے کر تمہیں اپنے قابو میں کرلیتا ہے جس طرح کہ نعل لگانے کے وقت گھوڑوں کو ڈھانٹی دیکر قابو میں کرلیتے ہیں تاآنکہ وہ ایک نہایت حقیر چیز کو تمہاری نظر میں نہایت وقیع کردیتا ہے اور وہ تمہارے منہ کان پکڑلیتا ہے جس طرح گھوڑے کے کان پکڑلیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے قابو میں کرکے وہ تمہیں حرص اور کسب غیر ضروری کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمہارے پاؤں میں شبہ کی ایسے نعل ٹھوک دیتا ہے۔ جس کی تکلیف سے تم راہ راست پر نہیں چل سکتے اور وہ یہ ہے کہ جس اچھے کام کا تم ارادہ کرتے ہو وہ اس میں نقصان سمجھا کر تمہیں مذبذب کردیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ یہ کام کروں یا اسکے خلاف پس تم کو خیال رکھنا چاہیئے اور وہ کام کرنا چاہیئے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ ہے اور وہ نہ کرنا۔ جو بچے اور دیوانہ یعنی اہل دنیا بے عقل

کرتے ہیں یہ مسلّم ہے کہ تمکو نفس و شیطان کی مخالفت اور ترک تن پروری سے تکلیف ہوگی۔ مگر تم کو واضح رہے۔ کہ جنت ڈھکی اور گھری ہوئی ہے۔ تم پوچھوگے کہ کن چیزوں سے گھری ہوئی ہے۔ لو ہم بتائے دیتے ہیں ناگوار باتوں سے۔ جن سے کشت عمل میں ترقی ہوتی ہے اور بے حد ثمرات ملتے ہیں۔

پس جبکہ جنت ناگوار باتوں سے گھری ہوئی ہے تو اسکو حاصل کرنے کے لیے ان کا جھیلنا ضروری ہے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اسکو چالاکی اور ہوشیاری کے سبب سینکڑوں تنتر یاد ہیں۔ جن سے اگر اژدھا ہے تو وہ اسے ٹوکری میں بند کرسکتا ہے اور اگر بہتا... ہوا پانی ہو تو وہ اسے روک سکتا ہے اور اگر کوئی علاّمۂ دھر ہو تو اس پر تحقیراً ہنستا ہے کہ یہ بے چارہ کیا چیز ہے جو مجھ سے بچ سکے گا اور اگر پہاڑ ہی ہو تو اسے سکّے کی طرح اڑا دیتا ہے اور اپنی کاریگری کا اسے مشاہدہ کراتا ہے۔ پس ایسی حالت میں تم کو چاہیئے کہ اپنی عقل کو شیخ کامل کی عقل کے ساتھ ملاؤ اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ جو مومنین کی علامت بیان کی گئی ہے اسکو پڑھ کر اس پر عمل کرو۔

نواختنِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم آں عرب مہمان را و
مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عرب مہمان کو نوازنا اور اس کو اضطراب اور

تسکین دادنِ اُورا از اضطراب و گریہ و نوحہ کہ بر خود میکرد
رونے اور اس نوحہ سے تسکین دینا جو وہ شرمندگی اور ندامت اور

از خجالت و ندامت و آتشِ نومیدی
نا امیدی کی آگ کی وجہ سے اپنے اوپر کر رہا تھا

این سخن پایاں ندارد آں عرب
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے، وہ عرب

ماند از الطافِ آں شہ در عجب
اس شاہ کی مہربانیوں سے تعجب میں رہ گیا

خواست دیوانہ شدن عقلش رمید
اس نے دیوانہ بننا چاہا اسکی عقل بھاگ گئی

دستِ عقلِ مصطفٰے بازش کشید
حضرت مصطفٰے کی عقل کے ہاتھ نے اسکو پھر کھینچا

لے خواست وہ دیوانہ ہوجانے کے قریب تھا آنحضور نے اس کی عقل کو تھاما۔ گفتش۔ آنحضور نے اس سے فرمایا دیوانگی ختم کردے کیونکہ قدرت کو تجھ سے بہت کام لینا ہے۔ آب بر رو۔ آنحضور نے اس کے منہ پر پانی چھڑکا تو وہ ہوش میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھ شہادت کا کلمہ پڑھا دیجئے تاکہ گواہی حقیقی معنی میں کرکے شہادت پڑھ لیے پر انسان دنیا سے نجات پاکر آخرت کا آدمی بن جاتا ہے۔ ہاتوا۔ جلدی۔

گفت ایں سو آبیا مد آں چناں
فرمایا ادھر آ، وہ اس طرح آیا

کہ کسے بر خیزد از خواب گراں
کہ جیسے کوئی بھاری نیند سے اُٹھے

گفتش ایں سودا مکن ہیں باخود آ
اُس سے فرمایا یہ دیوانگی نہ کر خبردار، ہوش میں آجا

کازیں سو ہست با تو کارہا
کیونکہ اس طرف تجھ سے بہت کام ہیں

آب بر رُوزد در آمد در سخن
اُس کے منہ پر پانی چھڑکا، وہ بولا

کلے شہیدِ حق شہادت عرضہ کن
کہ اے اللہ (تعالیٰ) کے گواہ (کلمۂ) شہادت پیش کیجئے

تا گواہی بدہم و بیروں شوم
تاکہ میں کلمۂ شہادت پڑھ لوں اور باہر نکل جاؤں

سیرم از مستی دراں ہاموں شوم
میں مستی سے سیر ہو گیا ہوں اُس جنگل میں چلا جاؤں

ما دریں دہلیزِ قاضیِ قضا
ہم قضا کے قاضی کی چوکھٹ پر

بہرِ دعویِ الستیم و بلیٰ
اَلَسْت اور بَلیٰ کے دعوے کی وجہ سے ہیں

کہ بلیٰ گفتیم و آں راز امتحاں
کہ ہم نے بلیٰ کہا ہے اور اُس کی آزمائش کیلئے

فعل و قولِ ما شہود ست و بیاں
ہمارا قول و فعل گواہ اور بیان ہیں

از چہ در دہلیزِ قاضی تن زدیم
ہم قاضی کی چوکھٹ پر خاموش کیوں ہوں!

نے کہ ما بہرِ گواہی آمدیم
کیا ہم گواہی کے لئے نہیں آئے ہیں

چند در دہلیزِ قاضی اے گواہ
اے گواہ! قاضی کی چوکھٹ پر کب تک

حبس باشی دہ شہادت از پگاہ
قید رہے گا، صبح سے گواہی دے دے

زاں بخواندند ت بدینجا تا کہ تو
اُنھوں نے تجھے یہاں اس لئے بلایا ہے کہ تو

آں گواہی بدہی و ناری عتو
وہ گواہی دیدے اور سرکشی نہ کرے

از لجاجِ خویشتن بنشستۂ
تو اپنے جھگڑالو پن سے بیٹھا ہوا ہے

اندریں تنگی لب و کف بستۂ
اس تنگی میں تو نے ہونٹ اور ہاتھ باندھ لئے ہیں

تا نہ بدہی آں گواہی اے شہید
اے گواہ! جب تک تو وہ گواہی نہ ادا کرے گا

تو ازیں دہلیز کے خواہی رہید
تو اُس چوکھٹ سے کب چھٹے گا؟

یک زماں کاریست بگذار و بتاز
تھوڑی دیر کا کام ہے، کردے اور بھاگ جا

کارِ کوتہ را مکن بر خود دراز
مختصر کام کو اپنے لئے لمبا نہ کر

خواہ در صد سال خواہی یک زماں
خواہ سَو سال میں اور خواہ تھوڑی دیر میں

ایں امانت را گذار و وا رہاں
یہ امانت ادا کردے اور چھوٹ جا

ما دریں۔ ازل میں خدا نے دریافت کیا تھا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟ تو ہم نے جواب دیا کہ "ہاں" اب ہم دنیا میں اس جواب کے ثبوت کے لئے بھیجے گئے ہیں تاکہ قول و فعل دو گواہوں کے ذریعہ اپنے "ہاں" کے دعوے کو ثابت کریں۔ کہ بلیٰ۔ ازل میں ہم نے "بلیٰ" کہا ہے ہمارا قول و فعل اس پر گواہ ہے

چند۔ گواہوں کو قاضی کی عدالت میں خاموش نہ رہنا چاہیئے۔ زاں۔ دنیا کی زندگی قول اور فعل گواہی کے لئے ہے۔ از لجا۔ اگر گواہ عدالت میں پہنچ کر خاموشی اختیار کرے تو یہ اُس کا جھگڑالو پن ہے ...... تا نہ بدہی۔ جب تک گواہی نہ دے گا قاضی کی عدالت میں مقید رہے گا۔

یکزماں۔ گواہی دینا تھوڑی دیر کا کام ہے۔ اس معاملہ کو دراز کرنا بے کار ہے۔ آئین نماز۔ ارکان اسلام پر عمل اعتقاد پر عملی گواہی ہے۔ بستر خود۔ یعنی اعتقاد۔ خوان۔ اگر میزبان مہمان کی خاطر تواضع کرتا ہے تو یہ اِس بات کی گواہی ہے کہ وہ مہمان سے خوش ہے۔

شرح

خیر یہ گفتگو تو بے انتہا ہے۔ اب سنو! کہ وہ عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف و عنایات دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

اور جوشِ محبت سے اسے دیوانہ ہوتا - اور اُس کی عقل... رفوچکر ہوتی جاتی - لیکن دست عقل مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے سنبھالا یعنی آپنے فرمایا میاں اِدھر آؤ - اس پر وہ یوں مخمور آیا جیسے کوئی گہری نیند سے اٹھ کر آتا ہو تب آپ نے اس سے کہا کہ اس جنون کو چھوڑ دو اور آپے میں آؤ کیونکہ عالم ہوش میں تمہیں بہت سے کام کرنے ہیں اور اس کے منہ پر جھینٹا دیا اس پر وہ ہوش میں آیا اور کہا کہ اے خدا کے گواہ آپ مجھ پر کلمہ شہادت پیش فرمایئے تاکہ میں گواہی دیکر تنگنائی ہستی سے نکل جاؤں کیونکہ اس سے میرا جی بھر گیا ہے - اب میں صحرائے فنا میں پہنچ جاؤں ـــــ اب مولانا اس شہادت کی تفصیل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قضیۂ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور اس کے جواب بلیٰ کے لئے دہلیز قاضی قضا یعنی عالم ہستی میں آئے ہیں کیونکہ ہم نے سوال الست کے جواب میں جو کہ ہم سے لیا گیا ہے - بلیٰ کہا تھا - پس اس کے ثبوت کی ضرورت ہے اور ہمارے اقوال و افعال اس کا ثبوت اور اس کے گواہ ہیں - جب ہمارے آنے کا یہ مقصد ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم دہلیز قاضی (ہستی) میں خاموش کیوں بیٹھے ہیں اور گواہی کیوں نہیں دیتے - کیا ہم گواہی کے لئے نہیں آسکتے تھے۔ ضرور آئے تھے - تو پھر یہ خاموشی کیوں ہے اور گواہی کیوں نہیں دی جاتی اور اپنے قول و فعل سے کیوں نہیں ثابت کیا جاتا کہ ہم نے جو اقرار کیا تھا - وہ صدق دل سے تھا - آخر تم اس دہلیز میں کب تک رہوگے - سویرے سے شہادت دیکر اپنے گھر عالم فنا میں کیوں نہیں چلے جاتے بس سویرے سے گواہی دیدو - فضول دیر کیوں کرتے ہو - تم کو میاں اسلئے بلایا گیا تھا کہ اپنے دعوے کا ثبوت دو اور .. سرکشی نہ کرو - مگر تم اپنی ضد سے ہاتھ منہ باندھے ہوئے دہلیز میں بیٹھے ہوئے ہو اور نہ قولی شہادت دیتے ہو نہ فعلی -

یاد رکھو! کہ جب تک تم گواہی نہ دو گے اس وقت تک تم اس دہلیز خودی سے نہیں نکل سکتے ذرا سی دیر کا کام ہے۔ شہادت دیدو اور چلتے ہو۔ اور خواہ مخواہ ذراسی بات کو طول نہ دو۔

قصہ کوتاہ تم اس امانت کو ادا کر کے اپنا پیچھا چھڑاؤ۔ یہ تمہیں اختیار ہے۔ خواہ برس میں اب کرو یا ذراسی دیر میں۔ مگر اسکے بدوں پیچھا نہ چھوٹے گا۔

بیان آنکہ نماز و روزہ و حج و ہمہ چیزہای بیرونی گواہیہاست
اس کا بیان کہ نماز اور روزہ اور حج اور ظاہری تمام چیزیں باطنی

بر نورِ اندرونی
نور کی گواہ ہیں

این نماز و روزہ و حج و جہاد
یہ نماز اور روزہ اور حج اور جہاد

ہم گواہی دادنست از اعتقاد
بھی عقیدہ پر گواہی دینا ہے

این زکوٰۃ و ہدیہ و ترکِ حسد
یہ زکوٰۃ اور ہدیہ اور حسد نہ کرنا

ہم گواہی دادنست از سرِ خود
بھی، اپنے باطن پر گواہی دینا ہے

خوان و مہمانی پئے اظہار راست
دسترخوان اور مہمانی اسکے اظہار کیلئے ہے

کاے مہان ما با شما ہستیم راست
کہ اے بزرگو! ہم تمہارے مخلص ہیں

ہدیہ[1] ہا و ارمغان و پیشکش
ہدیے اور تحفہ اور نذرانہ

شد گواہ آنکہ ہستم با تو خوش
اس کے گواہ ہیں کہ ہم آپ سے خوش ہیں

ہر کسے کوشد بمالے یا فسوں
جو شخص مال (دینے) یا دعا کی کوشش کرتا ہو

چیست؟ دارم گوہرے در اندرون
کیا ہے! میں باطن میں جوہر رکھتا ہوں

گوہرے دارم ز تقوے یا سخا
میں جوہر رکھتا ہوں تقوے کا یا سخاوت کا

این زکوٰۃ و روزہ بر ہر دو گوا
یہ زکوٰۃ اور روزہ دونوں کے گواہ ہیں

روزہ[2] گوید کرد تقویٰ از حلال
روزہ کہتا ہے کہ اس نے حلال سے پرہیز کیا

با حرامش داں کہ نبود اتصال
سمجھ لے کہ حرام سے اس کا اتصال نہ ہوگا

واں زکوٰتش گفت کو از مالِ خویش
اس کی زکوٰۃ نے کہا کہ وہ اپنے مال میں سے

میدہد پس چوں زند ز اہلِ کیش
دیتا ہے پس تو دینداروں کا کیسے چرائے گا؟

گر بطراری[3] کند پس دو گواہ
اگر وہ کوئی گواہ، زبانی طراری کرے گا تو دونوں گواہ

جرح شد در محکمۂ عدلِ اِلٰہ
خدا کے انصاف کے محکمہ میں مجروح ہو گئے

---

[1] ہدیہ: اگر کسی کو تحفہ دینا یہ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ تو اس سے خوش ہے ہدیے۔ اگر کوئی شخص مال خرچ کرتا ہے یا دعا دیتا ہے تو یہ اس بات پر گواہ ہے کہ اس شخص میں تقوے کا جوہر موجود ہے یا وہ سخی ہے۔

[2] روزہ: روزہ اس بات کا گواہ ہے کہ اس نے خدا کے حکم کے مطابق حلال کھانے کو بھی ترک کر دیا ہے تو پھر وہ حرام کب کھا سکتا ہے۔ اور زکوٰۃ زکوٰۃ اس بات کی گواہ ہے کہ جب وہ اپنا مال صرف کر رہا ہے تو کسی دیندار کا مال کیسے چرا سکتا ہے....

[3] .... گر بطراری۔ اگر زکوٰۃ اور روزے میں ریا وغیرہ داخل کریگا تو یہ ... دونوں گواہ اللہ کے دربار میں عدالت سے گر کر مجروح ہو جائیں گے۔

هست صیادؔ ار کند دانہ نثار — نے ز رحم و جود بل بہرِ شکار

شکاری ہے، اگر دانہ بکھیرتا ہے — رحم اور سخاوت کی وجہ سے نہیں بلکہ شکار کرنے

هست گربہ روزہ دار اندر صیام — خفتہ کردہ خویش بہرِ صید خام

بلی روزہ دار ہے، روزوں میں — ناتجربہ کار شکار کیلئے اپنے آپ کو سلائے ہوئے ہے

کردہ بدظن زیں کژی صد قوم را — کردہ بدنام اہلِ جود و صوم را

اس کجی سے اس نے سینکڑوں قوموں کو بدظن کردیا — اس نے سخیوں اور روزہ داروں کو بدنام کیا

فضلِ حق با ایں کہ او کژ می تند — عاقبت زیں جملہ پاکش می کند

باوجودیکہ وہ کجی کر رہا ہے اللہ کا کرم — انجام کار ان سب سے اس کو پاک کردیتا ہے

سبقؔ بردہ رحمتش واں غدر را — دادہ نورے کہ نباشد بدر را

اس کی رحمت سبقت لے گئی اور اس غدار کو — وہ نور عطا کیا جو چودھویں کے چاند میں نہیں ہوتا ہے

کوششِ راشستہ حق زیں اختلاط — غسل دادہ رحمت او را زیں خباط

اس ملاوٹ سے اللہ (تعالیٰ) نے اس کی کوشش کو — رحمت نے اس کو اس خبط پن سے غسل دیدیا

تا کہ غفاریِ او ظاہر شود — سئیاتِ جملہ را غافر شود

تاکہ اس کی غفاری ظاہر ہوجائے — تمام گناہوں کو بخشنے والی ہوجائے

لہ صیاد۔ شکاری پرندوں کو دانہ ڈالتا ہے لیکن یہ سخاوت نہیں ہے۔ گربہ۔ بلی بھی روزہ دار معلوم ہوتی ہے لیکن اس نے یہ صورت محض شکار کو پھانسنے کے لئے بنا رکھی ہے۔ کردہ بدظن۔ ریاکاری کے ساتھ روزہ رکھنے والا اور مال خرچ کرنے والا روزہ دار اور سخی کا بدنام کنندہ ہے۔ بفضل حق عبادت شروع میں ریا پھر عادت پھر حقیقی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو عبادت بنا دیتا ہے۔

ٹہ سبق بردہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سابق ہے اسلئے اللہ تعالیٰ ریاکار غدار کو بھی انجام میں نور بخش دیتا

شرح

خیر تو یہ نماز و روزہ و حج جس طرح فی نفسہا افعال حسنہ ہیں یوں ہی اعتقاد باطنی کے گواہ بھی ہیں اور جس طرح زکوٰۃ و ہدیہ و ترک حسد فی ذاتہا افعال حسنہ میں یوں ہی صفت باطنہ پر شاہد بھی ہیں وہٰذا ہو المراد ولا تلتفت الی ما قال المحشون فانہم وقعوا فی الخبط فی حل المقام) مثلاً کوئی شخص لوگوں کے سامنے خوانِ نعما پیش کرتا ہے۔ تو یہ اظہار ہے۔ اس امر کا کہ صاحبو میں تم سے درست ہوں اور کوئی شخص کسی کو ہدیہ یا تحفہ یا نذر دیتا ہے تو یہ اظہار ہے اس بات کا۔ کہ میں تم سے خوش ہوں۔

غرضکہ جو شخص مال سے یا سحر نکالنے۔ سے یا اور کسی طریق سے کوئی عمدہ کوشش کرتا ہے اس کا مدلول کیا ہے۔ یہی کہ میں اپنے باطن میں ایک اعلیٰ صفت رکھتا ہوں مثلاً زکوٰۃ دیتا ہے یا روزہ رکھتا ہے۔ تو اس کا مدلول یہ ہے کہ میرے اندر تقوائے یا سخاوت کا جوہر موجود ہے۔

اور یہ دونوں فعل اس جوہر کے گواہ ہیں۔ کیونکہ روزہ کہتا ہے جب اس نے اکل و شرب و جماع سے جو کہ اس کے لیے فی الجملہ حلال تھے اجتناب کیا۔ تو وہ حرام کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اور زکوٰۃ کہتی ہے کہ جب اس نے اپنا مال دیدیا تو وہ دوسرے لوگوں کا مال نہیں لے سکتا۔ جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب سنو! کہ روزہ و زکوٰۃ وغیرہ شہادت مذکورہ ضرور ادا کرتے ہیں۔ مگر یہ شہادت اسی وقت معتبر ہوگی۔ جبکہ یہ افعال خلوص سے کیے جائیں اور اگر چالاکی سے کئے جائیں گے تو محکمہ عدل حق سبحانہ' میں ہر دو گواہ محروم ہو جائیں گے اور اگر وہ زکوٰۃ دیتا ہے تو وہ شکاری سمجھا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کے اس فعل کا منشا رحم اور سخاوت نہیں۔ بلکہ اسکو شکار۔۔ مقصود ہے۔ اور اگر وہ روزہ دار ہے تو اس حالت میں وہ روزہ دار ہی سمجھا جائے گا جیسے اپنے کو احمق شکار کو دام میں لانے کے لئے اپنے کو سوتا۔۔۔ بنا رکھا ہے۔ اور اس وقت یہ شخص بجائے اسکے کہ قابل تعریف ہو قابل ملامت ہوگا کہ وہ بدنام کنندہ نکونام چند ہے اور مخلص اہل سخا اور سچے روزہ داروں کو بدنام کرتا ہے۔

اسکی تو یہ حالت ہے مگر حق سبحانہ' کا فضل و کرم دیکھو کہ باوجودیکہ وہ ٹیڑھی چال چلتا ہے۔ لیکن حق سبحانہ' اپنے فضل سے خواہ اسکے استغفار کی بنا پر۔ یا اور کسی طاعت کیوجہ سے یا محض اپنے فضل سے انجام کار سے تمام برائیوں سے پاک کر دیتے ہیں کیونکہ ان کی رحمت ان کے غضب سے بڑی ہوتی ہے اور اس فریب کو جو کہ اصل میں طاعت ہے وہ نور دیتے ہیں کہ چودھویں رات کے چاند میں بھی وہ نور نہ ہوگا اور اسکے اعمال کو دھو کر آمیزش سیئات سے پاک کر دیتے ہیں اور اس کی رحمت ان کو غسل دیکر ان لغزشوں سے پاک صاف کر دیتی ہے۔ تاکہ اس کی شان غفاری ظاہر ہو اسلئے اسکی تمام برائیوں کو صاف

کر دیتا ہے ۔ یہاں چونکہ طاعات مطہرہ میں النجاسات الروحانیہ کے تنجس اور حق کے پھر اسکو پاک کرنے کا بیان تھا ۔ اسلیئے مولانا اس مضمون کی توضیح کے لیئے آگے پانی کا جو کہ مطہر من النجاسات الجسمانیہ ہے ناپاک ہو جانا ۔ اور حق سبحانہ' کا پھر اس کو پاک کرنا بیان فرماتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں :

پاک کردن آب ہمہ پلیدی ہا را و باز پاک کردن خدائے تعالیٰ آب را از پلیدی لاجرم حق تعالیٰ قدوس آمد

پانی کا تمام ناپاکیوں کو پاک کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ نے کا پانی کو ناپاکی سے پاک کرنا لامحالہ اللہ تعالیٰ بہت پاک ثابت ہوا

آب بہر ایں ببارید از سماک[۳] — **تا پلیداں را کند از خبث پاک**

پانی ابر سے اس لئے برسایا — تاکہ ناپاکوں کو نجاست سے پاک کردے

آب چوں بیکار گردد شد نجس — **تا چناں شد کاب را رد کرد حس**

پانی جب بیکار ہو گیا ناپاک ہو گیا — ایسا ہو گیا کہ پانی کو حس نے رد کر دیا

حق ببردش باز در بحر صواب — **تا بشستش از کرم آں آب آب**

اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ درستگی کے سمندر میں لے گیا — یہاں تک کہ اس کے کرم نے پانی کو پانی سے دھو دیا

سال[۱] دیگر آمد او دامن کشاں — **ہی کجا بودی؟ بدریای خوشاں**

وہ دوسرے سال نازو انداز سے آیا — ہائیں؟ تو کہاں تھا؟ اچھوں کے دریا میں

من نجس زیں جا شدم پاک آمدم — **بستدم خلعت سوی خاک آمدم**

میں اس جگہ سے ناپاک گیا، پاک آیا ہوں — میں نے شاہی لباس حاصل کیا، زمین کی جانب آگیا ہوں

ہیں بیائید اے پلیداں سوی من — **کہ گرفت از خوی یزداں خوی من**

خبردار! اے ناپاکو! میرے پاس آؤ — کیونکہ میری عادت نے اللہ تعالیٰ کی عادت حاصل کر لی ہے

در پذیرم جملہ زشتیت را — **چوں ملک پاکی دہم عفریت را**

میں تیری جملہ برائیوں کو قبول کر لیتا ہوں — میں بھوت کو فرشتہ کی سی پاکی عطا کر دیتا ہوں

ہے کوشش ۔ اللہ تعالےٰ نے اس عبادت کو جس میں ریا ہو تاہے پاک صاف کرتا ہے تاکہ اُس کی غفاری کا مظاہرہ ہو سکے ۔ پاک اللہ تعالیٰ پانی کے ذریعہ نجس کو پاک کر دیتاہے پھر اُس ناپاک پانی کو از سر نو برسا کر پاک کر دیتا ہے تاکہ اُس کی صفتِ قدوسیت ظاہر ہو سکے

[۳] سماک ۔ ابر یا آسمان ۔ خبث ۔ نجاست ۔ آب جب پانی ناپاک ہو جاتا ہے تو انسان اس کو استعمال نہیں کرتا ہے حضرت حق تعالیٰ اس کو پھر واپس بھیجتا ہے اور اس کو

[۱] سال دیگر ۔ برسات کے موسم میں پھر وہ پانی پاک صاف ہو کر برس پڑتا ہے ۔ جب اس پانی سے کوئی دریافت کرتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں جنتیوں کے دریا میں تھا ۔ من نجس ۔ میں اس دنیا میں ناپاک ہو گیا تھا اسلیئے چلا گیا تھا اللہ تعالےٰ نے مجھے پھر پاکی کی خلعت عطا فرمادی تو میں دوبارہ دنیا میں آگیا ہوں ۔ ہیں ۔ وہ پانی کہتا ہے کہ اے ناپاکو میری جانب آجاؤ میں تمہیں پاک کرونگا کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدوسیت حاصل کرلی ہے ۔ در پذیرم ۔ میں سب برائیوں کو دھو دیتا ہوں اگر

چوں شوم آلودہ باز آنجا روم ۞ سُوئے اصلِ اصل پاکیہا روم
جب گندہ ہو جاتا ہوں پھر اُس جگہ چلا جاتا ہوں ۞ اس پاکیوں کی اصل کی طرف چلا جاتا ہوں

دلقِ چرکیں بر کنم آنجا ز سَر ۞ خلعتِ پاکم دہد بارِ دگر
وہاں میلی گدڑی سر سے اُتار دیتا ہوں ۞ وہ مجھے دوبارہ پاک لباس عنایت کر دیتا ہے

کارِ اُو این ست و کارِ من ہمیں ۞ عالم آرایست ربّ العالمیں
اُس کا یہ کام ہے اور میرا یہ کام ہے ۞ جہانوں کا پالنے والا، عالم کو سنوارنے والا ہے

گر نبودے این پلیدیہائے ما ۞ کے بُدے این بارنامہ آب را
اگر یہ ہماری ناپاکیاں نہ ہوتیں ۞ پانی کا یہ کارنامہ کب ہوتا؟

کیسہائے زر بدزدید از کسے ۞ میرود ہر سُو کہ ہیں کو مُفلسے
کسی سے سونے کی تھیلیاں چرائے ہوئے ۞ ہر جانب بہتا ہے کہ ہاں مفلس کہاں ہے؟

تا بریزد بر گیاہِ رُستہ ۞ تا بشوید رُوی ہر نا شُستہ
تاکہ اُگی ہوئی گھاس پر بہا دے ۞ تاکہ ہر نہ دُھلے ہوئے کا منہ دھو دے

تا بگیرد بر سر او حمّال وار ۞ کشتیِ بے دست و پا را در بحار
تاکہ بوجھ اُٹھانے والے کی طرح سر پر لے لے ۞ سمندروں میں بے دست و پا کشتی کو

صد ہزاراں دارو اندر وے نہاں ۞ زانکہ دارُو زو بروید در جہاں
اُس میں لاکھوں دوائیں پوشیدہ ہیں ۞ کیونکہ دوا دنیا میں اُسی سے اُگتی ہے

جانِ ہر دُرِّے دلِ ہر دانۂ ۞ میرود در جُو چو دارُو خانۂ
وہ پانی، ہر دُر کی جان اور ہر دانہ کا دل ہے ۞ وہ اُس نہر میں چلا جاتا ہے جو دوا خانہ کی طرح ہے

زو یتیمانِ زمیں را پرورش ۞ تشنگانِ خشک را از وے روش
زمین کے یتیموں کی اُس سے پرورش ہے ۞ خشک پیاسوں کی اُس سے رفتار ہے

استعانت خواستن آب از حق تعالیٰ بعد از تیرہ شدن

پانی کا گدلا ہونے کے بعد حضرت حق تعالیٰ سے مدد چاہنا اور

وقبول کردن حق تعالیٰ دعائے آب را

اللہ تعالیٰ کا پانی کی دعا کو قبول کرنا

چوں نماند مایہ اش تیرہ شود ۞ ہمچو ما اندر زمیں خیرہ شود
جب اُس کا سرمایہ نہیں رہتا وہ گدلا ہو جاتا ہے ۞ ہماری طرح زمین میں حیران ہو جاتا ہے

نالہ از باطن بر آرد کاے خدا ۞ آنچہ دادی دادم و ماندم گدا
اندر سے فریاد کرتا ہے کہ اے خدا! ۞ جو کچھ تو نے دیا تھا میں نے دے دیا اور میں فقیر ہو گیا

انسان شیطان بھی ہے تو اُس کو فرشتہ کی طرح پاک صاف بنا دیتا ہوں۔

۵۲ چوں شوم۔ جب ناپاک ہو جاؤں گا پھر اُس دربار میں پہنچ جاؤں گا اور از سرِ نو پاکی حاصل کروں گا۔ کار او۔ اللہ تعالیٰ کا کام پاک کرنا ہے اور میرا کام دوسروں کو پاک کر کے آلودہ ہو جانا ہے۔ گر نبودے۔ اگر دنیا میں ناپاکی نہ ہوتی تو پانی کی صفت ظاہر نہ ہوتی کیسہائے۔ پانی ہر ضرورت مند کو سیراب کرتا ہے

۵۳ تا بریزد۔ پانی گھاسوں کو سیراب کرتا ہے ہر ناپاک کو پاک بناتا ہے دریا میں اپنے سر پر کشتی کو لئے پھرتا ہے۔ صد ہزاراں۔ بوٹیوں میں شفا کی خاصیت پانی سے پیدا ہوتی ہے۔ جان۔ پانی...

۵۴ زو۔ زمین کے بے سہارا اس سے سہارا پکڑتے ہیں اور خشک اس سے تری حاصل کرتے ہیں۔ استعانت پانی نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ گدلا ہو جانے کے بعد وہ پھر صاف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول فرمائی۔ خیرہ۔ حیران۔ نالہ۔ پانی فریاد کرتا ہے کہ جو پاکی تو نے مجھے عنایت کی تھی وہ میں نے دوسروں کو دیدی۔ فقیر بن گیا

ریختم سرمایہ بر پاک و پلید
میں نے اسرمایہ پاک اور ناپاک پر بہا دیا

اے شہ سرمایہ دِہ ھَلْ مِنْ مَزِیْد
اے سرمایہ عطا کرنیوالے شاہ! اور زیادہ عطا کر

ابر را گوید ببر جائے خوشش
ابر کو حکم فرماتا ہے کہ اس کو اچھی جگہ لے جا

ہم تو خورشیدا بیا بالا برکشش
سورج تو بھی آ، اُس کو اوپر کھینچ لے

راہہائے مختلف میراندش
وہ اُسکو مختلف راستوں پر چلاتا ہے

تا رساند سوئے بحرِ بیحدش
یہاں تک کہ اس کو لامحدود دریا تک پہنچا رہتا ہے

خود غرض زیں آب جانِ اولیاست
اس پانی سے مقصود اولیاء کی جان ہے

کو غسولِ تیرگی ہائے شماست
کیونکہ وہ تمہاری تاریکیوں کو دھونیوالی ہے

چوں شود تیرہ ز غسلِ اہلِ فرش
جب وہ زمین والوں کو دھونے سے میلی ہوجاتی ہو

باز گردد سوئے پاکی بخشِ عرش
عرش کو پاکی بخشنے والے کی طرف واپس ہوجاتی ہو

باز آرد زاں طرف دامن کشاں
اس جانب سے پھر لاتی ہو دامن پھیلائے ہوئے

از طہاراتِ محیط اُو دُرفشاں
وہ موتی برسانے والی محیط کی پاکیزگیوں کو

وز تیمم وارہاند جملہ را
سب کو تیمم سے نجات دلاتی ہے

وز تحری طالبانِ قبلہ را
اور قبلہ کے طلبگاروں کو اٹکل کرنے سے

ز اختلاطِ خلق یابد اعتلال
لوگوں میں گھلنے ملنے سے وہ بیماری محسوس کرتی ہے

آں سفر جوید کہ اَرِحْنَا یا بلال
وہ سفر تلاش کرتی ہے جیسا کہ اے بلال ہمیں آرام پہنچا

اے بلالِ خوش نوائے خوش صہیل
اے خوش نوا، خوش آواز بلال!

میذنہ برردبزن طبلِ رحیل
میذنہ پر جا، کوچ کا نقارہ بجادے

جاں سفر رفت و بدن اندر قیام
جان سفر میں چلی گئی اور بدن قیام میں ہے

وقتِ رجعت زیں سبب گوید سلام
واپسی کے وقت اسی لئے سلام کرتی ہے

ایں مثل چوں واسطہ ست اندر کلام
یہ مثال گفتگو میں واسطہ کی طرح ہے

واسطہ شرط ست بہرِ فہمِ عام
عوام کے سمجھنے کے لئے واسطہ ضروری ہے

اندر آتش کے رود بے واسطہ
بغیر واسطہ کے آگ میں کب جاتا ہے؟

جز سمندر کو رہید از رابطہ
سوائے سمندر (کیڑے) کے جو واسطہ سے آزاد ہوگیا ہے

واسطہ حمام باید مر ترا
تیرے لئے حمام کا واسطہ چاہئے

تا ز آتش خوش کنی تو طبع را
تاکہ تو گرمی سے طبیعت کو خوش کرے

چوں نتانی شد در آتش چوں خلیل
جبکہ تو خلیل (اللہ) کی طرح آگ میں نہیں جاسکتا

گشت حمامت رسول آبت دلیل
رسول تیرا حمام (اور) پانی تیرا رہنما بنا

سیری از حق ست لیک اہلِ طبع
پیٹ بھرنا اللہ کی جانب سے ہے لیکن طبیعت والا

کے رسد بے واسطۂ ناں در شبع
پیٹ بھرنے کو روٹی کے واسطہ کے بغیر کب پہنچتا ہے!

اَرِحْنَا یا بلال۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا اے بلال اذان دے کر ہمیں راحت پہنچا

؎ ابر۔ اس فرماد پر اختصار ابر کو حکم دیتا ہے کہ اس پانی کو دوسری جگہ لے جا اور سورج کو حکم دیتا ہے کہ تو پانی کو اوپر کھینچ لے چنانچہ سورج اپنی گرمی سے اسکو بھاپ بناکر اوپر کھینچ لیتا ہے۔

؎ خود غرض۔ اس پانی کے احوال کے ذریعے مقصد اولیاء کرام کے حالات کو سمجھانا تھا اولیاء بھی تمہاری نجاستوں کو پاک کرتے ہیں۔ چوں۔ جب عوام کے اختلاط سے انہیں کدورت پیدا ہوجاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور تبتل الیہ تبتیلا۔ اس اللہ کی طرف رجوع کرنے پر عمل کرتے ہیں۔ باز آرد۔ جب شیخ تبتل اختیار کرلیتا ہے تو پھر اس میں منجانب اللہ تطہیر کی طاقت آجاتی ہو۔ وز تیمم۔ اب وہ مریدوں کو طہارت کاملہ عطا کرتا ہے اور یقین کے درجہ پر پہنچا دیتا ہو۔ اعتلال بیمار ہونا۔

؎ طبل رحیل۔ سفر کا نقارہ یعنی رجوع الی اللہ کا اعلان۔ جاں سفر۔ نماز کی حالت میں روح قرب الٰہی کا سفر اختیار کرلیتی ہے اور جسم رکوع و سجود ادا کرتا ہے نماز کے ختم پر جو سلام ہے وہ گویا روح واپس آکر سلام کرتی ہے۔ ایں مثل۔ رجوع الی اللہ کے سلسلہ میں آنحضورؐ کی یہ مثال مطلب سمجھانے کے لئے ایک واسطہ اور ذریعہ ہے۔ عوام بغیر مثال اور واسطہ کے مقصد تک نہیں پہنچتے ہیں۔ اندر آتش۔ سمندر کیڑا بغیر کسی واسطہ کے آگ سے مستفید

دربیا بد لُطف بے پردہ چمن	**لُطف از حق ست لیکن اہلِ تن**
چمن کے پردے کے بغیر لُطف حاصل نہیں کرتا ہے	لُطف اللہ کی جانب سے ہے لیکن جسم والا
ہمچو موسیٰؑ نورِ مہ تابد ز جیب	**چوںؔ نماند واسطہ تن بے حجیب**
حضرت موسیٰ کی طرح چاند کا نور گریبان میں سے !!	جب واسطہ نہیں رہتا۔ جسم بغیر پردے کے

ہوتا ہے دوسرے کسی واسطے کے ذریعہ آگ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔
ؔ حمّام۔ حمام آگ سے گرم کیا جاتا ہے عوام اس کے

واسطہ سے آگ کی گرمی سے مستفیض ہوتے ہیں۔ چونکہ ثانی۔ حضرت ابراہیم کو واسطہ کی ضرورت نہ تھی عوام کے لئے رسول بمنزلہ حمام اور ان کی شریعت بمنزلہ پانی کے ہے ——— تیری۔ پیٹ کا بھرنا منجانب اللہ ہے لیکن اس کے لئے روٹی واسطہ ہے لُطف اللہ کی جانب سے ہے چمن اس کا واسطہ ہے۔ ؔ چوں نماند۔ جب وسائط ختم ہو جاتے ہیں تو پھر براہ راست استفادہ ہونے لگتا ہے۔ اتّمی مُبشر۔ یعنی پانی کا دوسری چیزوں کو پاک کرنا اور پھر خود پاک ہو جانا فعل و قول۔ انسان کے فعل اور اقوال سے شخص کے باطن کا حال معلوم ہوتا ہے۔

شرح دیکھو! پانی آسمان سے اسلئے برسایا ہے وہ ناپاکوں کو نجاست سے پاک کرے۔ لیکن جب وہ بیکار اور ناپاک ہو جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ بوجہ تغیر رائحہ یا طعم یا لون حِس اس کو رد کر دیتی ہے تو حق سبحانہٗ پھر اسکو سمندر میں لے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ آب آب یعنی مطہر آب سمندر اپنی سخاوت سے اسے دھو کر پاک کر دیتا ہے۔ دوسرے سال وہ پھر دامن کشاں آتا ہے۔ لوگ اس سے بزبانِ حال کہتے ہیں کہ ہیں! تو کہاں تھا تو وہ جواب دیتا ہے کہ اچھے دریا میں۔ میں یہاں سے ناپاک ہو کر گیا تھا۔ اب پاک ہو کر آیا ہوں۔ میں نے خلعت طہارت و تطہیر لے لی ہے اور خاک کی طرف آ گیا ہوں۔ پس اے ناپاکو! تم میری طرف آؤ کیونکہ اب میری طبیعت نے حق سبحانہٗ کے خلق غفاری سے حصہ لے لیا۔ اب میں تمہاری تمام برائیوں کو قبول کر لوں گا اور اگر شیطان کی طرح بھی کوئی ناپاک ہوگا۔ تو میں اسے فرشتہ کی طرح بنا دوں گا اور جب میں پھر ناپاک ہو جاؤں گا تو پھر وہیں لوٹ جاؤں گا۔ جہاں سے آیا تھا اور اسکی طرف چلا جاؤں گا جو تمام پاکیوں کا مبدٔ ہے۔ یعنی حق سبحانہٗ کی طرف۔ وہاں جا کر میلی گدڑی سر سے اتار ڈالوں گا اور وہ نئی پاک خلعت پھر عطا فرمائے گا۔
کہ وہ مجھے پاک خلعت دے اور میرا یہی کام کہ میں پھر اسکو ناپاک کر دوں خلعت پاک دینا

اس کا کام اسلئے ہے کہ وہ پروردگار عالم ۔ عالم کو سنوارنے والا اور اسکی خرابیوں کو دُور کرنے والا ہے اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ جب وہ عالم آرا ہے تو اسنے ناپاکیاں کیوں پیدا کیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہماری ناپاکیاں نہ ہوتیں تو پانی کے لیے یہ شان و شوکت جواب ہے کب ہوتی کیونکہ یہ تو ناپاکیوں ہی کے سبب ہے بس جبکہ ناپاکیاں نہ ہوتیں تو یہ شان و شوکت بھی نہ ہوتی اور چونکہ اس کا وجود حق سبحانہٗ کی ان صفات کے ظہور کی وجہ سے جن کا ظہور اس سے متعلق ہے ضروری تھا اسلئے نجاسات کا وجود بھی ضروری ہوا ۔ اب مولانا پانی کے اوصاف بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسنے کسی سے سونے کی تھیلیاں چرالی ہیں یعنی اوصاف نافعہ حق سبحانہٗ سے حاصل کرلیے ہیں اور ہر طرف ڈھونڈتا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی مفلس (حاجت مند) ہے کہ میں اسے نفع پہنچاؤں یہاں تک کہ جب وہ کہیں گھاس اگا ہوا دیکھتا ہے تو اپر وہ اپنی منبع کا منہ کھول دیتا ہے یعنی اُسے سیراب کردیتا ہے اور جہاں کہیں کوئی بے دُھلی شے ملتی ہے اسے دھو دیتا ہے نیز وہ حال کی طرح دریاؤں میں بے دست و پا کشتی کو سر پر اٹھا کر کنارے تک پہنچا دیتا ہے نیز اس میں لاکھوں ادائیں پوشیدہ ہیں ۔ کیونکہ ادویہ نباتیہ و حیوانیہ اسی سے پیدا ہوتی ہیں غرضکہ وہ ہر تکلیف کی محبوب جان ہے ۔ کیونکہ اسسے اس کا ازالہ ہوتا ہے ۔ اور ہر دانہ کا دل ہے .... کیونکہ اسسے اس کی پرورش ہوتی ہے اور وہ ندی میں بہتا ہے جو کہ مثل دواخانہ کے ہے ۔ یتیمانِ زمین (نباتات) اسکی پرورش پلتے ہیں اور تشنگاں خشک اُس سے سیراب ہوتے ہیں ۔ غرض کہ وہ خوب سخاوت کرتا ہے مگر جب اس کا سرمایہ ختم ہوجاتا ہے اور وہ مکدر ہوجاتا ہے اور ہماری طرح زمین میں آکر خراب ہوجاتا ہے تو وہ اپنے دل سے نالہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا جو کچھ تونے دیا تھا وہ سب صرف کرچکا اور اب مفلس رہ گیا ۔ میں نے اپنا سرمایہ پاک و ناپاک سب پر صرف کیا اور میرے پاس کچھ نہیں بچا ۔ اب اُسے سرمایہ دینے والے خدا اور دیجئے

اس پر حق سبحانہ، ابر کو حکم دیتے ہیں کہ اسے عمدہ جگہ یعنی دریا میں پہنچا دو اور..
آفتاب کو حکم دیتے ہیں کہ بذریعہ تبخیر کے اسے اوپر کھینچ لو - پس ابر و خورشید اس
حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس طرح سے حق سبحانہ، اسے مختلف راستوں میں چلاتے
ہیں - اور دریا بے حد میں پہنچا دیتے ہیں - جہاں وہ پاک ہوتا ہے اور پاک ہو کر
دوسروں کو پاک کرنے آتا ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے - پانی کی حالت کا بیان
تو ختم ہوا - مگر تم اس کو مقصود اصلی نہ سمجھنا - بلکہ اصلی مقصود اس سے اولیاء اللہ
کی حالت کا بیان ہے جو کہ تمہاری باطنی نجاستوں کو دھوتے ہیں - یعنی جب یہ لوگ
اہل دنیا کی تطہیر سے فی الجملہ مکدر ہو جاتے ہیں اور ان پر گونہ غفلت طاری ہو جاتی
ہے تو مطہر عرش (حق سبحانہ،) کی طرف لوٹتے ہیں - اور وہاں سے وہ اس بحر
بے پایاں (حق سبحانہ،) سے طہارت لے کر دامن کشاں اور دُرِّ فشاں واپس
آتے ہیں اور لوگوں کو تیمم سے نجات دیتے ہیں - اور طالبان قبلہ کو تحری سے..
چھڑاتے ہیں (تیمم و تحری سے مراد ایمان تقلیدی ہے اور قبلہ سے حق سبحانہ،) تفصیل
اس کی یہ ہے کہ جب آپ کی ارواح لوگوں کے اختلاط کے سبب گونہ مریض ہو جاتی
ہیں - اور طریان غفلت کے سبب ان کا مزاج اعتدال سے کسی قدر منحرف ہو جاتا ہے
تو اس نجاست معنوی سے پاک ہونے کے لئے وہ سفر چاہتی ہیں جس کی طرف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَرِحْنَا یا بلَالُ سے اشارہ کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ
ای حسن الصوت اور خوش آواز بلال تم منارہ پر جاؤ - اور روح کے عالم بالا
کی طرف سفر کا نقارہ بجاؤ - یعنی نماز کے لیے جو کہ معراج المومنین ہے اذان
دو - تاکہ ہم مشاہدہ محبوب حقیقی کے سبب اس تکلیف سے نجات پا دیں جو عوام
کے اختلاط کے سبب ہماری شان کے موافق مشاہدہ محبوب سے گونہ غافل ہو جانے
سے ہمارے روح کو پہنچی ہے - اور وہ لوگ نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں - اس

وقت ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ روح بسیر معنوی حق سبحانہٗ کی طرف چلی جاتی ہے اور بدن کھڑا رہتا ہے اور چونکہ روح رخصت ہوجاتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ جب وہ اختتام نماز کے وقت واپس ہوتے ہیں نہ تو سلام کرتی ہے۔جس طرح کہ آدمی غیبت جسمی کے بعد جب دوبارہ ملتا ہے تو سلام کرتا ہی پس جبکہ وہ تجدید مشاہدہ سے غفلت طاریہ کو زائل کرچکتے ہیں تو پھر لوگوں کی تطہیر میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اس کو ایمان تقلیدی سے ایمان حقیقی تک پہنچاتے ہیں۔اور مبتلایان ظن وگمان کو یقین سے بہرہ یاب کرتے ہیں اور جب پھر ان کا آئینۂ قلب کچھ مکدر ہوجاتا ہے تو اس کدورت کو پھر اسی تدبیر سے زائل کردیتے ہیں وٰہکذا۔
رہی یہ بات کہ اس مقصود کو تمثیل کے پیرایہ میں کیوں بیان کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلام کے اندر مثال سامع اور مقصود کے درمیان واسطہ ہوتی ہے جو کہ سامع کو مقصود تک پہنچاتی ہے اور عوام کے مقصود کو سمجھنے کے لئے واسطہ کی ضرورت ہے۔کیونکہ ان میں یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ بلا واسطہ مثال مقصود تک پہنچ جاویں یہ کام خواص کا ہے۔مثلاً آگ میں جانے کے لئے سمندر کو تو واسطہ کی ضرورت نہیں مگر اور کوئی تو نہیں جا سکتا۔اسکی آگ سے اپنی طبیعت خوش کرنے کے لیے تو حمام کے واسطہ کی ضرورت ہے۔نیز جب کوئی حضرت ابراہیمؑ کی طرح بلا واسطہ آگ میں نہ جا سکے تو اس کے لیے حمام ہی رسول ہے اور پانی ہی رہبر ہے۔یعنی حمام اور پانی ہی کے توسط سے وہ آگ سے مستفید ہوسکتا ہے اور اسکے بغیر نہیں غرضکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جب تک آدمی اس خاص درجہ تک نہیں پہنچتا جہاں تک پہنچکر بنا بر عادت الٰہیہ واسطہ کی ضرورت نہیں رہتی۔
اس وقت تک واسطہ ضروری ہے مثلاً پیٹ بھرنے والے حق سبحانہٗ ہیں لیکن

آدمی کو بدوں رُوٹی کے توسط کے سیری نہیں ہوتی - علیٰ ہٰذا لطف حق سبحانہٗ کی جانب سے ہے - مگر عادت بدوں توسط چمن وغیرہ کے پابند نفوس کو حاصل نہیں ہو سکتا ہاں جبکہ پردۂ تن اُٹھ جاتا ہے اور فیضان بلاحجاب کے شرط عادی متحقق ہوتی ہے اس وقت وہ حق سبحانہٗ سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح بلاواسطہ مستفیض ہوتا ہے - اور جس طرح اسکو بلاتوسط ماہ وغیرہ حق سبحانہٗ سے براہِ راست نور مِلا تھا - یوں ہی اس پر بلاتوسط فیضان ہوتا ہے -

(ہٰذا ہو المراد ولایلتفت الی ماقال المحشون فانہم اخرجوا الکلام من الانسان وقالوا ما قالو):

گواہی دادن فعل وقولِ بیرونی بر ضمیر ونورِ اندرونی

بیرونی قول و فعل کا دل اور اندرونی نور پر گواہی دینا

این ہنرہا آب را ہم شاہد است ۔ کاندرونش پُر ز نورِ ایزد است

یہ ہنر پانی کے بھی گواہ ہیں ۔ کہ اس کا باطن خدائی نور سے پُر ہے

فعل و قول آمد گواہانِ ضمیر ۔ زین دو بر باطن تو استدلال گیر

فعل اور قول دل کے گواہ ہیں ۔ اِن دونوں سے تو باطن پر دلیل حاصل کیجے

چون[1] ندارد سیرِ سرت در درون ۔ بنگر اندر بولِ رنجور از برون

جب تیرا باطن اندر کی سیر نہیں کر سکتا ہے ۔ تو بیمار کے پیشاب پر باہر سے غور کرلے

فعل و قول آن بولِ رنجوران بود ۔ کہ طبیبِ جسم را بُرہان بود

بیماروں کا قول وفعل وہ پیشاب ہے ۔ جو جسمانی طبیب کے لئے دلیل ہے

وان طبیبِ رُوح در جانش رود ۔ وز رہِ جان اندر ایمانش رود

روحانی طبیب اُس کی روح میں گھستا ہے ۔ اور روح کے راستہ سے اسکے ایمان میں چلا جاتا ہے

حاجتش نبود بقول و فعلِ خوب ۔ اُحْذَرُوْھُمْ ھُمْ جَوَاسِیْسُ الْقُلُوْب

اُس کو اچھے فعل و قول کی ضرورت نہیں ہے ۔ اُن سے ڈرو وہ دلوں کے جاسوس ہیں

این[2] گواہِ فعل و قول از وے بجوی ۔ کو بدریا نیست واصل ہمچو جُوی

یہ فعل و قول کی گواہی اس میں تلاش کر ۔ جو دریا سے نہر کی طرح ملا ہوا ہے

---

[1] چون ندارد - طبیب مریض کے اندر کی حالت نہیں دیکھ سکتا تو وہ قارورہ کے ذریعہ حالت معلوم کرتا ہے - وآن طبیب - شیخ جو روحانی طبیب ہے وہ مرید کے باطن کی سیر کرلیتا ہے لہٰذا اُس کو مرید کے قول و فعل سے استدلال کی ضرورت نہیں ہے شیوخ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔

[2] این گواہ - عوام کو شیخ کے انتخاب میں شیخ کے قول وفعل سے اس کے باطن پر استدلال کرنا چاہئیے اور پتہ لگانا چاہئیے کہ اُس کا اتصال بحرِ حقیقت سے ہے یا نہیں - تاچہ دارد - اُس کا قول وفعل اُس کے ضمیر کو بتائے گا - بہرِ صید - یہ معلوم کرلینا ضروری ہے کہ اُس کا ظاہر محض لوگوں کو پھنسانے کے لئے ہے یا اُس میں کوئی … حقیقت پوشیدہ ہے

قول و فعلِ اُو گواہِ اُو بُوَد — کو بدریا مُتّصل چوں جُو بُوَد

اُس کا قول و فعل اُس کا گواہ ہوتا ہے — جو نہر کی طرح دریا سے مِلا ہوا ہوتا ہے

بنگر اندر فعلِ اُو و قولِ اُو — تا چہ دارد در ضمیر آں راز جُو

اُس کے فعل اور اُس کے قول کو دیکھ — کہ وہ راز کو تلاش کرنے والا دل میں کیا رکھتا ہے

نورش اندر مرتبت چندست و چیست — بہرِ صید اُو دانہ پاشد یا سخیست

اُس کے مرتبہ میں نور کتنا اور کیسا ہے — وہ شکار کے لئے دانہ ڈال رہا ہے یا سخی ہے

گر بُوَد صیّاد از وے دُور شو — واں فسون و فعل و قولش کم شنو

اگر وہ شکاری ہے اُس سے دُور ہو جا — اُس کا منتر اور فعل و قول نہ سُن

وَر بُوَد صدّیق دست از وے مدار — تا رساند مر ترا سُوئے بحار

اگر وہ صدّیق ہے تو اُس سے دستبردار نہ ہو — تاکہ وہ تجھے سمندروں تک پہنچا دے

سے گر بُوَد۔ اگر وہ محض بناوٹی شیخ ہے تو اُس کے قول و فعل کی طرف دھیان نہ کر۔ وَر بُوَد۔ اور اگر وہ شیخ صادق ہے تو اُس سے وابستہ ہو جا تاکہ وہ حقیقت کے سمندر تک پہنچا دے۔ در بیان۔ اگر شیخ میں خدائی نور ہوتا ہے تو وہ تاما ظاہر ہو کر رہتا ہے اور اُس کے اظہار کیلئے شیخ کے کسی قول و فعل کی ضرورت نہیں ہے۔

دَر بیانِ آنکہ آں نورِ خدا خود را از اندرونِ سِرِّ عارف ظاہر کند بر خلقاں بے فعلِ عارف و بے قولِ عارف افزون باشد ازاں کہ بفعل و قولِ اُو ظاہر گردد چنانکہ چو آفتاب بلند شود بیانگ خروس و اعلام مُؤذّن و علاماتِ دیگر حاجت نیاید

اُس کا بیان کہ وہ خدائی نور جو خود کو عارف کے باطن سے بغیر عارف کے فعل کے اور بغیر عارف کے قول کے لوگوں پر ظاہر کرے وہ اُس نور سے بڑھا ہوا ہے جو اُس کے فعل اور قول سے ظاہر ہو جیساکہ جب سورج نکلتا ہے تو اُسکو مرغے کی اذان اور مؤذن کے بتانے اور دوسری علامتوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے

لیکؔ نورِ سالکے کز حد گذشت — نورِ اُو پُر شد بیابانہا و دشت

لیکن سالک کا وہ نور جو حد سے بڑھ گیا ہے — اُس کے نور سے جنگل اور بیابان پُر ہو جاتے ہیں

شاہدِ تُست فارغ آمد از شہود — وز تکلّفہای و جانبازی و جود

اُسکی گواہی گواہیوں سے بے نیاز ہے — اور جسم کے تکلفات اور جانبازی سے

نورِ آں گوہر چو بیروں تافتہ ست — زیں تسلّسہا فراغت یافتہ ست

جبکہ اُس کے نور کا جوہر باہر چمک گیا ہے — اُس کو اِن مکاریوں سے نجات مِل گئی ہے

پسؔ مجو از وے گواہِ فعل و گفت — کہ ازو ہر دو جہاں چوں گُل شگفت

تو اُس سے فعل و قول کا گواہ نہ چاہ — کیونکہ دونوں جہاں اُسکی وجہ سے پھول کی طرح کھلے ہیں

ایں گواہی چیست؟ اظہارِ نہاں — خواہ قول و خواہ فعل و غیرِ آں

یہ گواہی کیا ہے؟ پوشیدہ کو ظاہر کرنا ہو — خواہ وہ (گواہی) قول ہو اور خواہ فعل اور اُسکے علاوہ ہو

لیک۔ عارف باللہ میں وہ نور ہوتا ہے کہ اس سے عالم پُر ہو جاتا ہے۔ شاہدِ تُست۔ اُس کے لئے گواہوں کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے... نورِ آں۔ اُس کے جوہر کا نور ایسا روشن ہوتا ہے کہ اُس کے اظہار کے لئے کسی تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے

پس مجو۔ ایسے شیخ کی صداقت پر اس کے قول و فعل سے گواہی چاہنا مناسب نہیں ہے۔ کہ عرض بعرض فنا ہو جاتا ہے جوہر باقی رہتا ہے قول و فعل عرض ہے اور نورِ باطن جوہر ہے۔ جوہر ہست یعنی فانی ہے۔ وصف یعنی نورِ باطن۔ ایں نشان۔ سونے کو پہچاننے کے لئے کسوٹی پر کسا جاتا ہے وہ کس فنا ہو جاتا ہے اور سونا باقی رہتا ہے۔

کہ عرضِ اظہارِ سرِ جوہر ست — وصف باقی وین عرض بر معبر ست

کیونکہ جوہر کے راز کا ظاہر کرنا عرض ہے — صفت باقی ہے اور یہ عرض گذرگاہ پر ہے

این نشانِ زر نماند بر محک — زر بماند نیک نام و بے ز شک

کسوٹی پر سونے کا یہ نشان (باقی) نہیں رہتا — سونا نیک نام اور بے شک (باقی) رہتا ہے

این[۵۳] صلوٰۃ و این جہاد و این صیام — ہم نماند جاں بماند نیک نام

یہ نماز اور یہ جہاد اور یہ روزے — بھی نہ رہیں گے جان نیک نام رہیگی

جاں چنیں افعال و اقوالے نمود — بر محکِ امر جوہر را بسود

جان نے ایسے افعال اور اقوال ظاہر کیئے — جوہر کو امر کی کسوٹی پر گھسا

کاعتقادم راست ست اینک گواہ — لیک ہست اندر گواہاں اشتباہ

کہ میرا عقیدہ درست ہے، یہ گواہ ہے — لیکن گواہوں میں شبہ ہوتا ہے

تزکیہ باید گواہاں را بداں — تزکیہ اش اخلاص و موقوفی بداں

سمجھ لے گواہوں میں عدالت ہونی چاہیئے — اُس کی عدالت اخلاص اور تیرا اسپر مطلع ہونا ہے

حفظِ لفظ اندر گواہِ قولی ست — حفظِ عہد اندر گواہِ فعلی ست

قولی گواہ میں لفظوں کی نگہداشت ہے — عملی گواہ میں عہد کی حفاظت ہے

گر[۵۴] گواہِ قول کژ گوید رد ست — ور گواہِ فعل کژ پوید رد ست

اگر قولی گواہ ٹیڑھی بات کہے تو رد ہے — اگر فعلی گواہ ٹیڑھا چلے تو رد ہے

قول و فعلِ بے تناقض بایدت — تا قبول اندر زماں پیش آیدت

بغیر اختلاف کا قول و فعل تیرے لئے ضروری ہے — تاکہ زمانہ میں قبولیت تیرے سامنے آئے

سعیکم شتیٰ تناقض اندرید — روز میدوزید و شب بر میدرید

تمہاری کوششیں مختلف ہیں تم تناقض میں ہو — دن کو سیتے ہو اور رات کو پھاڑتے ہو

پس گواہی با تناقض کہ شنود — یا مگر حلمے کند از لطفِ خود

تو تناقض کے ساتھ گواہی کون سنتا ہے؟ — ہاں اگر اپنی مہربانی سے فیصلہ کرے

فعل[۵۵] و قول اظہارِ سرست و ضمیر — ہر دو پیدا میکنند سرِ ستیر

فعل اور قول راز اور دل کا اظہار ہے — دونوں چھپے ہوئے راز کو ظاہر کر دیتے ہیں

چوں گواہت تزکیہ شد شد قبول — ورنہ محبوس ست اندر مول مول

جب تیرے گواہ کی عدالت ثابت ہوگئی وہ مقبول ہوگیا — ورنہ وہ ٹھہراؤ ٹھہراؤ میں پھنسا ہوا ہے

تا تو بستیزی ستیزند اے حروں — فانتظرھم انھم منتظرون

اے سرکش! جب تک تو جھگڑا کریگا وہ جھگڑیں گے — پس قرآن کا انتظار کر وہ بھی منتظر ہیں

---

۵۳ این صلوٰۃ۔ عبادات کے ذریعہ روح کو نیکنامی حاصل ہوتی ہے یہ عبادات فانی ہیں نیکنامی باقی رہتی ہے۔ جاں۔ روح اپنی نیکنامی کیلئے خدائی حکم کے مطابق افعال و اقوال ظاہر کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ میرا اعتقاد درست ہے اور یہ افعال و اقوال اسکے گواہ ہیں لیکن ہر گواہ قابل قبول نہیں ہوتا بلکہ عادل گواہ قابل اعتبار ہوتا ہے اسلیئے گواہ کا تزکیہ یعنی اُسکی عدالت ثابت کرنا ضروری ہے افعال و اقوال کا تزکیہ یہ ہے کہ اُنمیں اخلاص ہو ریا وغیرہ نہ ہو حفظِ لفظ۔ تیرا ایمان جو گواہِ قولی ہے اسمیں اسکی ضرورت ہے کہ تیری زبان سے کوئی غیر مناسب لفظ نہ نکلے عمل گواہ میں اسکی ضرورت ہے کہ تیرے افعال میں عہد الست کی برابر نگہداشت رکھے۔

۵۴ گر گواہ قول۔ قولی گواہ ہے اگر کوئی لفظ غلط بکے گا تو گواہ مردود ہو جائیگا فعل گواہ میں اگر کوئی عمل عہدِ الست کے خلاف ہوگا تو وہ مردود ہو جائیگا۔ قول و فعل۔ ان دونوں گواہوں میں موافقت ضروری ہے ورنہ مردود ہو جائیں گے۔ سعیکم شتیٰ۔ تمہاری کوششیں مختلف ہیں قرآن پاک میں ہے اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی۔ روز۔ دن میں کچھ رات میں کچھ اور کرتے ہیں۔ یا مگر۔ یہ گواہی مردود ہے۔ ہاں خدا اپنے فضل سے قبول کرسکتا ہے۔

۵۵ فعل و قول۔ انسان کا قول و فعل اس کے دل میں چھپی ہوئی کیفیت ظاہر کرتے ہیں۔ چوں۔ اگر گواہوں کی نیکی ثابت ہوجاتی ہے تو گواہی مقبول ہوجاتی ہے ورنہ گواہ خود پھنس جاتا

شرح یہاں سے مولانا مضمون سابق کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کہا تھا کہ اقوال و افعال صفات باطنیہ پر دلالت کرتے ہیں اور اس مضمون کو ہم نے امثلہ و شواہد سے بیان کیا تھا۔

اب سنو! کہ جس طرح افعال و اقوال مذکورہ صفات باطنہ مذکورہ پر دلالت کرتے ہیں۔ یوں ہی پانی کے صفات مذکورہ ہی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کا باطن نورحق سبحانہٗ یعنی اسکی صفت غفاری وجود سے لبریز ہے پس چونکہ اقوال و افعال صفت باطنہ پر شاہد ہیں لہٰذا تم کو چاہیئے کہ ان دونوں سے تم اس کے مصدر کی باطنی حالت معلوم کرو۔ کیونکہ جب تمہارا قلب دوسروں کے اندر رونے کی حالت نہیں معلوم کرسکتا۔ تو اب بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ تم قارورہ سے اس کی حالت معلوم کرو۔ لہٰذا تم کو باہر سے قارورہ دیکھنا چاہیئے اور اس ذریعے سے اسکی حالت معلوم کرنی چاہیئے۔

قارورہ جو کہ انسان کے جسم کے لئے احوال باطنہ کو ظاہر کرتا ہے اس سے مراد ہماری اس مقام پر قول و فعل ہے اور مقصود یہ ہے کہ جب تم حالت باطنہ کو کشف سے نہیں معلوم کرسکتے تو اقوال و افعال سے معلوم کرو کیونکہ اسکے معلوم کرنے کا اس کے سوا تمہارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں۔ رہے طبیب روحانی! سو ان کو اقوال و افعال کی ضرورت نہیں۔ وہ تو مریض کی جان کے اندر گھس جاتے ہیں۔ اور وہاں سے اسکے ایمان کی تہہ میں پہنچ جاتے ہیں اور معلوم کرلیتے ہیں کہ اس کا ایمان کمال و نقصان کے لحاظ سے کیا رتبہ رکھتا ہے۔

پس تم کو ان لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اور ان کے سامنے دلوں کی حفاظت رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ جواسیس القلوب ہیں مگر یہ صفت ان کی اختیاری اور دائمی نہیں ہے) اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ تم لوگوں کی اندرونی حالت کو ان کے

اقوال و افعال سے معلوم کرو - یہ علی الاطلاق نہیں ہے - بلکہ ان لوگوں سے متعلق ہے جو صورتاً حق سبحانہ' سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا کمال ظاہر نہیں ہے - خواہ اس لیے کہ ان میں کوئی کمال نہیں یا اسلئے کہ کمال تو ہے مگر اس درجہ کا نہیں کہ خواہ مخواہ ظاہر ہو .... ایسے لوگوں کے افعال و اقوال سے تم کو ان کی باطنی حالت پر استدلال کرنا چاہیئے کیونکہ ایسے لوگوں کا قول و فعل ان کا گواہ ہوتا ہے جو کہ حق سبحانہ' کے ساتھ صوری اتصال رکھتے ہیں جس طرح ندی دریا سے صوری اتصال رکھتی ہے پس ایسے لوگوں کے قول و فعل کو ضرور دیکھنا چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ اُس کی باطنی حالت کیا ہے اور اس کا نور کیسا ہے اور کس قدر ہے - اور وہ مکّار اپنی ظاہری حالت سے لوگوں کو پھانسنے والا ہے - یا واقع میں اچھا شخص ہے جب یہ معلوم کر لو تو اگر وہ شکاری ہو - تو اُس سے دور رہو - اور اسکے افسون قول و فعل کو ہرگز نہ سُنو اور اگر وہ مخلص ہو تو اُس سے ہرگز مستغنی نہ ہو - بلکہ اس سے مستفیض ہو تاکہ وہ تم کو حق جل شانہ تک پہنچا دے -

رہے وہ لوگ جو کمال میں حد سے بڑھ گئے ہیں - اور جن کے برکات و انوار سے جنگل اور بیابان پُر ہیں - ان کی محبوبیت کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں اور نہ ان کو بناوٹ اور کثرتِ مجاہدات و ریاضات کی ضرورت ہے چونکہ ان جواہرات (اہل اللہ) کا نور باہر چمکتا ہے اسلئے ان کو بناوٹوں سے جو کہ عاری عن الکمال کرتے ہیں استغنار حاصل ہے - پس ایسے لوگوں سے گواہانِ قولی و فعلی نہ طلب کرنے چاہییں - کیونکہ ان سے دونوں جہاں گل کی طرح شگفتہ یعنی ان کے فیض سے سرسبز و شاداب ہیں - (اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اعمال کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو الحاد ہے - بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ تو یہ مکّار ہیں کہ مکّاروں کی طرح ان کو بناوٹ کی ضرورت ہو اور نہ یہ خفی الکمال ہیں - جس پر اعمال سے

استدلال کی حاجت ہو۔ بلکہ ان کا کمال خود ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں کچھ
ضرورت نہیں کہ ان کے اعمال پر نظر کی جائے گو واقع میں اعمال ہوں گے) یہاں
تک مولانا نے اولا افعال و اقوال کا حالت باطنی پر شاہد ہونا۔ بیان کیا۔ اور اس
سلسلہ میں متعدد مضامین بیان کئے اب ہر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں
اور فرماتے ہیں کہ جب افعال و اقوال صفت و حالت قلبیہ کے گواہ ہیں۔ تو اب
سمجھو کہ اس گواہی کا کیا مقصد ہے۔ اس کا مقصد ایک مخفی امر کا اظہار ہے
خواہ وہ گواہ فعل ہو۔ یا قول یا اسکے علاوہ کوئی اور شے۔ کیونکہ سب کی گواہی سے
مقصد یہ ہے کہ حالت قلبیہ مخفیہ ظاہر ہو۔ ہم اس مقام پر استطراداً یہ بھی
بتلائے دیتے ہیں کہ وصف مشہود بہ باقی رہتا ہے۔ اور یہ اعراض (افعال و اقوال)
جو کہ اسکے گواہ ہیں گذر جاتے ہیں۔ لان العرض لا یبقی زمانین دیکھو کسوٹی پر
سونے کا نشان قائم نہیں رہتا مگر اس کا کھرا پن ہمیشہ رہتا ہے۔ جسے وہ
ہمیشہ نیک نام اور غیر ملتبس الامر رہتا ہے۔

پس اسی طرح یہ زکوٰۃ اور جہاد اور روزہ ہی بحالہا باقی نہیں رہتے
مگر جان کی صفت حمیدہ باقی رہتی ہے جسے وہ ہمیشہ نیکنام رہتی ہے
جب یہ استطرادی مضمون ختم ہوا۔ تو اب سمجھنا چاہیئے کہ جس وقت جان اس
قسم کے کام کرتی ہے تو گویا کہ حکم حق کی کسوٹی پر اپنے کو گھستی ہے اور دعویٰ
کرتی ہے کہ میرا اعتقاد الوہیت حق سبحانہ کی نسبت درست ہے اور یہ مذکورہ
وغیرہ اس امر کے گواہ ہیں لیکن صرف اتنی بات سے اس کا دعوےٰ ثابت
نہیں ہوتا۔ کیونکہ گواہوں میں ہنوز شبہ ہے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے اسلئے ضرورت
ہے کہ ان گواہوں کا تزکیہ کیا جائے۔

اور تزکیہ ان کا اخلاص ہے اور اسی تزکیہ کے لئے تم کو روک رکھا ہے کہ گواہوں

کا تزکیہ کرا دو۔ اور دہلیز قاضی سے رخصت ہو جاؤ۔ یہ تو عام تزکیہ تھا اور دوسرا تزکیہ خاص ہے۔ جو ہر گواہ سے جداگانہ متعلق ہے۔ مثلاً گواہ قولی کا تزکیہ یہ ہے کہ الفاظ شہادت محفوظ رہیں۔ اور کوئی بات خلاف دعوےٰ زبان سے نہ نکلے اور گواہ فعلی کا تزکیہ یہ ہے کہ جو عہد کیا گیا ہے اس پر قائم رہا جائے اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے بدعہدی ظاہر ہو۔ یہ تزکیہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر گواہ قولی کوئی بے جا بات کہے گا تو مردود الشہادت ہو جائیگا۔ علیٰ ہذا اگر گواہ فعلی کوئی ایسا کام کرے گا جو معاہدہ کے خلاف ہے تو برا سمجھا جائے گا اور نا مقبول ہو گا پس تمہارے لیے ضرورت ہے کہ تمہارے افعال و اقوال میں تناقض نہ ہو۔ تاکہ تم مقبول ہو جاؤ۔ اور تمہاری گواہی مان لی جائے لیکن تمہاری حالت اس کے خلاف ہے اور تمہاری سعی پراگندہ ہے۔ اور تم تناقض میں بتلا ہو تم دن کو سیتے ہو اور رات کو پھاڑ ڈالتے ہو۔ یعنی کبھی تم اچھے کام کرتے ہو اور کبھی بُرے۔ ایسی حالت میں تمہاری شہادت ہر گز قابل قبول نہیں کیونکہ شہادت مناقضہ نامقبول ہے اور اس صورت ضابطہ سے تمہاری رہائی کی کوئی سبیل نہیں۔ الا آنکہ حق سبحانہٗ اپنے فضل کی رو سے فیصلہ کریں اور ضابطہ سے کام نہ لیں۔ اس وقت تم کو نجات ہو سکتی ہے۔

الحاصل: تمہارے اقوال و افعال تمہاری حالت قلبیہ کے مظہر ہیں اور دونوں اس امر مخفی کو ظاہر کرتے ہیں۔ پس جس وقت ان گواہوں کا تزکیہ ہو جائے گا مقبول ہونگے۔ ورنہ سچی شہادت ادا کرنے میں توقف کے سبب دہلیز قاضی میں محبوس رہیں گے اور جب تک تم سچی شہادت ادا نہ کرو گے اور اسکے ادا کرنے میں حیلہ و حجت کرو گے اسوقت تک کارکنان قضا بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ پس تم بھی انتظار کرو۔ وہ بھی منتظر ہیں :۔

عرضہ کردن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت را بر مہمانِ خویش

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مہمان پر کلمۂ شہادت پیش کرنا

این سخن پایاں ندارد مصطفیٰ
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے، مصطفیٰ نے

عرضہ کرد ایمان و پذرفت آں فتیٰ
ایمان پیش کر دیا اور اس نوجوان نے قبول کر لیا

آں شہادت را کہ فرخ بودہ ست
وہ (کلمۂ) شہادت جو بابرکت ہے

بندہائے بستہ را بکشودہ ست
جس نے بندھی ہوئی بندشوں کو کھولا ہے

گشت مومن گفت او را مصطفیٰ
وہ مومن بن گیا، اُس کو مصطفیٰ نے فرمایا

کامشباں ہم باش تو مہمانِ ما
تو آج کی رات بھی ہمارا مہمان رہ

گفت واللہ تا ابد ضیفِ توام
اُس نے کہا خدا کی قسم ہمیشہ کیلئے آپ کا مہمان ہوں

ہر کجا باشم بہر جا کہ روم
جہاں کہیں بھی رہوں، جہاں بھی جاؤں

زندہ کردہ معتق و دربانِ تو
آپ کا زندہ کیا ہوا اور آزاد کیا ہوا اور دربان ہوں

این جہان و آں جہان خوانِ تو
اس جہان میں اور اس جہان میں آپکے دسترخوان پر ہوں

ہر کہ بگزیند جز این بگزیدہ خواں
جو اس منتخب دسترخوان کے علاوہ منتخب کریگا

عاقبت در دَرد گلویش استخواں
انجام کار ہڈی اس کا گلا پھاڑ دے گی

ہر کہ سوئے غیرِ خوانِ تو رود
جو آپ کے دسترخوان کے غیر کے پاس جائے گا

دیو با او داں کہ ہم کاسہ بود
سمجھ لیجئے، شیطان اُس کا ہم پیالہ ہوگا

ہر کہ از ہمسائیگی تو رود
جو آپ کے پڑوس سے جائے

دیو بے شکے کہ ہمسایہ اش بود
بیشک شیطان اُس کا پڑوسی ہوگا

در رود بے تو سفر او دور دست
اگر وہ دور و دراز آپ کے بغیر سفر کرے

دیو بد ہمراہ و ہم سفرہ و لیست
شیطان اُس کا ہمراہی اور شریکِ دسترخوان ہے

در نشیند بے تو بر اسپِ شریف
اگر آپ کے بغیر وہ عمدہ گھوڑے پر بیٹھے

حاسدِ ما ہست دیو او را ردیف
وہ ہمارا حاسد ہے، شیطان اُس کے پیچھے سوار ہو

ور بجہ گیرد از و شہنازِ او
اگر اُس کی شہناز (بیوی) اُس سے بچہ جنے

دیو در نسلش بود انبازِ او
شیطان اُس کی نسل میں اُس کا شریک ہوگا

در نبی شارکہم گفت ست حق
اللہ تعالیٰ نے قرآن میں "ان کا شریک بن جا" فرمایا

ہم در اموال و در اولاد از سبق
مالوں میں بھی اور اولاد میں بھی پہلے سے

گفت پیغمبر ز غیب این را جلی
پیغمبرؐ نے واضح طور پر یہ غیب سے فرمایا

در مقاماتِ نوادر با علیؓ
نادر مقامات میں حضرت علیؓ سے

ہے۔ مولیٰ مول یعنی اُس کو حکم ہوگا کہ ٹھہرا رہ۔ فانتظرھم۔ قرآن پاک میں آنحضورؐ کو حکم ہے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُنْتَظِرُوْنَ۔ اے نبی آپ ان سے رُوگردانی کریجئے اور انتظار کیجئے وہ بھی انتظار میں ہیں۔

۵۳ عرضہ کردن پیش کرنا۔ شہادت۔ کلمۂ شہادت۔ فرخ۔ مبارک گشت۔ وہ کافر مہمان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ امشباں۔ آج کی رات۔ گفت اُس نے کہا اب تو میں جہاں کہیں بھی رہوں آپ کے

۵۱ زندہ کردہ۔ آپ نے مجھے حیاتِ ابدی عنایت کی ہے۔ معتق۔ غلامی سے آزاد شدہ۔ آں جہاں۔ عالمِ آخرت۔ ہر کہ۔ جو آپ کے دسترخوان سے بھاگے گا وہ ہلاک ہوگا اور شیطان اُس کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ بنیگا۔ ہمسائگی۔ جو آپ کا پڑوس چھوڑے گا شیطان اُس کا پڑوسی بنے گا۔ سفرہ۔ دسترخوان۔

۵۲ در بچہ۔ اگر اُس کی بیوی کے بچہ پیدا ہوگا اس پر شیطانی اثر ہوگا۔ شہناز۔ شاہ ناز یعنی بیوی۔ انباز۔ شریک۔ در نبی۔ قرآن پاک میں شیطان کو خطاب کیا گیا ہے وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ اور اُن کا مالوں اور اولاد میں شریک بن جا۔

یا رسولؐ اللہ رسالت را تمام — تو نمودی ہمچو شمس بے غمام
اے اللہ کے رسولؐ پوری رسالت کو — آپ نے دکھا دیا بغیر ابر کے سورج کی طرح

ایں کہ تو کردی دو صد مادر نکرد — عیسیٰ و افسونش با عاذر نکرد
جو کچھ آپ نے کیا دو سو ماؤں نے نہ کیا — حضرت عیسیٰؑ اور انکی دعا نے عاذر کیساتھ نہ کیا

از تو جانم از اجل نک جان برد — عاذر از شد زندہ آں دم باز مرد
اب میری جان آپ کی وجہ سے موت سے جان بچا لیگی — عاذر اگر اس وقت زندہ ہوا پھر مرگیا

گشت مہمانِ رسولؐ آں شب عرب — شیر یک بز نیمہ خورد و بست لب
عرب اس رات رسولؐ کا مہمان ہو گیا — ایک بکری کا آدھا دودھ پیا اور ہونٹ بند کر لئے

کرد الحاحش بخور شیر و رقاق — گفت گشتم سیر واللہ بے نفاق
آنحضورؐ نے اس سے اصرار کیا کہ دودھ اور روٹی کھا لے — اس نے کہا میرا پیٹ بھر گیا خدا کی قسم ایمانداری سے

ایں تکلف نیست نے ناموس و فن — سیر تر گشتم ازاں کہ دوش من
یہ تکلف نہیں ہے، نہ شرم اور مکر — میں اس سے زیادہ پیٹ بھرا ہوں جتنا کل (تھا)

در عجب ماندند جملہ اہلِ بیت — پُر شد ایں قندیل زیک قطرہ زیت
سب گھر والے تعجب میں پڑ گئے — کہ یہ قندیل زیت کے ایک قطرے سے بھر گیا

آنچہ قوتِ مرغِ بابیلے بود — سیریِ معدہ چنیں پیلے بود
جو ابابیل پرندکی خوراک ہو — ایسے ہاتھی کا اس سے پیٹ بھر جائے

فجفجے افتاد اندر مرد و زن — قدرِ پشہ می خورد آں پیلتن
مرد و زن میں کھسر پھسر ہونے لگی — یہ ہاتھی جیسے جسم والا مچھر کی بقدر کھاتا ہے

حرص و وہمِ کافری سر زیر شد — اژدہا از قوتِ مورے سیر شد
کفر کی حرص اور وہم اوندھا ہو گیا — اژدہا چیونٹی کی خوراک سے سیر ہو گیا

آں گدا چشمی و کفر از وے برفت — لوتِ ایمانیش لمتر کرد و زفت
وہ بھکاری پن اور کفر اس سے رخصت ہوا — اس کو ایمان کی عمدہ غذا نے موٹا تازہ کر دیا

آنکہ از جوع البقر او می طپید — ہمچو مریم میوۂ جنت بدید
وہ شخص جو جوع البقر سے تڑپتا تھا — اس نے حضرت مریم کی طرح جنت کے پھل دیکھ لئے

میوۂ جنت سوئے چشمش شتافت — معدہ چوں دوزخش آرام یافت
جنت کے پھل اس کی آنکھوں کی جانب دوڑ آئے — اس کے دوزخ جیسے معدہ نے آرام پا لیا

ذاتِ ایماں نعمت و لوتے ست ہو — اے قناعت کردہ از ایماں بقول
ایمان کی حقیقت نعمت اور عظیم لذیذ غذا ہے — اے وہ کہ جس نے ایمان کے بارے میں قول پر اکتفا کر لیا

---

۵۳ یا رسول اللہ۔ اس مسلم مہمان نے کہا۔ غمام۔ ابر۔ دو صد مادر۔ ماں کی محبت مشہور ہے۔ عاذر۔ وہ شخص تھا جس کو حضرت عیسیٰؑ نے مرنے کے چالیس سال بعد زندہ کر دیا تھا لیکن پھر وہ طبعی موت مر گیا تو اسکی حیات عارضی تھی آپ نے مجھے ابدی زندگی عطا کر دی ہے۔ گشت۔ وہی بیاکر عرب مسلمان ہونے کے بعد ایک بکری کے آدھے دودھ سے سیر ہو گیا۔

۵۴ کرد۔ آنحضورؐ نے مزید کھانے پر اصرار کیا۔ الحاح۔ اصرار۔ رقاق۔ چپاتی روٹی۔ دوش۔ شب گذشتہ۔ پُر شد۔ یعنی آج یہ تھوڑی غذا سے سیر ہو گیا۔ آنچہ۔ ہاتھی کا پیٹ ابابیل کی خوراک سے بھر گیا۔ پیلتن۔ ہاتھی جیسے جسم والا۔ حرص کفر کی حالت کی حرص جاتی رہی۔

۵۵ گدا چشمی۔ لالچ۔ حرص۔ لوت۔ اب چونکہ وہ مومن ہو گیا ایمانی غذا نے اور موٹا تازہ کر دیا جوع البقر۔ بیماری ہے جس میں کبھی پیٹ نہیں بھرتا ہے مریم۔ حضرت مریم حاملہ ہونے کی صورت میں جنتی پھل کھاتی رہیں اور دنیاوی غذا سے بے نیاز رہیں۔ ذات ایمان۔ ایمان کی حقیقت عجب نعمت اور غذا ہے اگر وہ کسی کو حاصل ہو جائے تو پھر جسمانی غذا کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی ہے

۵۶ اے قناعت کردہ۔ جو لوگ صرف زبانی مومن ہیں وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ نورِ ایمان روح کی غذا ہے جب روح اور جسم کا اتحاد ہو جاتا

شرح خیر! یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی۔ اب سنو! کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے سامنے ایمان پیش کیا اور اس نے اس شہادت توحید و رسالت کو قبول کرلیا جو کہ نہایت مبارک تھی اور جس نے اس کے معنوی بیڑیوں کو کھول کر اسے آزاد کر دیا اور اس طرح وہ مومن ہوگیا۔ پس جب کہ وہ مومن ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ تم آج رات ہمارے ہی مہمان ہو۔ اس پر اس نے عرض کیا کہ حضور آج رات کیا۔ اب تو میں ہمیشہ کے لیے جہاں کہیں بھی ہوں اور جس جگہ ہی جاؤں آپ ہی کا مہمان ہوں۔ کیونکہ یہ غذائے ایمانی جس سے میں ہمیشہ متغذی رہوں گا۔ آپ ہی کے طفیل سے ہی ہے نیز میں موت روحانی سے آپ ہی کا زندہ کیا ہوا ہوں۔ اور آپ ہی نے مجھے نفس و شیطان کی غلامی سے آزاد کیا ہے اور میں آپ ہی کا درباں و خادم ہوں اور دنیا میں بھی آپ ہی کے دسترخوان پر ہوں اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ اس وقت میری اصل غذا غذائے روحانی ہے اور وہ آپ کے طفیل سے ملی ہے اور آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ ایمان ہی کے سبب ملے گا اور ایمان آپ ہی کے فیض سے ملا ہے اسلئے نعمائے اُخرویہ بھی گویا کہ آپ ہی کی دی ہوئی ہے پس دونوں جہان میں آپ کے دسترخواں پر ثابت ہوگیا۔ (اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندہ کردہ الخ کی تقدیر من زندہ کردہ و معتق و دربان توام در یں جہاں و در آں جہاں۔ برخواں توام ہے۔ فلا نلتفت الی ماقال بحر العلوم و ولی محمد فانہ زل قدمہما فقالا ماقالا) غرضکہ میں آپ ہی کا مہمان ہوں اور آپ ہی کا مہمان رہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جو شخص اس عمدہ دسترخوان معنوی کو چھوڑ کر دوسرا دسترخوان شیطانی و نفسانی اختیار کرتا ہے انجام کار اس کے گلے میں ہڈی پھنس جاتی ہے اور اس کا گلا پھاڑ ڈالتی ہیں یعنی یہ مہمانی اسکے لیے موجب رنج و کلفت ہو جاتی ہے

اور جو شخص آپ کے دسترخوانِ معنوی (ہدایت) کو چھوڑ کر دوسرے دسترخوان پر جاتا ہے۔ شیطان اس کا ہم پیالہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص آپکی مجاورت کو چھوڑتا ہے شیطان اس کا ہمسایہ ہوتا ہے اور اگر کوئی آپکی ہدایت کے بغیر سفر دور دراز اختیار کرتا ہے تو اس کا رفیق اور شریک دسترخوانِ شیطانی ہوتا ہے اور اگر کوئی آپ (کی ہدایت) کے بغیر گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اس کا ردیف.. ہمارا حاسد شیطان ہوتا ہے اور اگر بدوں آپ کی ہدایت کے اس کی بیوی اس سے حاملہ ہوتی ہے تو اسکی نسل میں شیطان شریک ہوتا ہے۔

غرضکہ کہ آدمی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر جو کام بھی کرتا ہے اس میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے اور یہ امر بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ نے اپنے کلام میں وشارکھم فی الاموال والاولاد فرمایا ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ تو اس کے مالوں اور ان کی اولاد میں شریک ہوجا۔ اس سے شرکت فی النسل ثابت ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مضمون کو اپنے خاص مقامات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے صاف صاف فرمادیا ہے خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! کہ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مجھ پر اپنی رسالت کو یوں روشن کردیا جیسے بے ابر آفتاب اور یہ شفقت جو آپنے مجھ پر کی سینکڑوں ماؤں نے اپنے بچوں پر نہیں کی اور جو احسان آپ نے مجھ پر کیا ہے وہ عیسٰی علیہ السلام اور اسکے افسون نے عاذر کے ساتھ نہیں کیا۔ کیونکہ آپنے میری روح کو موت کے پنجے سے ہمیشہ کے لیے چھڑادیا اور عاذر دعائے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے زندہ ضرور ہوا تھا مگر اس کے بعد مرگیا تھا اسلئے دونوں احسان برابر نہیں ہوسکتے۔

المقصتہ! وہ عرب اس شب بھی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان ہوا اور ایک بکری کا آدھا دودھ پی کر منہ بند کرلیا۔ جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اصرار کیا کہ میاں! دودھ روٹی اور کھاؤ تو اسکی کہا بخدا میں غلط نہیں کہتا۔ میں بالکل سیر ہوگیا نہ یہ تکلف ہے اور نہ فقط ناموس کہ لوگ میرے زیادہ کھانے پر طعن کریں گے اور نہ چالاکی۔ بلکہ میں آج کل سے بھی زیادہ سیر ہوگیا ہوں یہ دیکھ کر کہ ایک قطرۂ روغن سے قندیل بھر گیا اور ذرا سی غذا سے اتنا بڑا معدہ پُر ہوگیا۔ گھر کے لوگ بہت متعجب ہوئے اور کہا کہ حیرت کی بات ہے کہ جو غذا ابابیل سے چھوٹے جانور کی تھی کہ وہ اتنے بڑے ہاتھی کے معدہ کو پُر کر دے اور مردوں اور عورتوں میں کھُس پھُس ہونے لگی کہ ارے ہاتھی کے کے ڈیل ڈول کا آدمی اور مچھر کی خوراک کھاتا ہے۔

اب سنو! کہ کم خوراکی کا سبب کیا تھا وجہ اسکی یہ تھی کہ حرص اور وہم جو کافروں میں ہوتے ہیں۔ جس کی تفصیل گذر چکی ہے اسکے زائل ہو چکی تھی اور غذائے ایمانی بڑھ گئی تھی۔ اور وہ شخص جو کہ اس سے قبل بھوک کی زیادتی سے بے قرار تھا اس نے مریم علیہا السلام کی طرح میوۂ جنت دیکھ لیا تھا۔ چونکہ میوۂ جنت اسکی نظر کے سامنے آگیا تھا اسلئے اس کا دوزخ کا ہندِ معدہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ (میوۂ جنت سے یا تو مراد طمانینت ہو۔ یا نور ایمان)۔ بہر حال...

حاصل یہ ہے کہ غذائے روحانی مل جانے سے اُسے غذائے جسمانی کی طرف رغبت نہ رہی تھی کیونکہ وہ اسکی نظر میں بے وقعت ہوگئی تھی اور اسکو اتنی ہی غذا کی ضرورت تھی جس سے حیات و قوت اعمال باقی رہے مگر دل چسپی نہ تھی جو کہ زیادہ کھانے کا باعث ہے اسلئے کم کھانے لگا تھا)

آگے ان لوگوں پر رد کرتے ہیں جو کہ غذائے ایمانی کے معنی عن الغذار الجسمانی ہونے کے مُنکر ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہیں حقیقت ایماں تو حاصل نہیں بلکہ زبانی ہی کلمہ پڑھتے ہو۔ تم کیا جانو! کہ غذائے ایمانی کے مُغنی عن الغذار الجسمانی

ہوتے ہی نہیں اسلئے انکار کرتے ہیں۔

یاد رکھو! کہ ایمان بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی غذا ہے۔ اسکے مقابلہ میں غذائے حسی کی کوئی وقعت نہیں۔ پس اسکی بناء پر غذائے حسی سے ایک حد تک مستغنی ہو جانا کچھ بعید نہیں

دربیان آنکہ نورے کہ غذائے جان ست غذائے جسم اولیاء

اس کا بیان کہ وہ نور جو روح کی غذا ہے اولیاء کے جسم کی بھی غذا ہوتا

میشود تا او ہم یاری شود در روح را کہ اسلم شیطانی علی یدی

ہے یہاں تک کہ وہ بھی روح کا دوست بن جاتا ہے کیونکہ (آنحضورؐ نے فرمایا ہے) میرا شیطان میرے ہاتھ پر اسلام لے آیا

گرچہ آں مطعوم جان ست و نظر ۔۔۔ جسم راہم زاں نصیب ست اے پسر

اگرچہ وہ جان اور نظر کی خوراک ہے ۔۔۔ اے بیٹا! اس میں جسم کا بھی حصہ ہے

گر نگشتے[1] دیو جسم آں را اکول ۔۔۔ اسلم الشیطاں نہ فرمودے رسول

اگر شیطان کا جسم اس کا کھانے والا نہ بنتا ۔۔۔ (تو) رسولؐ "شیطان اسلام لے آیا" نہ فرماتے

دیو زاں لوتے کہ مردہ حی شود ۔۔۔ تا نیا شامد مسلماں کے شود

شیطان اس غذا کو جس سے مُردہ زندہ ہوتا ہے ۔۔۔ جب تک نہ پی لیتا، مسلمان کب ہوتا

دیو بر دنیاست عاشق کور و کر ۔۔۔ عشق را عشقِ دگر بُرّد کمر

شیطان دنیا کا اندھا اور بہرا عاشق ہے ۔۔۔ عشق کی کمر دوسرا عشق (ہی) توڑتا ہے

از نہانخانہ یقیں چوں مے چشد ۔۔۔ اندک اندک عشق رخت آنجا کشد

یقین کے دفینہ میں سے جب وہ شراب چکھتا ہے ۔۔۔ آہستہ آہستہ عشق اس جگہ پڑاؤ ڈالتا ہے

یَا حَرِیْصَ الْبَطْنِ عَرِّجْ ھٰکَذَا ۔۔۔ اِنَّمَا الْمِنْھَاجُ تَبْدِیْلُ الْغِذَا

اے پیٹ کے لالچی! اس طرح مائل ہو ۔۔۔ غذا کی تبدیلی ہی راستہ ہے

یَا مَرِیْضَ الْقَلْبِ عَرِّجْ لِلْعِلَاجِ[2] ۔۔۔ جُمْلَۃُ التَّدْبِیْرِ تَبْدِیْلُ الْمِزَاجِ

اے دل کے مریض! علاج کی طرف مائل ہو ۔۔۔ مکمل تدبیر مزاج کا بدلنا ہے

اَیُّھَا الْمَحْبُوْسُ فِیْ رَھْنِ الطَّعَامِ ۔۔۔ سَوْفَ تَنْجُوْ اِنْ تَحَمَّلْتَ الْعِظَامَ

اے کھانے کی رہن کے قیدی ۔۔۔ عنقریب تو نجات پا جائیگا اگر تو نے بڑے امتحانات برداشت کر لئے

اِنَّ فِی الْجُوْعِ طَعَامًا وَّافِرًا ۔۔۔ اِفْتَقِدْہُ وَارْتَجِ یَا نَافِرًا

بھوکا رہنے میں بہت غذا ہے ۔۔۔ اس کو تلاش کر لے امید رکھ اے بھاگنے والے

ہے تو وہ نور جسم کی غذا بھی بن جاتا ہے ناکہ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ نفس آلمہ میرا تابع ہو گیا ہے۔ مولانا نے یہاں شیطان سے مراد جسم انسانی لیا ہے یعنی وہ بھی روح کا ساتھی بن گیا ہے۔ گرچہ آں یعنی نور ایمانی۔

[1] گر نگشتے۔ اگر وہ جسم روح کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ نہ بنتا تو حضورؐ "شیطان مسلمان ہو گیا" نہ فرماتے۔ دیو شیطان۔ اگر نور سے غذا حاصل نہ کرتا تو مسلمان کب بن سکتا تھا۔ دیو جسم انسانی دنیا کا عاشق ہے جب تک آخرت کا عشق نہ پیدا ہوگا اس عشق کی کمر نہ ٹوٹے گی۔ از نہانخانہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب دل میں یقین کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے تو عشق نمودار ہو جاتا ہے۔ یا حریص۔ غذا کی تبدیلی سے مزاج بدلتا ہے اور اس سے مرض زائل ہو جاتا ہے، انسان کو غذاء جسمانی چھوڑ کر غذاء روحانی کا عادی بننا چاہیئے۔

[2] یا مریض۔ مزاج کے تغیر سے ہی امراض پیدا ہوتے ہیں جب مزاج کی تبدیل کر کے اس کو اصل

اِغْتَذِ بِالنُّورِ کُنْ مِثْلَ الْبَصَرْ ۔۔۔ وَافِقِ الْاَمْلَاکَ یَاخَیْرَ الْبَشَرْ

نور کی غذا حاصل کر، آنکھ جیسا بن جا ۔۔۔ اے انسانوں میں سے بہتر! فرشتوں کی موافقت کر

چوںؔ مَلَک تسبیحِ حق راکُن غذا ۔۔۔ تا رہی ہمچوں ملائک از اَذا

فرشتہ کی طرح اللہ کی تسبیح کو غذا بنالے ۔۔۔ تاکہ تو فرشتوں کی طرح بہ نجاست باجائے

جبرئیلؑ از سُوئے جیفہ کم تَنَد ۔۔۔ اُو بقوت کے زکرگس کم زَنَد

جو جبرئیل ہیں وہ مُردار کا رُخ نہیں کرتے ہیں ۔۔۔ وہ قوت میں گدھ سے کم پرواز کب کرتے ہیں؟

پیل اگرچہ در زمیں آہستہ است ۔۔۔ او زپشّہ باز گوچوں رَستہ است

ہاتھی زمین میں اگرچہ آہستہ چلتا ہے ۔۔۔ بتا وہ مچھر سے کب بچا ہے!

خبذاؔ خوانے نہادہ در جہاں ۔۔۔ لیک از چشمِ خسیساں بس نہاں

دنیا میں عمدہ خوان رکھا ہوا ہے ۔۔۔ لیکن کمینوں کی نگاہ سے بہت چھپا ہوا ہے

اِنکار کردنِ اہلِ تن غذائے رُوح را ولرزیدنِ ایشان

تن پروروں کا روحانی غذا سے انکار کرنا اور اُن کا جسمانی تھوڑی

بَر غذائے خسیسِ جسمانی

غذا سے لرزنا

گر جہاں باغے پُر از نعمت شود ۔۔۔ قسم موش و مار ہم خاکے بُود

اگر دنیا نعمت سے بھرا ہوا باغ بن جائے ۔۔۔ چوہے اور سانپ کا حصہ پھر بھی مٹی ہے

قسم شاں خاکست گر دے گر بہا ۔۔۔ میر کونی خاک چوں نوشی چو مار

اُن کا حصہ مٹی ہے خواہ خزاں ہو خواہ بہار ہو ۔۔۔ تو جہان کا سردار ہے سانپ کی طرح مٹی کیوں کھاتا ہے

درمیانِ چوب گوید کرمِ چوب ۔۔۔ مر کرا باشد چنیں حلوائے خوب

لکڑی کا کیڑا لکڑی میں کہتا ہے ۔۔۔ ایسا عمدہ حلوا کس کو نصیب ہے!

درمیانؔ خاک گوید کرمِ خورد ۔۔۔ ایں چنیں حلوا بعالم کس نخورد

چھوٹا سا کیڑا مٹی میں کہتا ہے ۔۔۔ دنیا میں ایسا حلوہ کسی نے نہیں کھایا!

کرمِ سرگیں درمیانِ آں حدث ۔۔۔ در جہاں نُقلے نداند جز خَبث

گوبر کا کیڑا اس نجاست میں ۔۔۔ دنیا میں سوائے نجاست کے کوئی خوراک نہیں جانتا ہے

جُز نجاست ہیچ نشناسد کُلاغ ۔۔۔ شد نجاست مَر وُرا چشم و چراغ

کوا نجاست کے علاوہ کچھ نہیں پہچانتا ہے ۔۔۔ نجاست ہی اُس کا چشم و چراغ ہے

ہے اُن کی پرواز مُردار خور گِدھ سے بہت زیادہ ہے۔ پیل۔ ہاتھی کا جسم بھاری بھر کم ہے لیکن مچھر اُس کو ہلاک کرسکتا ہے تو جسم کی طاقت پر مدار نہیں ہے۔

حالت میں لے آیا جائے تو مرض زائل ہو جاتا ہے عظام۔ صبر کے مصائب برداشت کرنے سے صحت حاصل ہوتی ہے۔ اِنّ بی الجوع۔ (شعر)
اندرون از طعام خالی دار
تا در آں نورِ معرفت بینی
وافق۔ ملائکہ کی غذا نور ہے۔

۵۳ چوں ملک۔ فرشتوں کو تسبیح کے ذریعہ غذا اور نور حاصل ہوتی ہے۔ جبرئیل۔ جبرئیلؑ کی طاقت نورانی

۵۵ خبذا۔ نورانی خوان دنیا میں موجود ہے لیکن وہ کمینوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے وہ صرف ظاہری غذا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ انکار کردن۔ دنیادار غذائے روح کے منکر ہیں۔ اور جسم کی جسمانی غذا کی طرف مائل ہیں۔۔۔۔ گر جہاں۔ اگر پورا عالم باغ بن جائے تب بھی چوہے اور سانپ کی غذا مٹی ہوتی ہے یہی حال ان دنیاداروں کا ہے۔ درمیان۔ لکڑی کا کیڑا لکڑی ہی کو بہترین حلوا سمجھتا ہے۔

۵۶ درمیان۔ زمین کا کیڑا زمین ہی کو اپنا حلوا سمجھتا ہے کرمِ سرگیں۔ گوبر کے کیڑے کو گوبر ہی بہتر غذا معلوم ہوتی ہے۔ کلاغ۔ کوا نجاست ہی کو بہترین غذا سمجھتا ہے۔
مناجات۔ دعا۔

شرح یہ مسلّم ہے کہ غذائے ایمانی روح اور عقل کی غذا ہے مگر جسم کو بھی اسے حصہ پہنچتا ہے اور وہ بھی اس سے بے بہرہ نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر جسم جو کہ شیطان ہے اسکو نہ کھا سکتا۔ تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان علی یدی نہ فرماتے کیونکہ اس حدیث میں شیطان سے مراد جسم ہے پس جب تک کہ وہ غذائے روحانی نہ کھائے جو کہ مردہ کو زندہ کردیتی ہے اس وقت تک وہ مسلمان کیسے ہوسکتا ہے اور جبکہ وہ مسلمان ہوگیا تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس نے غذائے روحانی کھائی۔

پس ثابت ہوا کہ جسم بھی غذائے روحانی کھا سکتا ہے اور جب وہ غذائے روحانی کھا سکتا ہے تو اس سے غذائے جسمانی میں کمی آسکتی ہے —— اور راز اس کا یہ ہے کہ شیطان جسم یعنی نفس دنیا پہ عاشق اور اسکی محبت میں اندھا اور بہرہ ہورہا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک عشق کو دوسرا عشق مضمحل کردیتا ہے۔

پس جبکہ وہ نہاں خانہ یقین کی شراب چکھ لیتا ہے اور لذت ایمان سے آشنا ہوجاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کا عشق دنیا اور اسکی نعمتوں سے غذائے ایمانی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اور اب وہ غذائے جسمانی کا طالب نہیں رہتا اس طرح غذائے جسمانی میں کمی ہوجاتی ہے [توضیح اسکی یہ ہے کہ جسم کے اندر غذائے جسمانی کے لیے دو قسم کے تقاضے ہیں ایک تقاضائے طبیعت جس کو حق سبحانہٗ نے جسم میں اسلئے ودیعت رکھا ہے کہ وہ جسم کی اصلاح کرے اور بوقت ضرورت اس کے لیے غذا حاصل کرے جو کہ بدل ما یتحلل ہوکر تغذیہ و تنمیہ اعضا کرے اور دوسرا تقاضائے نفس جس کا منشا محض حرص، تلذذ و تنعم ہے پس جبکہ نفس غذائے روحانی سے آشنا ہوجاتا ہے تو اس کا تقاضائے غذائے جسمانی مضمحل ہوجاتا ہے اور صرف تقاضائے

طبیعت باقی رہ جاتا ہے وہ تقاضا بھی اس وقت ختم ہو جاتا ہے جبکہ بقدرت غذا اسکو مل جاتی ہے۔ پس اس طرح غذائے جسمانی میں کمی آ جاتی ہے] پس جبکہ یہ امر ذہن نشین ہوگیا کہ تو اے پیٹ بھرنے کے شائقو! تم کو یوں ہی ترقی کرنی چاہیئے اور اپنے نفس کو اولاً ایمان کی چاٹ لگانی چاہیئے۔ اور رفتہ رفتہ اسے ترقی دینی چاہیئے۔

کیونکہ وصول الی الحق کا صحیح رستہ یہی ہے کہ غذا کو بدلا جائے۔ اور اے مریض القلب لوگو! تم علاج کی طرف توجہ کرو اور اپنے مزاج کی اصلاح کرو۔ کیونکہ حاصل تمام تدبیروں کا یہی ہے کہ مزاج کو بدلا جائے اور طریق اس کا یہی ہے کہ غذائے جسمانی کو کم کیا جائے اور غذائے روحانی کو بڑھا دیا جائے گو ایسا کرنے میں تم کو زحمتیں پیش آئیں گی ـــــ مگر اے محبوسین رہن طعام یاد رکھو! کہ اگر تم نے ان شدائد کو برداشت کر لیا تو تم ہلاکت ابدی سے بچ جاؤ گے۔ دیکھو بھوکے رہنے سے روح کو بہت بڑی غذا ملتی ہے۔ پس اے غذائے روحانی سے وحشت کرنے والو! تم اسے طلب کرو۔ اور اسی کے امیدوار رہو۔ اور غذائے جسمانی کے انہماک کو چھوڑو تم آنکھ کی مانند ہو جاؤ اور نور سے غذا حاصل کرو۔ اور اس امر میں فرشتوں کے مثل ہو جاؤ اور اس طرح بہتر انسان کہلانے کے مستحق ہو جاؤ اور تم فرشتوں کی طرح تسبیح حق کو اپنی غذا بناؤ تاکہ جس طرح فرشتے نجاسات (ظاہرہ و باطنہ) سے پاک ہیں یونہی تم ہی نجاست (باطنہ) سے پاک ہو جاؤ۔ تم کو شاید یہ خیال ہو کہ غذائے جسمانی کو کم کر دینے سے ہماری قوت گھٹ جائے گی۔ مگر یہ تمہاری غلطی ہے قوت کا مدار کچھ مُردار خواری ہی پر نہیں ہے۔

دیکھو! جبریل اگر مُردار نہیں کھاتے تو وہ قوت میں کرگس سے کم نہیں ہیں

جوکہ مُردار کھاتا ہے ــــ تم اہل اللہ کی آہستہ رَوِی سے ان کے ضعف کا شبہ نہ کرنا اور یہ نہ کہنا کہ اگر ترک غذا سے ضعف نہیں ہوتا تو اس سے اُن کی رفتار سُست کیوں ہوجاتی ہے اسلیے کہ ہاتھی اگرچہ زمین میں آہستہ چلتا ہے مگر مچھر کے قابو سے باہر ہے جوکہ رٹاتے کے ساتھ گھومتا ہے۔

غرضکہ عالم میں حق سبحانہٗ کا عجیب لنگر جاری ہے۔ مگر افسوس! کہ پست ہمت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ اسکے اہل نہیں چنانچہ اگر تمام دنیا نعمتوں سے لبریز باغ ہوجائے تو سانپوں اور چوہوں کو کیا ان کی غذا تو خاک ہی رہے گی۔ اور خواہ موسم خزاں ہو یا موسم بہار۔ ان کے حصہ میں تو مٹی ہی ہے۔

اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ ارے لوگو! تمھیں کیا ہوگیا تم اشرف المخلوقات ہو تم سانپوں کی طرح مٹی (غذائے ناسوتی) کیوں کھاتے ہو۔ اس جملہ معترضہ کو بیان فرماکر مضمون سابق کو بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل دنیا کی حالت ایسی ہے جیسے لکڑی کا یا زمین کا یا گوہ کا کیڑا۔ یا کوا۔ کیونکہ لکڑی کے اندر کیڑا کہتا ہے کہ بھلا ایسے مزیدار غذا کسی کو مل سکتی ہے اور زمین کے اندر کیڑا کہتا ہے کہ دنیا میں بھی کسی نے ایسا حلوا نہیں کھایا جیسا میں کھاتا ہوں۔ اور گوہ کا کیڑا گوہ کے اندر رہتے ہوتے عالم بَر میں غذا بجُز گوہ کے جانتا ہی نہیں۔ اور کوا نجاست کے سوا اور کوئی غذا نہیں جانتا اور نجاست ہی اس کے لیے عزیز ہے۔

پس یہی حالت اہل دنیا کی ہے کہ وہ غذائے ناسوتی کے علاوہ جانتی ہی نہیں کہ کوئی اور بھی غذا ہے۔ بلکہ وہ انہی کو غذا سمجھتے ہیں۔ کلام کو یہاں تک پہنچا کر اب مولانا مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

مناجات
دعا

۵۳ اے خدائے بے نظیر ایثار کن
اے بے نظیر خدا! عنایت کردے
گوش را چوں حلقہ دادی زیں سخن
جبکہ تو نے اس کلام کا کان میں حلقہ پہنا دیا ہے

گوش ما گیر و بداں مجلس کشاں
ہمارا کان پکڑ اور اُس مجلس میں کھینچ
کز رحیقت میخورند ایں سر خوشاں
کیونکہ یہ مست تیری شراب پی رہے ہیں

چوں بما بوئے رسانیدی ازیں
جبکہ تو نے ہم تک اس کی خوشبو پہنچا دی ہے
سر مبند آں مشک را اے رب دیں
اے دین کے رب! اُس مشک کو بند نہ کر

۵۴ از تو نوشند از ذکور و از اناث
مذکر اور مؤنث تجھ ہی سے پی رہے ہیں
بے دریغی در عطا یا مستغاث
اے فریاد رس! تو عطیات میں بے روک ٹوک ہے

اے دعا نا گفتہ از تو مستجاب
اے وہ کہ نہ مانگی ہوئی دعا بھی تیری جانب سے قبول ہو
دادہ دل را ہر دمی صد فتح باب
تو نے ہر لمحہ دل کو سینکڑوں دروازوں کی کشادگیاں عطا کی ہیں

چند حرفے نقش کردی از رقوم
تو نے حروف میں سے چند حرف تحریر کیے
سنگہا از عشق او شد ہمچو موم
اس کے عشق سے بہت سے پتھر موم جیسے ہوگئے

نون ابرو صاد چشم و جیم گوش
ابرو کا نون، آنکھ کا صاد، کان کا جیم
بر نوشتی فتنۂ صد عقل و ہوش
تو نے لکھے ہیں جو سینکڑوں عقل و ہوش کیلئے فتنہ ہیں

زاں حروفت شد خرد باریک ریس
تیرے اُن حروف سے عقل دقیق النظر ہوگئی
نسخ میکن اے ادیب خوشنویس
اے خوشنویس ادیب! خوب لکھ

۵۵ در خور ہر فکر بستہ بر عدم
عدم پر ہر فکر کے مناسب قائم کر دیا ہے
دمبدم نقش خیال خوش رقم
ہر لمحہ، حسین خیالی نقش

حرفہائے طرفہ بر لوح خیال
خیال کی تختی پر عجیب حروف
بر نوشتہ چشم و ابرو خط و خال
آنکھ اور ابرو اور خط و خال کے لکھ دیئے ہیں

بر عدم باشم نہ بر موجود مست
میں عدم کا عاشق ہوں، نہ کہ موجود کا
زانکہ معشوق عدم وافی تر ست
کیونکہ عدم والا معشوق زیادہ وفادار ہے

عقل را خط خوان آں اشکال کرد
عقل کو اُن شکلوں کا پڑھنے والا بنا دیا
تا دہد تدبیرہا را زاں نورد
تاکہ ان کے بارے میں تدبیروں کو لپیٹ دے

---

۵۳ اے خدا۔ جب تو نے ہمیں توفیق عطا فرمائی ہے کہ ہم اسرار و حکم سن رہے ہیں تو پھر ہمیں اہل حال کی مجلس میں پہنچا دے۔ زیں سخن یعنی اسرار و حکم۔ رحیق۔ شراب۔ سر خوشاں مستاں۔ چوں۔ جب تو نے ہمیں اہل دل کی باتیں، سنا دی ہیں تو ان کو ہم سے مخفی نہ رکھ۔

۵۴ از تو۔ تیری عطا عام ہے تو ہمیں بھی محروم نہ کر اے خدا۔ تیری وہ ذات ہے کہ تو نہ مانگی ہوئی دعائیں بھی قبول فرما لیتا ہے اور دل کو سینکڑوں اسرار سے مانوس کر دیتا ہے۔ چند حرفے معشوقوں کے اعضاء چند حرفوں کے مشابہ ہیں "ن" ابرو کے، اور "ص" آنکھ کے، حلقہ کے، اور جیم کان کے، یہ حضرت حق کی کاریگری ہے کہ چند حرف اُس نے تحریر فرما دیئے جن کی تاثیر سے سنگدل عاشقوں کے دل موم ہو گئے ہیں۔ زاں۔ ان حروف کے ذریعہ عقل مصنوع سے صانع پر استدلال کرنے کے قابل ہوگئی۔ ریس۔ دقیق فکر۔

۵۵ در خور۔ انسان جس طرح حسی حروف سے مقاصد اور مطالب اخذ کرتا ہے اسی طرح خیالی حروف بھی ہیں جن سے انسان مطالب اخذ کرتا ہے اس کی لوح خیال پر چشم و ابرو کے نقش قائم ہیں۔

بر عدم۔ مولانا فرماتے ہیں کہ صورت خیال سے عاشق کا اتحاد تام ہوتا ہے اور وہ ناقابل زوال بنتا ہے اس لئے میں صورت حسی پر صورت خیالی کو ترجیح

تشبیہِ[۵۳] عقل بجبرئیلؑ ونظرِ او در غیب مانندِ نظرِ جبرئیلؑ در لوحِ محفوظ

عقل کی حضرت جبرئیلؑ سے مشابہت اور اس کی نظر کا غیب پر حضرت جبرئیلؑ کی طرح رہنا

چوں مَلک از لوحِ محفوظ آں خرد — ہر صباحے درس ہر روزہ برد

عقل فرشتہ کی طرح لوحِ محفوظ سے — ہر صبح کو ہر دن کا سبق حاصل کر لیتی ہے

بر عدم تحریرہا بیں با بیاں — واں سوادش حیرتِ سودائیاں

عدم میں وہ تحریریں دیکھ، باوجود بیان کے — اُن کی سیاہی دیوانوں کے لئے باعثِ حیرت ہے

ہر کسے شد بر خیالے ریش گاؤ — گشتہ در سودائے گنجے گنج گاؤ

ہر شخص ... خیال میں احمق بنا ہوا ہے — خزانے کے خیال میں گنج گاؤ بنا ہوا ہے

از[۵۵] خیالے گشتہ شخصے پُرشکوہ — روئے آوردہ بمعدنہائے کوہ

ایک شخص خیال کی وجہ سے پُرشکوہ ہے — پہاڑ کی کانوں کی جانب رُخ کئے ہوئے ہے

وز خیالے آں دگر با جہدِ مُر — رُو نہادہ سوئے دریا بہرِ دُر

دوسرا ایک خیال کی وجہ سے تلخ کوشش کے ساتھ — موتیوں کے لئے دریا کی جانب رُخ کئے ہوئے ہے

واں دگر بہرِ ترہب در کنشت — واں یکے اندر حریصی سوئے کِشت

دوسرا رہبانیت کے لئے گرجا گھر میں ہے — دوسرا حرص میں کھیتی (باڑی) کی جانب ہے

از خیال آں رہزنِ رستہ شدہ — وز خیال ایں مرہمِ خستہ شدہ

وہ خیال کی وجہ سے بازار کا ڈاکو بنا — اور یہ خیال کی وجہ سے زخمی کا مرہم بنا ہوا ہے

در پری خوانی یکے دل کردہ گم — بر نجوم آں دیگرے بنہادہ سُم

ایک نے حاضرات میں دل کو گم کر دیا ہے — دوسرے نے ستاروں پر قدم رکھا ہے

آں یکے در کشتی از بہرِ رباح[۵۶] — آں یکے با فسق و دیگر با صلاح

ایک نفع کے لئے کشتی میں ہے — ایک فسق میں ہے اور دوسرا نیکی میں

ایں روشہا مختلف بیند بروں — زاں خیالاتِ ملوّن ز اندروں

باہر یہ مختلف روشیں نظر آتی ہیں — اندر کے رنگا رنگ خیالات کی وجہ سے

ایں دراں حیراں شدہ کاں بر چہ ست — ہر چخندہ آں دگر را نافی ست

یہ اس میں حیران ہے کہ یہ (خیالات) کس بنا پر ہیں — ہر چخنے والا دوسرے کا منکر ہے

آں خیالات ار نبد نامؤتلف — چوں بیروں شد روشہا مختلف

اگر یہ خیالات مختلف نہیں ہیں — تو بیرونی روشیں کیوں مختلف ہیں

قبلۂ جاں را چو پنہاں کردہ اند — ہر کسے رُو جانبے آوردہ اند

چونکہ انھوں نے جان کے قبلہ کو چھپا دیا ہے — ہر شخص ایک جانب کو منہ کئے ہوئے ہے

---

۵۳ تشبیہ۔ جس طرح حضرت جبرئیلؑ لوحِ محفوظ سے پڑھتے ہیں اسی طرح عقل بھی غیب سے پڑھتی ہے اور روزانہ سبق حاصل کرتی ہے۔ تحریرہا۔ پردۂ غیب میں جو تحریریں ہیں مشتاق لوگ ان سے مطالب اخذ کرتے ہیں اور انکی سیاہی میں حیران رہتے ہیں۔ گنجِ گاؤ۔ ایک خزانہ کا نام ہے جو بہرام شاہ کو زمین میں مدفون ملا تھا۔

۵۵ از خیالے۔ مختلف خیالات کی بنا پر جو کوششیں ہیں ان کا ذکر ہے۔ وز خیالے۔ کوئی شخص موتی کی صورتِ خیالیہ کی بنا پر دریا سے اس کا جویاں ہے۔ ترہب۔ رہبانیت اختیار کرنا یعنی دنیاوی لذتوں کو ترک کرکے گرجا گھر میں بیٹھ جانا... کنشت۔ یعنی نصاریٰ کا عبادت خانہ۔ رستہ۔ بازار۔ پری خوانی۔ ایسے عمل کرنا جس سے بھوت اور پریاں حاضر ہو جاتی ہیں اس کو حاضرات کہا جاتا ہے۔

۵۶ رباح۔ نفع۔ نافی۔ منکر۔ حیراں۔ یعنی ہر شخص دوسرے کے خیالات پر تعجب کا اظہار کرتا ہے۔ آں۔ چونکہ ہر انسان کا خیال جداگانہ ہے اس لئے ہر شخص کا عمل بھی مختلف ہے۔ نامؤتلف۔ مختلف۔ قبلۂ جاں۔ انسانوں نے عقل سے صحیح کام نہیں لیا اس لئے مقصودِ حقیقی مخفی ہو گیا اور ہر شخص نے اپنی خواہش کے مطابق قبلہ کا ایک رُخ تجویز کرکے اس کی طرف منہ کر لیا ہے۔

تمثیل[1] روشہائے مختلف و وہمہائے گوناگوں باختلاف تحری متحریاں در وقتِ نماز قبلہ را بوقتِ تاریکی و تحری غواصاں در قعرِ بحر

مختلف روشوں اور مختلف قسم کے وہموں کی اندھیرے میں نماز کے وقت قبلہ کی اٹکل کرنے والوں کی اٹکل کے اختلاف سے اور غوطہ زنوں کی سمندر کی تہ میں اٹکل سے مثال

ہمچو قومے کہ تحری میکنند
جس طرح لوگ اٹکل کرتے ہیں

بر خیالِ قبلہ ہر سُو می تنند
قبلہ کے خیال سے ہر جانب کو رُخ کرتے ہیں

چونکہ[1] کعبہ رُو نماید صبح گاہ
جب صبح کو قبلہ رُونما ہوتا ہے

کشف گردد کہ گم کردہ ست راہ
واضح ہو جاتا ہے کہ کس نے غلطی کی ہے

یا چو غواصاں بزیرِ قعرِ آب
یا جس طرح غوطہ زن پانی کی گہرائی کے نیچے

ہر کسے چیزے ہمی گیرد شتاب
ہر شخص جلدی سے ایک چیز پکڑ لیتا ہے

بر امیدِ گوہر و دُرِ ثمیں
جوہر اور قیمتی موتی کی اُمید پر

توبرہ پُر میکنند از آن و ایں
اُس اور اِس سے تھیلی بھر لیتے ہیں

چوں بر آیند از تگِ دریا ژرف
جب گہرے دریا کی تہ سے باہر آتے ہیں

کشف گردد صاحبِ دُرِ شگرف
عجیب موتی والا واضح ہو جاتا ہے

واں دگر کہ بُرد مروارید خُرد
اور وہ جس نے چھوٹا موتی حاصل کیا ہے

واں دگر کہ سنگریزہ و شبہ بُرد
اور وہ جس نے پتھری اور پوت حاصل کیا ہے

هٰكَذَا نَبْلُوهُمْ بِالسَّاهِرَةْ[2]
اسی طرح ہم ان کو میدان میں آزمائیں گے

فِتْنَةً ذَاتَ افْتِضَاحٍ قَاهِرَةْ
آزمائش میں جو زبردست رسوائی والی ہوگی

ہمچنیں ہر قوم چوں پروانگاں
اسی طرح ہر قوم پروانوں کی طرح

گردِ شمعے پَر زناں اندر جہاں
دنیا میں ایک شمع کے چاروں طرف پرواز کر رہی ہے

خویشتن بر آتشے بر میزند
اپنے آپ کو ایک آگ پر پھینک رہی ہے

گردِ شمعِ خود طوافے می کنند
اپنی شمع کے گرد طواف کر رہی ہے

بر امیدِ آتشِ موسیٰ بخت
نصیبے کے موسیٰؑ کی آگ کی اُمید پر

کز لہیبش سبز و تر گردد درخت
جس کی لپٹ سے درخت زیادہ سرسبز ہو جاتا ہے

فضلِ آں آتش شنیدہ ہر رمہ[3]
ہر جماعت نے اُس آگ کی فضیلت سُن لی ہے

ہر شرر را آں گماں بُردہ ہمہ
سب نے اِس چنگاری کو وہ سمجھا ہے

---

[3] تمثیل. حقیقی مقصد مخفی ہو جانے کی صورت میں لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ قبلہ کی حقیقی سمت معلوم نہ ہونے کی صورت میں ہر شخص ایک ایک جانب کو نماز پڑھتا ہے یا مختلف غوطہ خور موتی کے لئے مختلف سمتوں میں غوطہ لگاتے ہیں۔

[1] چونکہ۔ جب صبح کو قبلہ رُونما ہوتا ہے تو ہر شخص کو غلطی کا احساس ہوتا ہے اسی طرح لوحِ محفوظ کا مکتوب جب واضح ہوگا تو غلط اندیشوں کو غلطی کا احساس ہوگا۔ دُرِ ثمین قیمتی موتی۔ توبرہ۔ تھیلا۔ ژرف۔ گہرا۔ شگرف۔ عجیب۔

[2] ساہرہ۔ روئے زمین، میدان۔ افتضاح۔ رسوا ہو جانا۔ شمعے یعنی مقصود۔ موسیٰ۔ حضرت موسیٰؑ کو خدا کی تجلی ایک درخت پر آگ کی صورت میں نظر آئی تھی۔ لہیب۔ لپٹ۔

[3] رمہ۔ جماعت۔ آں یعنی نورِ موسوی۔ تو ظلور ساہدی نور۔ شمعِ ظفر یعنی عشقِ خداوندی۔

چوں برآید صبحدم نورِ خلود — وانماید ہر یکے چہ شمع بود
جب صبح کو ہمیشگی کا نور ظاہر کرے گا — ہر شخص دیکھ لے گا کہ کیا شمع تھی

ہر کرا پر سوخت زاں شمعِ ظفر — بدہدش آں شمع خوش ہفتاد پر
جس کے اُس کامیابی کی شمع سے پر جلے ہیں — اُس کو وہ شمع ستر اچھے پر دیدے گی

جوقِ[1] پروانہ دو دیدہ دوختہ — ماند زیرِ شمعِ بد پر سوختہ
دونوں آنکھیں بند کئے ہوئے پروانوں کی جماعت — بُری شمع کے نیچے پر جلی ہوئی رہ جائے گی

می طپد اندر پشیمانی و سوز — میکند آہ از ہوائے چشم دوز
وہ سوزش اور شرمندگی میں تڑپے گی — آنکھیں سی دینے والی خواہش نفسانی سے آہ کرے گی

شمعِ او گوید کہ چوں من سوختم — کے ترا برہانم از سوز و ستم
اُس کو شمع کہے گی جبکہ میں جل گئی — میں تجھے سوزش اور ستم سے کیسے رہائی دوں!

شمعِ او گریاں کہ من سر سوختہ — چوں[2] کنم من غیر را افروختہ
اُس کی شمع روئے گی کہ میں سر جلی — دوسرے کو کیا روشن کروں؟

در تفسیر آیت یا حسرۃً علی العباد
"بندوں پر حسرت ہے" آیت کی تفسیر

او ہمی گوید کہ از اشکالِ تو — غرہ گشتم دیر دیدم حالِ تو
وہ کہے گا کہ تیری صورت سے — میں دھوکا کھا گیا میں نے تیری حالت دیر میں دیکھی

شمع مردہ بادہ رفتہ دلربا — غوطہ خورد از ننگ کژبینیِ ما
شمع مر کر جل گئی، دل رُبا نے — غوطہ مار لیا، ہماری کج بینی کی ذلت سے

ظلّت الارباح خسراً مغرماً — تشتکی شکوی الی اللہ العمی
منافع گھونٹ والا نقصان بن گئے — اندھے پن کا، اللہ سے شکوہ کرتا ہے

حبّذا[3] ارواحِ اخوانِ ثقات — مسلمات مؤمنات قانتات
ثقہ بھائیوں کی روحیں قابلِ مبارکباد ہیں — مسلمان ہیں، مومن ہیں، دعا کرنے والی ہیں

ہر کسے روئے بسوئے بردہ اند — واں عزیزاں رو بہ بےسو کردہ اند
ہر شخص نے ایک جانب رخ کیا ہے — وہ با عزت ہیں جنھوں نے بے رخ کی جانب رخ کیا ہے

ہر کبوتر می پرد در مذہبے — ویں کبوتر جانبِ بے جانبے
ہر کبوتر ایک راستہ پر پرواز کرتا ہے — یہ کبوتر بے جانب کی جانب پرواز کرتا ہے

ہر عقابے می پرد از جا بجا — ویں عقاباں راست بیجائی سرا
ہر باز ایک جگہ سے دوسری جگہ پرواز کرتا ہے — ان بازوں کی سرائے لامکانی ہے

ما نہ مرغانِ ہوائے خانگی — دانۂ ما دانۂ بے دانگی
ہم نہ ہوائی پرند ہیں، نہ پالتو — ہمارا دانہ، بے دانگی کا دانہ ہے

[1] جوق۔ جو لوگ عقلِ سلیم سے کام نہیں لیں گے اور شیطان کے فریب خوردہ ہونگے وہ گم گشتہ راہ ہونگے۔ تیکند۔ جو آنکھیں بند کر کے شہوات میں مبتلا ہو گئے ہیں وہ آہیں بھرینگے۔ شمعِ او گوید۔ یعنی باطل معبود اُن سے برأت کرینگے۔

[2] چوں کنم۔ باطل معبود خود عذاب میں ہونگے وہ دوسروں کو کیا بچا سکیں گے۔ آگ باطل پرست۔ شمع۔ یعنی باطل معبود منہ چھپائیں گے۔ ظلت۔ توقع نفع نقصان ثابت ہوگا اور یہ لوگ اپنے اندھے پن کا شکوہ کرینگے۔

[3] حبذا۔ مومنین کی روحیں مسلمات ہوں گی۔ واں عزیزاں جو لوگ حق پرست ہیں اور انہوں نے اپنا رخ ذاتِ منزہ کی طرف کیا ہے وہ با عزت ہونگے۔ ویں کبوتر۔ یہ وہ روحیں ہیں جو مومنات ہیں۔ بےجانبے۔ یعنی ذاتِ حق جو جہت سے منزہ ہے۔ ہر عقابے ہر ایک کا ایک جانب کو رخ ہے لیکن اخوانِ صفا کا مکان لامکان ہے۔ آخر۔ وہ یہ کہتے ہیں۔

زانِ[1] فراخ آمد چنیں روزیِ ما — کہ دریدن شد قبادوزیِ ما

اسی لئے ہماری روزی اس قدر فراخ ہے — کہ ہمارا پھاڑنا قبا کو سینا ہے

دربیانِ آنکہ فرجی را چرا فرجی نام نہادند اوّل

اِس کا بیان کہ شروع میں فرجی کو فرجی کیوں کہا گیا

صوفئے بدرید جُبّہ در حرج — پیشش آمد بعد بدریدن فرج

ایک صوفی نے تنگی میں جُبّہ پھاڑ ڈالا — پھاڑنے کے بعد اُس کو فراخی میسر آ گئی

کردہ نامِ آں دریدہ فرجی[2] — ایں لقب شد فاش زاں مردِ نجی

اُس نے اُس پھٹے ہوئے (جبّہ) کا نام کشادگی والا رکھ دیا — اُس برگزیدہ کی وجہ سے یہ نام مشہور ہو گیا

ایں لقب شد فاش و صافش شیخ برد — ماند اندر طبعِ خلقاں حرفِ دُرد

یہ لقب مشہور ہو گیا اور اُس کی حقیقت شیخ لے گیا — لوگوں کی طبیعت میں حرفِ تلچھٹ باقی رہ گئی

ہمچنیں ہر نامِ صافی داشتست — اسم را چوں دُردی بگذاشتست

اسی طرح ہر نام جو صفائی رکھتا تھا — اُس نے نام کو تلچھٹ کی طرح چھوڑا

ہر کہ گلخوارست[3] دُردی را گرفت — رفت صوفی سوئے صافی ناشگفت

جو مٹی کھانے والا ہے اُس نے تلچھٹ لے لی ہر — صوفی صاف کی جانب تعجب کے بغیر چلا گیا

گفت لابد دُرد را صافی بُود — زیں دلالت دل بصفوت میرود

صوفی نے کہا، تلچھٹ کے لئے صفائی لازمی ہے — اِس رہنمائی سے دل صفائی کی جانب جاتا ہے

دُردِ عُسر افتاد و صافش یُسرِ او — صاف چوں خرما و دُردی بُسرِ او

تنگی تلچھٹ ہے اُس کا صاف اُس کی کشادگی ہے — صاف خرما کی طرح ہے اور تلچھٹ اُس کا کچا ہے

عُسر با یُسرست ہیں آیس مباش — راہ داری زیں ممات اندر معاش

تنگی کشادگی کے ساتھ ہے خبردار! مایوس نہ ہو — اِس موت سے تو زندگی میں راستہ پاتا ہے

صاف خواہی جُبّہ بشگاف اے پسر — تا ازاں صفوت برآری زود سر

اے بیٹا! اگر تو صاف چاہتا ہے جُبّہ کو پھاڑ دے — تاکہ اُس میں سے جلد صفائی ظاہر ہو جائے

---

[1] زاں۔ مشہور مقولہ ہے کہ گھر کھودنے سے ایندھن فراواں ہو جاتا ہے اور قبا چاک کر دینے سے روزی فراواں ہو جاتی ہے اُس کے استر ابرے وغیرہ کو فروخت کر کے گذارا کیا جاسکتا ہے، یعنی اَسبابِ ظاہری کو ختم کر دینے سے اللہ پر توکل ہو جاتا ہے۔ وَمَن یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔ دربیان۔ جُبّہ کو شروع میں فرجی اسلئے کہا گیا کہ ایک فقیر نے اپنا جبّہ پھاڑ کر فروخت کر دیا اور اُس سے اُس کو فراخدستی حاصل ہو گئی یعنی اُس نے وجودِ ظاہری کو فنا کیا تو اُس کو جاودانی بقا حاصل ہو گئی اِس لئے اُس نے پھٹے ہوئے جبّہ کا نام فرجی یعنی کشادگی والا رکھ دیا۔ حرج۔ تنگی۔ فرج۔ کشادگی۔

[2] فرجی۔ یعنی اُس جبّہ کا نام کشادگی والا پڑ گیا کیونکہ اُس کے پھٹنے سے اُس فقیر کو کشادگی حاصل ہوئی تھی۔ فاش۔ مشہور۔ دُرد۔ تلچھٹ۔ ہمچنیں۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ابتداءً کوئی نام کسی حقیقت کی بنیاد پر رکھا جاتا ہے، لیکن پھر اُس نام میں سے حقیقت گم ہو جاتی ہے اور صرف لفظ رہ جاتے ہیں۔

[3] گلخوار۔ یعنی دنیا پرستوں نے مجاز کو اختیار کر لیا اور حقیقت تک نہ پہنچے حقیقت پرست صوفی حقیقت تک پہنچ گیا۔ گفت۔ مجاز پرست کہتا ہے کہ مجاز میں حقیقت پنہاں ہے۔ صفوت۔ نیز صاف۔ عُسر۔ مجاز کی مثال تنگی اور کچی کھجور کی سی ہے اور حقیقت کی مثال یُسر اور پکی کھجور کی ہے۔ ہر عسر تنگی کے بعد یُسر اور سہولت میسر آتی ہے۔ ممات۔ فنا کے بعد ہی بقا حاصل ہوتی ہے۔ صاف۔ اگر تو چاہتا ہے کہ حقیقت تک پہنچے تو ظاہر پرستی اور تن پروری چھوڑ دے بہت جلد حقیقت تک پہنچ جائے گا۔

هست[1] صوفی آنکہ شد صفوت طلب | نہ لباسِ صوف و خیاطی و دب
صوفی وہ ہے جو صفائی کا طالب ہو | نہ کہ اون کا لباس اور سینا اور نقش

صوفیی گشتہ بہ پیشِ ایں لئام | الخیاطۃُ واللواطۃُ والسلام
ان کمینوں کے لئے صوفی ہونا بن گیا ہے | سینا اور اغلام، والسلام

بر خیالِ آں صفا و نامِ نیک | رنگ پوشیدن نکو باشد ولیک
صفا کے خیال اور بھلے نام کی وجہ سے | رنگین پہننا اچھا ہوگا لیکن

بر خیالش گر روی تا اصلِ او | ہمچناں کہ گربہ سوئے ناں بو
اگر اس کے خیال سے تو حقیقت کی طرف جائے | جس طرح کہ بلی خوشبو کے ذریعہ روٹی کی جانب

بو[2] قلاووز است اے جویائے عشق | نے ز بوئے یعقوب شد بینائے عشق
اے عشق کے تلاش کرنے والے! بو رہبر ہے | کیا بو کی وجہ سے حضرت یعقوب عشق کے بینا نہیں ہوئے

دور باشِ غیرت آمد خیال | گرد بر گردِ سراپردہ جلال
دورباش خیال تیرے لئے دوشاخہ نیزہ ہے | جلال کے پردے کے ارد گرد ہے

بستہ ہر جوئندہ را کہ راہ نیست | ہر خیالش پیش می آید کہ بیست
جس نے ہر تلاش کرنے والے کو باندھ دیا ہے کہ راستہ نہیں ہے | ہر خیال اس کے سامنے آجاتا ہے کہ ٹھہر جا

جز مگر آں تیز گوش و تیز ہوش | کش بود از جیشِ نصرتہاش جوش
سوائے اس تیز کان والے اور تیز ہوش والے کے | جس کو مددوں کے لشکر سے جوش حاصل ہے

بجہد[3] از تخییلہا بے شہ شود | تیرِ شہ بنماید و بیروں رود
وہ تخیلات سے نکل جاتا ہے بغیر رکے بڑھ جاتا ہے | شاہی تیر دکھاتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے

ہر کرا در دست تیرِ شہ بود | راہ یابد تا بمنزل می رود
جس کے ہاتھ میں بادشاہ کا تیر ہو | راستہ پا لیتا ہے منزل تک چلا جاتا ہے

[1] ہست۔ تصوف محض کمبل پوشی اور پیوند در پیوند گدڑی اور اس کو منقش کرنے کا نام نہیں ہے۔ لئام کمینے۔ لواطت۔ اغلام۔ بر خیال۔ نیکی تک پہنچنے کے لئے نیکوں کا لباس اختیار کرنا مفید ہے لیکن محض لباس اختیار کر لینا اور بدوں کے سے کام کرنا برا ہے۔ ہمچناں۔ نشانات سے منزلِ مقصود تک پہنچنا چاہیے، محض نشان حاصل کرنا کافی نہیں ہے۔

[2] بو۔ کسی چیز کی خوشبو سے اس چیز تک پہنچا جا سکتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کی خوشبو سے عشق کے بینا بنے اور ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ دورباش۔ وہ دوشاخہ نیزہ جو چوبدار بادشاہوں کے آگے لیکر لوگوں کو ہٹاتا ہوا چلتا ہے یعنی مجاز میں پھنسنا اور مجازی خیال خدا کی غیرت کا دورباش ہے جو انسان کو اس کے سامنے سے ہٹا دیتا ہے۔ بستہ۔ یہ خیال حقیقت تک نہیں پہنچنے دیتا ہے۔ بجز۔ توفیقِ خداوندی جن کا ساتھ دیتی ہے وہ مجاز سے حقیقت تک پہنچتے ہیں۔

شرح چونکہ اوپر مولانا نے غذائے روحانی کی تفصیل بیان فرمائی تھی اسلئے اب اس کی درخواست کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے خدائے بے نظیر! جب کہ تو نے اس گفتگو کو ہمارا حلقہ گوش کیا ہے اور ہمارے کانوں تک پہنچایا ہے تو اب تو بخشش کر اور ہمارا کان پکڑ کر بقسر ہم کو اس مجلس تک پہنچا دے جس میں یہ مست لوگ (اہل اللہ) تیری

وہ شراب یعنی شراب ایمانی پیتے ہوں تاکہ ہم کو بھی اس شراب کا کچھ حصہ مل جائے ۔ اور جبکہ تو نے اس مشک (ایمان) کی خوشبو ہم تک پہنچائی ہے اور اسکی صفت ہم کو معلوم کرائی ہے تو اب اس کے ڈبہ کو بندمت کر - اور اس سے ہم کو مستفید کر - کیونکہ آپ بڑے دینے والے ہیں چنانچہ کیا مذکر کیا مؤنث ـ سب کو آپ بے دریغ دیتے ہیں اور وہ سب آپ ہی کا دیا کھاتے ہیں آپ بے مانگے دیتے ہیں اور قلوب عارفین پر ہر دم علوم و معارف کے سینکڑوں دروازے کھولتے ہیں اور آپ نے کتنے ہی ایسے عمدہ حروف ان کے لوح قلب پر نقش کئے ہیں ـ جن سے سنگیں دلوں کا دل بھی موم ہو گیا اور آپنے ایسے نون ابرو و صاد چشم و جیم گوش (معارف نفیسہ) اس تختی پر لکھے ہیں جنہوں نے سینکڑوں عقل و ہوش کو مفتون کر لیا ـ

اور جن سے عقل باریک بین رخصت ہوگئی پس اے خوشنویس ادیب وہ پاکیزہ و ہوش ربا ہمارے لوح قلب پر بھی لکھئے ـــــ اور جس طرح آپ نے علوم و معارف کو قلوب اہل اللہ پر القاء فرمایا ہے یونہی ہمارے قلب پر بھی القاء فرمائیے چونکہ مناجات میں تحریر نقوش کا تذکرہ تھا - اسلئے مولانا اس تحریر کے متعلق.. مفصل گفتگو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ـ

کہ حق سبحانہٗ ہر دم، ہر فکر کے مناسب اس کے غیر محسوس لوح پر - نفیس نفیس نقوش و صور ذہنیہ منقش فرماتے ہیں اور اس لوح خیال پر عجیب عجیب حروف تحریر فرماتے ہیں ـ جو باوجود نفیس حس میں مشترک ہونے کے چشم و ابرو و خط و خال کی طرح خصوصیات حس میں مختلف ہوتے ہیں - میں ان صور غیر محسوسہ کی اسلئے تعریف کرتا ہوں کہ میں غیر محسوس پر عاشق ہوں نہ کہ محسوس پر - اسلئے کہ غیر محسوس معشوق میں وفا اور پائیداری زیادہ ہے بہ نسبت محسوس کے - و ہو ظاہر خیر! یہ تو جملہ معترضہ تھا - اب ہم اصل مضمون بیان کرتے ہیں اور کہتے

ہیں کہ اُس نے لوحِ خیال پر صورِ ذہنیہ مرتسم کیں اور عقل کو ان کا پڑھنے والا اور مدرک بنایا۔ تاکہ وہ ان کو پڑھ کر تدبیرات میں ان کے مناسب تصرف کر سکے

اور جس طرح فرشتے لوحِ محفوظ سے احکام روزانہ معلوم کرتے ہیں یوں ہی وہ اس لوحِ خیال سے ہر صبح کے وقت ہر روز کا سبق پڑھ لیتے ہیں یعنی ان امور کو معلوم کر لیتے ہیں جو اس کو ہر روز کرتے ہیں (ہر صباحی درس اور ہر روز کے قیود لازمی نہیں کیونکہ نہ یہ ضرور ہے کہ عقلی امور کو صبح ہی کے وقت سوچے اور نہ ہی یہ ضرور ہے کہ ہر روز سوچے اور نہ یہی کہ تمام دن کے کام سوچے پس یہ قیود اتفاقیہ ہیں) ۔ تم دیکھو کہ لوحِ غیر محسوس پر کیسے واضح حروف لکھے ہوئے ہیں ۔جس کی سیاہی کی خوبی سے اہلِ خیال متحیر اور اس پر فریفتہ ہیں ۔ چنانچہ ہر شخص ایک خیال کو پلٹا ہوا ہے اور اس کی بنا پر ایک خزانہ کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کی کھوج میں لگا ہوا ہے مثلاً ایک شخص ایک خیال کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر پہاڑ کی کانوں میں سونے چاندی کی تلاش میں جاتا ہے ۔ دوسرا شخص دوسرے خیال کے سبب پوری کوشش سے موتیوں کی خاطر دریا کی طرف چلا ہے ۔ تیسرا شخص راہب بن کر گرجا میں بیٹھا ہے ۔ چوتھا حرص کی بنا پر اپنے کسب میں لگا ہے پانچواں محض خیال کی بنا پر لوگوں پر ڈاکہ ڈالتا ہے ۔ چھٹا شخص محض خیال کی بنا پر ایک مجروح کا مرہم اور ایک مبتلائے رنج کے لئے موجبِ راحت ہے ۔ ساتواں شخص عملیات پر دل کھوئے ہوئے ہے ۔ آٹھواں نجوم پر قدم جمائے ہوئے ہے نواں منافع کے لیے کشتی پر سوار ہے ۔ دسواں فسق میں مبتلا ہے گیارہواں نیک ہے ۔ پس یہ مختلف روشیں جو عالم بیرونی و اندرونی رنگا رنگ خیالات کے سبب دیکھتا ہے یعنی جو مساعی شتی اس عالم میں ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ اپنے خیالات مختلفہ کا اثر ہیں ۔ اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کی رَوِش میں حیران ہے اور کہتا

ہے کہ یہ شخص یہ کام کیوں کرتا ہے اس کو یہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ وہ کرنا چاہیئے جو میں کرتا ہوں اور جو شخص جسکام کو اچھا سمجھتا ہے وہ اسی کو مانتا ہے اور دوسرے کاموں پر انکار کرتا ہے ——— پس یہ دلیل ہے اختلاف خیالات کی۔ کیونکہ اگر خیالات مختلف نہ ہوتے تو روشوں میں یہ تضاد کیوں کر ہوتا ۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ لوگ مختلف الخیال ہیں ۔ تو اس سے یہ معلوم ہُوا کہ اس حالت میں ان کی ایسی مثال ہے ———

جیسے سمت قبلہ نا معلوم ہوتی ہے تو لوگ تحرّی کرتے ہیں اور ہر شخص بدیں خیال کہ قبلہ ادھر ہے ایک ایک طرف رُخ کرلیتا ہے مگر جب صبح ہوجاتی ہے اور کعبہ ظاہر ہوجاتا ہے تو اس وقت انہیں معلوم ہوجاتا ہے کہ کون غلطی پر تھا ۔ یا مثلاً ہر غوطہ زن پانی کے نیچے کچھ نہ کچھ جلدی سے اٹھالیتا ہے اور بیش بہا موتی کی توقع میں جو کچھ ہاتھ لگتا ہے اسی سے توبرہ پُر کرلیتا ہے لیکن جب وہ اس گہرے دریا کی تہہ سے باہر آتے ہیں اس وقت وہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے جسے بڑا موتی ملا اور وہ بھی جسے چھوٹا موتی ملا اور وہ بھی جسے کنکر اور پوتیہ ملی ۔ کیونکہ مطلوب تو ان سے مخفی رہا اور ہر ایک نے اپنے گمان کے موافق اٹھالیا پس جس طرح ظہور صبح کے بعد متحریانِ قبلہ اور دریا سے نکلنے کے بعد غواصین کا امتحان ہوتا ہے یوں ہی حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کا زمین حشر میں زبردست امتحان لیں گے جو بہت سوں کے لئے رُسوائی بخش ہوگی کیونکہ اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ جس کو ہم قبلہ و مقصود سمجھے ہوئے تھے وہ حقیقت میں ایسا نہ تھا اور جس کو ہم گوہر شاہوار خیال کرتے تھے وہ گوہر شاہوار نہ تھا ۔ نیز جس طرح شب تاریک میں متحریان قبلہ ایک ایک جہت کو قبلہ سمجھے ہوئے ہیں اور غواصین جو کچھ ان کے ہاتھ آتا ہے اس کو موتی سمجھ کر توبرہ میں بھرتے ہیں ۔

یوں ہی تمام لوگ پروانوں کی طرح دنیا میں ایک شمع مقصود کے گرد اُڑ رہے

ہیں اور اس خیال سے اپنے کو آگ سے ٹکراتے اور اپنی شمع مقصود کے گرد طواف
کرتے ہیں کہ یہ ہمارے موسائجنت کی مطلوب آگ ہے۔ جس کے شعلہ سے ہماری...
امیدوں کے خشک درخت... ہرے بھرے ہوجائیں گے۔ ان لوگوں نے حقیقی آتش
موسائجنت (مقصود حقیقی) کی چھوٹی مستی ہے اور ہر شرر کو وہ ہی آگ سمجھ لیا ہے
یعنی جس نے جس چیز کے اندر خوبی مشاہدہ کی اسکو مطلوب حقیقی خیال کرکے اس کے
پیچھے ہولیتا ہے۔ لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے اسلئے جب یہ شب ظلمانی یعنی دنیائے
فانی ختم ہوگی اور بوقت صبح قیامت نور بقا جلوہ گر ہوگا۔ اس وقت ہر شخص کو معلوم
ہوگا کہ وہ کیسی شمع تھی۔ جس پر وہ فریفتہ تھا اس وقت بعض کو معلوم ہوگا کہ وہ
شمع تھی جس کی طلب کی تھی۔ اور اسی کی طلب میں انہوں نے اپنے قویٰ جسمانیہ کو
صرف کیا تھا۔ ایسے لوگوں کو وہ شمع ظفر (حق سبحانہٗ) ان سوختہ پروں اور صرف کی
ہوئی قوتوں کے معاوضہ میں بکثرت اُن سے بہتر پر اور قویٰ عطا کرے گی۔ اور بہت
سے پروانے اندھے ہوں گے۔ جو بری شمعوں کے نیچے پر جلے پڑے ہوں گے یعنی انہوں
نے اشیاء غیر مطلوبہ فی نفس الامر کے لئے اپنے قوٰے کو صرف کیا ہوگا یہ لوگ پشیمانی
اور سوز و رفتنے سے تڑپتے ہوں گے اور آنکھ بند کردینے والے خواہش نفسانی کے ہاتھ
سے فریاد کرتے ہوں گے اور ان کی شمعیں بزبان حال کہتی ہوں گی کہ جبکہ ہم خود ہی جلی
ہوئی ہیں تو تمہیں جلن سے کیونکر رہائی دے سکتی ہیں اور وہ روکر کہتی ہوں گی کہ
ہمارا سر تو خود ہی جلا ہوا ہے۔ اس لیے ہم خود روشن نہیں ہوسکتیں تو ہم تمہیں
کیونکر روشن کرسکتی ہیں یعنی ہم خود ناقص اور عاری عن الکمال ہیں۔ پھر ہم...
تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔

ان کے جواب میں یہ لوگ کہتے ہوں گے کہ ہمیں تمہارے اشتباہ بالمقصود الحقیقی
سے دھوکا ہوا۔ اور افسوس ہے کہ ناوقت تمہاری حقیقت کھلی کیونکہ شمع گل

ہو چکی ہیں شراب ختم ہو چکے ہیں ۔ محبوب ہماری غلط بینی کی عار سے محجوب ہو چکا ہے
یعنی اب مطلوب کا ملنا ناممکن ہو گیا ہے اور ہمارے منافع خسران ہو چکے ہیں اس
وقت ہم اپنے اندھے پن کی خدا سے شکایت کرتے ہیں ۔
اب مولانا فرماتے ہیں کہ بڑے اچھے ہیں ہمارے معتمد بھائیوں ۔ اہل اللہ کی
روحیں کہ وہ مسلمان اور مومن اور عابد ہیں اور دیگر لوگوں نے تو اپنا رُخ ایک ایک
جانب کر رکھا ہے مگر وہ حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہیں جو کہ ازجہات ہیں اور دیگر
کبوتر... ایک ایک خاص سمت میں جا رہے ہیں مگر یہ لوگ اس طرف جا رہے ہیں
جس کے لئے کوئی جہت نہیں اور دوسرے تمام عقاب ایک جگہ سے دوسری جگہ
اُڑ کر جا رہے ہیں لیکن یہ عقاب ایسی جگہ جا رہے ہیں جو فی الحقیقت کوئی جگہ
یا گھر نہیں ہے یعنی عالم غیب کی طرف ۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نہ ہوائی جانور ہیں نہ خانگی
جو طالب جہت یا مکان ہوں اور ہماری غذا تو عدم الغذا ہے ۔ دون الجوع طعام
الصدیقین ۔ رہی یہ بات کہ اس قدر فراخ ہماری روزی کیوں ہے اسکی وجہ یہ ہے
کہ ہماری طبیعت تمہارے خلاف ہے کیونکہ دریدن قبا، ہمارے حق میں قبا دوزی ہے
اور جو شئے ہمارے لیے موجب فساد ہے وہ ہمارے لیے موجب اصلاح ہے پس
جبکہ تمہاری طبیعتوں میں اختلاف ہے تو اس کے آثار میں یہی اختلاف ہوگا ۔
پس اسے جو چیز تمہاری غذا ہوگی ہماری غذا اس کے خلاف ہوگی ۔ پس چونکہ..
تمہاری غذا دانہ ہے اسلئے ہماری غذا بے دانگی ہوگی ۔ چونکہ اوپر قبا چاک
کرنے کا ذکر آیا تھا اسلئے مولانا اسکے ایک قصہ کی طرف انتقال فرماتے ہیں ۔
اور کہتے ہیں کہ ایک صوفی کو قبض پیش آیا تھا تو انہوں نے متوحش ہو کر کرتہ پھاڑ
ڈالا ۔ اس کے پھاڑ ڈالنے کے بعد اس کو بسط ہو گیا اس پر انہوں نے کرتہ
کا نام فرجی رکھ لیا اور ان کا رکھا ہوا نام لوگوں میں مشہور ہو گیا ۔

القصہ ! یہ نام مشہور ہوگیا اور اسکی حقیقت تو شیخ مذکور نے لیلی اور لوگوں کے اندر اسکی صورت اور نام رہ گیا اور کچھ فرجی ہی کی تخصیص نہیں بلکہ ہر ایسے نام سے جو دو چیزوں پر مشتمل تھا جن میں ایک کارآمد اور بمنزلہ حصہ صاف کے۔ تھی یعنی مغز اور دوسری ناکارہ اور بمنزلہ تلچھٹ کے یعنی صورت۔ کارآمد اور صاف شے کو لے لیا اور دوسری شے کو جو کہ بمنزلہ تلچھٹ کے تھی چھوڑ دیا یعنی اس کا مغز لے لیا اور وہ صورت جو کہ بے کار تھی اسے چھوڑ دیا۔

[فائدہ :- یاد رکھو کہ یہ تجزیہ وہیں ممکن ہے جہاں حقیقت اور مغز بدوں صورت کے پائی جا سکے اور صورت مقصود ہو لیکن جہاں حقیقت و مغز بدوں صورت کے پائے ہی نہ جا سکتے ہوں اور صورت بھی مقصود ہو جیسے صوم و صلوٰۃ، وغیرہ امور شرعیہ وہاں یہ تجزیہ ممکن نہیں۔ فافہم ولاتزل]

خیر ! یہ حالت تو شیخ مذکور کی تھی اب اوروں کی حالت سنو! ان میں جو گل خوار تھے انہوں نے تلچھٹ اور صورت غیر مقصودہ کو لے لیا اور جو صوفی تھے انہوں نے حصہ صاف اور مغز لے لیا کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ ہر درد کے پیچھے صاف ہوتا ہے اور درد کی دلالت بر صفا کے سبب اس سے صافی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ اس بنا پر ان کا ذہن درد سے صاف کی طرف منتقل ہوا۔ اور چونکہ درد بمنزلہ عُسر کے تھا اور صاف بمنزلہ یُسر کے اور صاف بمنزلہ پختہ چھوہارے کے تھا اور درد بمنزلہ کچے چھوہارے کے۔ اسلئے درد کو چھوڑ دیا اور صاف کو لے لیا۔ آگے مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اوّل اتنا سمجھ لو کہ ہم لوگوں کی ریاضات و مجاہدات۔ جو حالاً عُسر ہیں مآلاً یُسر ہیں۔

پس تم کو سختی حال کو دیکھ کر مایوس نہ ہونا چاہیئے اور اسکو اختیار کرنے سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ کیونکہ تم اس موت (عُسر) سے حیات (یُسر) تک پہنچ گئے

جب یہ معلوم ہوگیا، تو آپ کہتے ہیں کہ اگر تم کو صفا کی ضرورت ہے تو تم قبائے
ہستی کو چاک کرو ۔ اس سے تم بحر صفوت سے سر نکالوگے اور صفا تم کو مل جائیگی
ایسا کرنے سے تم کو اس طریق کی دشواری مانع ہو سکتی تھی ۔ سو اسکو ہم پہلے ہی سے دفع
کر چکے ہیں اب کوئی مانع نہ رہا ۔ پس تم کو ضرور صفا حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ صوفی وہ
ہے جو طالب صفا ہو ۔ اور پشمینہ پہننا ۔ گدڑی سینا ۔ اعلام کرنا تصوّف نہیں ہے
مگر کیا کیجئے کہ نا اہلوں نے تصوّف کو خراب کر دیا ۔ ان پاگلوں کے نزدیک حقیقت تصوف
صرف اتنا ہے کہ گدڑی کا بنڈل اور رنڈی بازی کر لی ۔ اسلئے وہ واقعی حقیقت تصوّف
کو حاصل نہیں کرنا چاہتے اور عوام بھی ان کی دیکھا دیکھی اسی روش پر چلتے ہیں ۔
ہاں تو ہم نے کہا تھا کہ صوفیانہ لباس تصوّف نہیں یہ صحیح ہے ۔ مگر اس نیت سے
کہ اس سے صفا کا خیال رہے — بایں طور کہ اس سے تصوّف اور صوفیہ کی طرف
ذہن منتقل ہو اور ان سے صفا کی طرف اور اس نام نیک کے سبب کہ یہ اہل اللہ
کا لباس ہے، اگر کوئی رنگین لباس پہنے تو اچھا ہے مگر اس شرط سے کہ اس خیال ہی
پر نہ جم جائے بلکہ اس سے حقیقت کی طرف یونہی ہے جس طرح بلی روٹی کی بو سے
روٹی کیطرف ۔ یہاں تک ان لوگوں کی اصلاح فرمائی تھی جو لباس صوفیانہ پہنتے
تھے اور صوفی نہ تھے اب اسکی اصلاح فرماتے ہیں ۔ جو بوجہ حقیقت تصوّف حاصل
نہ ہونے کے لباس صوفیانہ کو ناپسند کرتے ہیں ۔
اور فرماتے ہیں کہ اے طالب عشق ! یہ لباس مطلقاً بے سود نہیں ہے کیونکہ اس سے
صورت صفا جس کو بوئے صفا کہنا چاہیئے حاصل ہوتا ہے اور جو حقیقت کی طرف
رہنما ہوتی ہے ۔ دیکھ یعقوب علیہ السلام بوئے یوسف ہی سے تو صاحب عشق ہوگئے
تھے ۔ یعنی ان کو بوئے مطلوب ہی سے تو مطلوب کا پتہ چلا تھا ۔ پس اپنے
صفا بے سود کیونکر ہو سکتی ہے اور جب وہ بے سود نہیں تو لباس صوفیانہ مطلقاً

بے سود کیونکر ہوسکتا ہے۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو! کہ جو چیز تم کو خدا تک نہیں پہنچنے دیتی - وہ تمہارا خیال غیر اللہ ہے کیونکہ خیالات مذکورہ سرا پردۂ جلال رب ذوالجلال کے اردگرد پہرہ دار ہیں - جس کو غیرت خداوندی نے اسلئے قائم کیا ہے کہ وہ ناقابل حضوری لوگوں کو آگے نہ بڑھنے دیں ــــ بنابریں وہ ہر طالب کو یہ کہہ کر رد کرتا ہے کہ ادھر جدھر تم جانا چاہتے ہو رستہ نہیں ہے - اور ہر خیال یہی کہتا ہے کہ ٹھہرو! آگے نہ جاؤ - بجز ان تیز گوش اور تیز ہوش لوگوں (اہل اللہ) کے - جو جیش تائیدات ربانیہ کے سبب سے جوش میں لڑتے ہوتے ہیں ان کو کوئی خیال نہیں روک سکتا - پس یہ لوگ تخیلات سے گذر کر مات سے بچ جاتے ہیں اور تیر شہ کھلا کر باہر نکل جاتے ہیں اسلیے کہ ان کے پاس تیر شہ ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جسکے پاس تیر شہ ہوتا ہے اسکو رستہ مل جاتا ہے اور وہ حضر شاہی تک پہنچ جاتا ہے

[فائدہ: توضیح اسکی یہ ہے کہ زمانِ قدیم میں یہ قاعدہ تھا تیر پر بادشاہ کا نام لکھا ہوتا تھا پس جو شخص پہرہ والوں کو وہ تیر دکھلا دیتا تھا پہرہ والے اُسے نہ روکتے تھے گویا کہ وہ پروانہ شاہی ہوتا تھا۔

پس حاصل یہ ہوا کہ اہل اللہ کے پاس پروانہ شاہی ہوتا ہے یعنی تائیدِ حق اسکے شامل حال ہوتی ہے اسلئے ان کو کوئی خیال نہیں روک سکتا۔

(فائدہ، یہ بھی ممکن ہے کہ تیر شہ سے مراد عشق حق سبحانہٗ مراد ہو)

فی المُناجات

دُعا

اے قدیم رازدانِ ذُوالمنن — دَر رہِ تو عاجزیم و مُمتحن

اے احسانوں والے، راز کو جاننے والے قدیم! — تیری راہ میں ہم عاجز ہیں اور مشقت میں ہیں

ایں دلِ سَرگشتہ را تدبیر بخش — ویں کمانہائے دوتو را تیر بخش

اِس حیران دل کو تدبیر عنایت کر دے — اِن خمیدہ کمانوں کو تیر عنایت کر دے

جُرعۂ[۱۱] بر ریختی زاں خُفیہ جام — بر زمینِ خاکِ مِنْ کَاسِ الکِرَام

تونے اس پوشیدہ جام سے گھونٹ گرا دیا ہے — خاک کی زمین پر کریموں کے پیالے سے

جُست بَرزُلف و رُخ از جرعہ نشاں — خاک را شاہاں ہمی لیسند ازاں

گھونٹ کا نشان زلف اور رُخ پر تلاش کیا ہے؟ — اسی وجہ سے شاہ خاک کو چاٹتے ہیں

جُرعۂ حُسن ست کایں خاک گش — کہ بصد دل روز و شب می بوسیش

حُسن کا گھونٹ ہے کہ یہ خاک بھلی ہے — کہ تو دل و جان سے دن رات اُس کو چومتا ہے

جُرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کُند — مر ترا تا صاف اُو خود چوں کُند

مٹی میں ملا ہوا گھونٹ جبکہ مجنوں بنا دیتا ہے — تو تجھے اُس کا صاف کیا بنا دے گا؟

ہر[۱۲] کسے پیشِ کلوخے جامہ چاک — کاں کلوخ از حُسن آمد جرعہ ناک

ہر شخص ایک مٹی کے ڈھیلے کے سامنے کپڑے پھاڑے ہوئے ہے — کیونکہ وہ ڈھیلا حُسن سے گھونٹ حاصل کئے ہوئے ہے

جُرعۂ بر ماہ و خورشید و حَمل — جرعۂ بر عرش و کرسی و زُحَل

ایک گھونٹ ہے چاند اور سورج اور برج حمل پر — ایک گھونٹ ہے عرش اور کرسی اور زحل پر

جُرعہ گوئیش اے عجب یا کیمیا — کز آسیبش فنا گردد بقا

تعجب ہے تو اس کو گھونٹ کہے یا کیمیا — کہ اُس کے اثر سے فنا بقا بن جاتی ہے

جد طلب آسیب اُو اے ذوفنوں — لَا یَمَسُّ ذَاکَ اِلَّا الطَّاھِرُوْن

اے ہنرمند! اُس کا اثر کوشش کا خواہاں ہے — اُس کو نہیں چھو سکتے ہیں مگر پاک لوگ

جُرعۂ بر لعل و بر زرّ و دُرَر — جُرعۂ بر خمر و بر نُقل و ثمر

ایک گھونٹ ہے لعل اور سونے اور موتیوں پر — ایک گھونٹ ہے شراب اور چبینے اور پھلوں پر

جُرعۂ بر رُوئے خوبانِ لطاف — تا چگونہ باشد آں رَواقِ صاف

ایک گھونٹ ہے نازک اندام حسینوں کے رُخ پر — تو اُس چھنے ہوئے اور صاف کا کیا حال ہوگا؟

چوں[۱۳] ہمی مالی زباں را اندریں — چوں شوی چوں بینی آنرا بے زطیں

جبکہ تو اُس پر زباں کو ملتا ہے — تو تیرا کیا حال ہوگا جبکہ اُس کو بغیر مٹی کے دیکھے گا

---

۱۰ بحجر۔ توفیق جن کو ساتھ دیتی ہے وہ اِن خیالات سے شاہی تیر کی علامت دکھا کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تیر بخش۔ شاہی تیر پر علامت ہوتی تھی جس کو دکھا کر کارکن ہر جگہ جا سکتا تھا۔ ذوالمنن۔ احسانوں والا اللہ تعالیٰ۔ ممتحن بمعیبت لدہ تیر بخشا۔

۱۱ جرعہ۔ ذیلِ الارض مِن کاسِ الکرام۔ نیک بختوں کے پیالے سے زمین کو بھی حصہ ملا ہے جبکہ مظاہر قدرت میں حُسنِ ازلی کی تجلی نمودار ہوگئی ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کے شیدائی ہیں گش۔ خوش۔ مظاہر پرستی اُس کے حُسنِ ازلی کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ خاک آمیز وہ تجلی جو مادیات میں ظہور پذیر ہے۔ جب اُس نے دیوانہ بنا رکھا ہے تو جو تجلی اُس سے منزہ ہے، اُس کا کیا حال ہوگا۔

۱۲ ہر کسے۔ جس قدر مظاہر ہیں وہ تجلی حقیقی سے سیراب ہیں خواہ وہ چاند اور سورج ہو یا عرش و کرسی وہ گھونٹ جو حقیقی تجلی سے حاصل ہوتا ہے اُس سے فانی بھی بقا حاصل کر لیتا ہے۔ جد۔ اس گھونٹ کے حاصل کرنے کے لئے بہت مجاہدوں کی ضرورت ہے تاکہ باطنی طہارت حاصل ہو سکے۔ ..... جرعہ۔ دنیا کی ہر مرغوب چیز نے اسی حُسنِ ازلی سے گھونٹ حاصل کر لیا ہے حسین معشوق اسی کے جرعہ نوش ہیں۔

۱۳ چوں۔ جبکہ اس تلچھٹ جرعہ کو دیکھ کر تیرا یہ حال ہوا ہے اگر صاف جرعہ کو دیکھے گا تو کیا حال ہوگا۔ چونکہ حسین معشوق سے مرت

چونکہ وقتِ مرگ آں جرعہ صفا — زیں کلوخِ تن بمردن شد جدا
چونکہ موت کے وقت وہ مصفیٰ گھونٹ — جسم کے اِس ڈھیلے سے مرنے پر جدا ہو گیا

آنچہ ماند میکنی زودش دفیں — کیں چنیں زشتے و دو چعس بد قریں
جو رہ گیا اُس کو تو جلدی سے دفن کر دیتا ہے — کہ یہ ایسا بدنما، اور کم رتبہ کیوں ساتھ تھا!

جاں[1] چو بے ایں جیفہ بنماید جمال — کے توانم گفت لطفِ آں وصال
جان، جب اِس مُردار کے بغیر حسن دکھائیگی — اُس وصال کا لطف میں کیا کہہ سکتا ہوں

مہ چو بے ایں ابر بنماید ضیا — شرح نتواں کرد زاں کار و کیا
چاند جب اِس ابر کے بغیر روشنی دکھائے گا — اِس معاملہ اور پاکیزگی کی شرح نہیں کی جا سکتی

حبذا آں مطبخِ پُر نوش و قند — کیں سلاطیں کاسہ لیسانِ وے اند
سبحان اللہ، وہ کیسا شہد و شکر سے پُر مطبخ ہے — کہ یہ شہنشاہ اُس کا پیالہ چاٹنے والے ہیں

حبذا آں خرمنِ صحرائے دیں — کہ بُوَد ہر خرمن آں را خوشہ چیں
وہ دین کے صحراء کا خرمن کیا ہی عمدہ ہے — کہ ہر خرمن اُس کا خوشہ چین ہوتا ہے

حبذا دریائے عمرِ بے غمے — کہ بُوَد زو ہفت دریا شبنمے
بے غم عمر کے دریا کے کیا کہنے ہیں — کہ اُس کے مقابل ساتوں دریا شبنم ہیں

جرعہ چوں ریخت ساقیِ الست — بر سرِ ایں شورہ خاکِ زیردست
الست کے ساقی نے جب ایک گھونٹ بہایا — اِس بچل بنجر زمین پر

جوش[2] کرد آں خاک و مازاں جوششیم — جرعہ دیگر کہ بس بے کوششیم
اُس خاک نے جوش مارا اور ہم اُسی جوش میں ہیں — (اے خدا) دوسرا گھونٹ کہ ہم بے طاقت ہیں

گر روا بُد نالہ کردم از عدم — ور نبُود ایں گفتنی نک تن زدم
اگر جائز ہو تو معدوم (گھونٹ) کا نالہ کروں — اور اگر یہ اَن کہنی ہے تو میں چپ ہوا

ایں[3] بیانِ بطِ حرص منثنی ست — از خلیل آموز کاں بط کشتنی ست
یہ حرص کی اوندھی بط کا بیان ہے — خلیل (اللہ) سے سیکھ لے یہ بط مار ڈالنے کے قابل ہے

ہست در بط غیر ایں بس خیر و شر — ترسم از فوتِ سخنہائے دگر
بط میں اس کے علاوہ اور بہت سے خیر و شر ہیں — میں دوسری باتوں کے چھوٹ جانے سے ڈرتا ہوں

کے وقت وہ جرعہ واپس لے لیا جاتا ہے تو تو اُسے دیکھا بھی نہیں نہیں کرتا ہے۔ اور بہت جلد مٹی کو دفن کر دیتا ہے اور اُس سے اپنی رفاقت پر تعجب کرتا ہے۔

[1] جان۔ صاف تجلی سے وصل کی لذت کا بیان ناممکن ہے۔ تمرہ۔ دیدارِ حق کا لطف اور شرح ناقابلِ بیان ہے۔ حبذا۔ شاہانِ حقیقی اُس کے دربار سے جو لذتیں حاصل کرتے ہیں وہ عجیب و غریب ہیں، کہ تو، مظاہر جس خرمن کے خوشہ چین ہیں وہ خرمن قابلِ صد مبارکباد ہے۔ حبذا دریا۔ معنوی لذائذ کا دریا اس قدر وسیع ہے کہ ساتوں سمندر اُس کے سامنے شبنم کا قطرہ ہیں۔ زیر دست۔ عاجز۔

[2] جوش کرد۔ مظاہر قدرت والے جرعے سے ہم جوش میں ہیں ہم عاجزوں کو دوسرا جرعہ بھی عطا کر دے۔ گرنہ۔ اگر ایک گھونٹ کے لئے ہماری فریاد جائز ہو تو ہم فریاد کریں ورنہ خاموشی اختیار کریں۔

[3] ایں۔ صوفیا کی اصطلاح میں بطخ سے مراد انسان کی صفت حرص ہے مولانا اس کا بیان کر رہے تھے درمیان میں دوسری باتیں آگئیں، اب اُس کا بیان ختم کر کے دوسری مذموم صفات کا بیان شروع کرتے ہیں۔

شرح

اے قدیم اور راز داں اور صاحبِ انعاماتِ بیکراں۔ ہم آپ کے راہ میں عاجز اور مصیبت زدہ ہیں پس آپ ہمارے دل سرگشتۂ تیہِ ضلالت کو چارہ کار اور اس سے نکلنے کی تدبیر سمجھائیے اور ان بڑی

کمانوں (ہمارے ڈہائے کشر) کو تیر (رائے صائب) عطا فرمائے - آپ بڑی قدرت والے ہیں - چنانچہ آپ نے کمال مخفی کے جام سے جس سے اہل اللہ شراب محبت پیتے ہیں - خاک پر جرعہ گرایا اور اس کی چھینٹ زلف رخ حسیناں پر پڑی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ بادشاہ تک انہیں چاٹتے ہیں -

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جُرعہ حسن ہے جس سے یہ خاک اجسام حسیناں اس قدر اچھی ہے کہ تم رات دن اسے چُومتے ہو پس تم خیال کرو کہ جب وہ جُرعہ حسن جس میں خاک کی آمیزش ہے آدمی کو دیوانہ بنا دیتا ہے تو وہ حسن جو اپنی محوضت اور صرافت پر باقی ہے کیا حالت کریگا لیکن افسوس! کہ لوگوں نے اس حُسن کو نظر انداز کر دیا ہے اور ہر ایک شخص اُس ڈھیلے پر فدا ہے جو اس حُسن سے ایک جُرعہ حاصل کئے ہوئے ہے ـــــ اس مضمون ارشادی کو ختم کر کے پھر بیانِ قدرت شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک جُرعہ آپنے چاند اور سورج اور بُرجِ حمل پر ڈالا ہے اور ایک جرعہ عرش و کرسی و زحل پر -

اب مولانا کو جوش ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اسے جرعہ کہا جائے یا کیمیا - نہیں اسے تو کیمیا کہنا چاہیئے کیونکہ اس میں قلبِ ماہیت کی خاصیت ہے اور اسکی اثر سے عدم منقلب بوجود ہو جاتا ہے ـــــ لوگو! تم اس عجیب الخاصیت جرعہ کے اثر کو نہایت کوشش سے حاصل کرو ...... تاکہ تمہاری قلبِ ماہیت ہو جائے اور تم نقصان سے کمال پر پہنچ جاؤ - مگر ایسے وہی ہو سکتے ہیں جو نجاسات روحانیہ اور اخلاق رذیلہ سے پاک ہوں - بس اوّل تم پاک ہو جاؤ -

دیکھو! ایک جُرعہ اس کا لعل اور سونے اور مونگوں پر پڑا ہے اور ایک جرعہ شراب اور نقل اور پھلوں پر پڑا ہے اور ایک جرعہ حسینوں کے چہروں پر پڑا ہے

جس سے ان اشیار کی وہ حالت ہوگئی ہے جو تم دیکھ رہے ہو ـــــ اب تم غور کرو
کہ اس خالص اور خوش آئند شراب کی کیا حالت ہوگی ۔ اور جبکہ تم اس جرعہ آمیز
مٹی کو زبان سے چاٹتے ہو تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب اسکو بلاآمیزش
خاک دیکھوگے ۔

اور دیکھو ! جبکہ انتقال کے وقت وہ جرعہ صفا اس جسم خاکی سے طریانِ
موت کے سبب جدا ہو جاتا ہے تو جو کچھ رہ جاتا ہے اس کو تم فوراً دفن کردیتے ہو اور
تعجب سے کہتے ہو کہ ایسی مکروہ اور بری شے کیسے ہم سے مقرون تھی پس جبکہ وہ جُرعۂ
حُسن اس قدر مکروہ شے کو اس درجہ محبوب بنا دیتا ہے تو جس وقت وہ جان جہاں
بدوں اس جسم مردار کے جب جلوہ دکھلائے گا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ وصال
کس قدر پُر لطف ہوگا ۔ اور جس وقت وہ چاند بدوں اس امر (جسم) کے اپنی چمک
دکھلائے گا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت اسکی کیا شان ہوگی ۔

ارے وہ شیرینی و قند سے بھرا ہوا مطبخ جس لئے یہ سلاطین (اہل اللہ) کاسہ لیس
ہیں ۔ یعنی مطبخ جمال حق سبحانہ، نہایت عمدہ شے ہے اور وہ خرمنِ صحرائے دین یعنی کمال
جس سے ہر خرمنِ کمال خوشہ چین ہے نہایت پاکیزہ چیز ہے اور وہ دریائے عمر تنعم یعنی
یہ حیات بے غم کمال جس کے سامنے ساتوں سمندر بمنزلہ شبنم کے بے حقیقت ہیں نہایت
عجیب شے ہے پس اس سے ضرور متمتع ہونا چاہیئے اس کی یہ شان ہے کہ جب ساقی الست
(حق سبحانہ) نے اس عاجز اور شورہ خاک کے اوپر اپنے سراسر کمال کا ایک جُرعہ ڈالا تو
اس خاک کو جوش ہوا ۔ اور اسکی ارضیت سے انسانیت تک ترقی کی ۔ اور ہم اسی جوش
نتیجہ ہیں ۔ جب حال یہ ہے تو اے اللہ ! تو ایک اور جُرعہ ڈال دے کیونکہ ہم میں ابھی نقصان
موجود ہے اور ہم بہت بے کوشش ہیں تاکہ ہم اس قفسِ نقص سے نکل کر اوجِ کمالِ
انسانی پر پہنچ جائیں ۔ جب دعا کر چکے تو اب مولانا پر حال غالب ہوا اور خیال ہوا کہ معلوم

نہیں کہ ہماری یہ درخواست زیبا ہے یا نازیبا۔ اسلئے حق سبحانہٗ کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگر میرا یہ فعل مناسب تھا تو اس عدم کوشش کا رونا رو چکا، تو قبول فرما۔ اور اگر نامناسب تھا۔ تو معاف کیجئے۔ لیجئے میں خاموش ہوگیا اب آپ کو اختیار ہے۔ جو صادر فرمادیں۔ آپ حکیم ہیں۔ ہم آپکی مصالح میں دخل نہیں دیتے۔ خیر! یہ بیان تھا بط حرص کا۔ جو اشیاء ناسوتہ پر راغب ہیں اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ تم کو حضرت خلیل اللہ سے سبق لینا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ یہ بط مار ڈالنے کے قابل ہے۔ بط حرص میں علاوہ مذکورہ بالا اوصاف کے اور بھی بہت بُرے اوصاف ہیں۔ مگر میں ان کو بیان نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اور مضامین ضروریہ رہ جائیں اسی لیے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔

صفتِ طاؤس و طبع اُو و سببِ کشتنِ ابراہیم خلیل
مور کی صفت اور اُس کا مزاج اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام اُورا
کے اُس کو مار ڈالنے کا سبب

آمدیم اکنوں بطاؤسِ دو رنگ
اب ہم دو رنگے مور (کے ذکر) پر آگئے

کو کُند جلوہ برائے نام و ننگ
کہ وہ فخر و مباہات کے ذریعہ نمائش کررہا ہے

ہمتِ[1] اُو صیدِ خلق از خیر و شر
اُس کا ارادہ اچھے بُرے طریقوں پر مخلوق کا شکار کرنا ہے

وز نتیجہ و فائدہ آں بے خبر
اور وہ نتیجہ اور فائدے سے بے خبر ہے

بیخبر چوں دام میگیرد شکار
ایسا ہی لاعلم ہے جس طرح جال شکار پھانستا ہے

دام راچہ علم از مقصودِ کار؟
جال کو کام کے مقصد کا کیا علم؟

دام راچہ ضر و چہ نفع از گرفت
گرفتار کرنے میں جال کا کیا نفع و نقصان؟

زیں گرفتِ بیہدہ اش دارم شگفت
اُس کی اِس بیہودہ گرفت سے مجھے تعجب ہے

اے برادر دوستاں افراشتی
اے بھائی! تو نے دوستوں کو بلند کیا

با دو صد دلداری و بگذاشتی
سینکڑوں دلداریوں سے اور چھوڑ دیا

کارت ایں بودست از وقتِ ولاد
پیدائش کے وقت سے تیرا یہی کام رہا ہے

صید مردم کردن از دام و داد
جال اور بخشش کے ذریعہ لوگوں کا شکار کرنا

[1] ہمت او۔ حُبِّ جاہ میں انسان لوگوں کو پھانسنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے جائز و ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔ جیسے یہ طاؤس اسی طرح لوگوں کو پھنساتا ہے جس طرح انجام سے بے خبر جال پھنساتا ہے۔ اے برادر۔ حُبِّ جاہ میں مبتلا کی دوستی ناپائیدار ہوتی ہے وہ حصولِ مقصد کیلئے دوست بناتا ہے اور اپنا فائدہ پورا کرکے دوستوں کو فراموش کردیتا ہے۔

زاں[۲] شکار و انبہیِ باد و بود
اُس شکار اور تگ و دو کی کثرت سے

دست در کُن ہیچ یابی تار و پود
(جال میں) ہاتھ ڈال کچھ تانا بانا تیرے ہاتھ آئیگا

بیشتر رفت و بیگاہ است روز
دن بیشتر چلا گیا اور نا وقت ہو گیا

تو بجد در صیدِ خلقانے ہنوز
تو ابھی تک لوگوں کو شکار کرنے کی کوشش میں ہے

آں یکے می گیر و ایں می ہل ز دام
اُس ایک کو پکڑ اور اس کو جال میں سے چھوڑ دے

ویں دگر را صید می کن چوں لئام
کمینوں کی طرح دوسرے کا شکار کر

باز ایں را می ہل و می جو دگر
پھر اُس کو چھوڑ دوسرے کی تلاش کر

اینت لعبِ کودکانِ بے خبر
عجب بے خبر بچوں کا کھیل ہے

شب[۳] شود در دامِ تو یک صید نے
رات ہو جائیگی تیرے جال میں کوئی شکار نہیں ہے

دام بر تو جز صداع و قید نے
تیرے لئے جال سوائے دردِ سر اور قید کے کچھ نہیں ہے

پس تو خود را صید میکردی بدام
تو نے جال سے خود اپنا شکار کر لیا

کہ شدی محبوس و محرومی ز کام
کیونکہ تو قیدی ہو گیا اور کام سے محروم رہا

در زمانہ صاحبِ دامے بود؟
کیا دنیا میں کوئی ایسا شکاری ہوگا

ہمچو ما احمق کہ صیدِ خود کند
ہم جیسا احمق! کہ خود اپنا شکار کرے؟

چوں شکارِ خوک آمد صیدِ عام
عوام کو پھانسنا سؤر کے شکار کی طرح ہے

رنجِ بیحد لقمہ خوردن زو حرام
مشقت بیحد، اور اُس میں سے لقمہ کھانا حرام ہے

آنکہ[۴] ارزد صید را عشق ست و بس
جو شکار کرنے کے قابل ہے وہ صرف عشق ہے

لیک اُو کے گنجد اندر دامِ کس
لیکن وہ کب کسی کے جال میں پھنستا ہے؟

تو مگر آئی و صیدِ اُو شوی
ہاں تو آ اور اُس کا شکار بن جا

دام بگذاری بدامِ اُو روی
اپنا جال چھوڑ اُس کے جال میں گرفتار ہو جا

عشق میگوید بگوشم پست پست
میرے کان میں عشق آہستہ آہستہ کہتا ہے

صید بودن خوشتر از صیادیست
شکاری بننے سے، شکار بن جانا بہتر ہے

گول میکن خویش را و غرہ شو
اپنے آپ کو بیوقوف بنا لے اور فریفتہ بن جا

آفتابی را رہا کن ذرہ شو
سورج بننے کو چھوڑ، ذرہ بن جا

بر درم ساکن شو و بیخانہ باش
میرے دروازے پر پڑ جا، اور بے گھر بن جا

دعویِ شمعی مکن پروانہ باش
شمع بننے کا دعویٰ نہ کر پروانہ بن جا

تا[۵] بہ بینی چاشنیِ زندگی
تاکہ تو زندگی کا لطف دیکھے

سلطنت بینی نہاں در بندگی
بادشاہی کو غلامی میں پوشیدہ دیکھے

---

۲ زاں۔ حُبِ جاہ میں مبتلا کو سوچنا چاہیئے کہاں حرکات سے اُس کو کیا حاصل ہوا۔ بیشتر۔ یہ شخص انھیں لغو باتوں میں عمر کو برباد کرتا ہے آں یکے۔ کبھی کسی کو پھنساتا ہے پھر اُس کو چھوڑتا ہے، دوسروں کو پھنساتا ہے بچّوں کی سی طفلانہ حرکات جاری رہتی ہیں

۳ شب شود۔ روزِ عمر ختم ہو جاتا ہے یعنی شب کو موت آجاتی ہے وہ دوسروں کا شکار کرتا ہے لیکن خود محرومی کا شکار بن جاتا ہے۔ در زمانہ۔ وہ شکاری بڑا احمق ہے جو شکار کی بجائے خود شکار بن جائے۔ چوں۔ عوام کو پھانسنا سؤر کا شکار کرنا ہے کہ بڑی مصیبت سے جال میں پھنستا ہے اور اُس کا کھانا حرام ہو۔

۴ آنکہ۔ اگر شکار کھیلنا ہو تو عشق کا شکار کر لیکن یاد وہ شکار ہے جو ہر کس و ناکس کے جال میں نہیں پھنستا ہے۔ تو۔ عشق کا شکار جب کر سکو گے کہ تم خود اُس کا شکار بن جاؤ گے۔ عشق۔ عشق کی صدا یہ ہے کہ شکاری بننے سے شکار بن جانا بہتر ہے۔ گول۔ عشق کے معاملے میں اپنے آپ کو بے عقل بنا لو اور سورج بننے کی بجائے ذرہ بن جاؤ ترنم۔ یہ عشق کا مقولہ ہے۔ خانماں برباد بن کر میرے در پر آپڑ شمع ہونے کے دعوے کو چھوڑ کر پروانہ بن جا۔

۵ تا بہ بینی۔ جب یہ کیفیت ہو جائیگی تو حقیقی لذت حاصل ہوگی اور پھر انسان غلامی میں شاہی کرے گا۔ (شعر)

نعل بینی باژگونہ در جہاں
دنیا میں اُلٹی نعل بندی دیکھے

تختہ بندانرا لقب گشتہ شہاں
پھانسی پر چڑھنے والوں کا لقب بادشاہ ہو گیا ہے

بس طناب اندر گلو و تاج دار
گلے میں سُولی کا پھندا اور تاج ہے

بر وے انبوہے کہ اینک تاجدار
اُس پر مجمع ہے کہ یہ بادشاہ ہے

ہمچو گورِ کافراں پُر حُلل
جس طرح کافروں کی قبر کہ باہر قیمتی کپڑے ہیں

واندروں قہرِ خدائے عزّ و جل
اور اندر خدائے عزّ و جلّ کا قہر ہے

چوں قبور آں را مجصّص کردہ اند
قبروں کی طرح اس پر گچھی چونا کر دیا ہے

پردۂ پندار پیش آوردہ اند
گھمنڈ کا پردہ سامنے لٹکا دیا ہے

طبعِ مسکینت مجصّص از ہُنر
تیری بیچاری طبیعت ہُنر سے آراستہ

ہمچو نخلِ موم بے برگ و ثمر
موم کی کھجور کی طرح بے برگ و ثمر ہے

بس حقیر گدایانِ عشق آں ہمہ شہان بے کر خسروانِ بے نگینہ نقش بینی یعنی دنیا کے کام اُلٹے ہیں جو دنیا کے قیدی ہیں لوگ انکو شہ دکھتے ہیں اور جو لوگ شاہ ہیں انکو فقیر اور گدا کہتے ہیں تاج دار سولی دینے کے وقت سر اور آنکھوں پر ایک ٹوپی اڑھا دی جاتی ہے۔ تاجدار۔ بادشاہ۔ حُلل حُلّہ کی جمع ہے۔ لباس کا جوڑا۔ گچ مجصّص۔ چونے اور گچھی سے بنا ہوا۔ نخل موم۔ کھجور کا مومی درخت۔ در بیان جھٹ حق تعالیٰ کے صبر و قہر کو ہر شخص جانتا ہے اور ہر شخص صبر کا طالب اور قہر سے گریزاں

شرح اب ہم منافق طاؤس جاہ کی طرف آتے ہیں جو کہ شہرت اور عزت کے لئے اپنی شان و شوکت ظاہر کرتا ہے اسکی حالت یہ ہے کہ وہ پہلے بُرے لوگوں کو دام میں لاتا ہے مگر نتیجہ اور فائدہ اپنے فعل کا نہیں جانتا وہ اِس طرح نتیجہ سے بے خبر ہو کر شکار کرتا ہے۔ جسطرح کہ جال۔ کیونکہ جال کیا جانے کہ بُرے جانوروں کو پھانسنے کا کیا مقصد ہے۔ نیز جان کا اس کے پکڑنے سے کیا نفع نقصان۔ کچھ بھی نہیں —— پس یہی حالت اس طاؤس کی ہے پس اس لغو حرکت پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ کیوں کی جاتی ہے اور یہ لوگ طالبین جاہ باوجود دعوٰی عقل کے لوگوں کے شکار کے کیوں درپے ہیں۔

صاحبو! تم نے بہت ہی دلداروں سے دوست کھڑے کئے اور پھر اسکو چھوڑ دیا۔ اور بچپن سے تمہارا یہ ہی کام رہا کہ تم لوگوں کو دوستی کے جال میں پھانستے رہتے بھلا اس سے تمہیں کچھ ملا؟ تم ہی کہو گے کہ کچھ نہیں۔ پھر جب یہ حالت ہے تو تم کو چاہیئے کہ اس شکار کرنے اور کثرت ساز و سامان سے دست کش ہو جاؤ۔۔۔۔۔ دیکھو تمہاری

عمر کا بہت سا حصہ گذر چکا ہے اور وقت نا وقت ہو گیا ہے مگر ہنوز تم نہایت کوشش کے ساتھ لوگوں کو دام میں لانے میں مشغول ہوئے اور اسے پکڑ اسے چھوڑ۔ اسے پھانس اسے چھوڑ۔ اسے ڈھونڈ ـــــ غرضکہ عجیب بچوں سا کا کھیل کر رہے ہو۔ تم یاد رکھو کہ جب رات ہو جائے گی یعنی موت آجائے گی اسوقت تمہاری حالت یہ ہو گی کہ تمہارے جال میں ایک بھی شکار نہ ہو گا یعنی نہ تمہارا کوئی ثنا خواں اور مجلس گرم کرنے والا تمہارا مونس ہو گا نہ غمخوار۔ بلکہ اس رات میں تم تنہا ہو گے اور اپنے کیئے کو بھگت رہے ہو گے۔ اور تمہارا جال تمہارے لیے بجز درد سر اور رقیب کے کچھ نہ ہو گا۔ اور ثابت ہو گا کہ تم دوسروں کو نہیں پھانستے تھے بلکہ خود پھنس رہے تھے کیونکہ تم اس کام میں محبوس ہو گئے اور اصل مقصد سے محروم رہ گئے۔

بھلا عالم میں کوئی ہم سا احمق جال والا ہی ہو گا جو خود اپنا شکار کرے ہر گز نہیں۔ بلکہ صرف ہم ہی احمق ہیں جو خود اپنے کو جال میں پھانس رہے ہیں پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ دوسروں کو جال میں پھانسنا اور معتقدین و ثنا خواں پیدا کرنا خود اپنے کو جال میں پھانسنا اور سراسر حماقت ہے تو اسے چھوڑنا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ عوام کو پھانسنا بالکل ایسا ہے جیسا کہ سور کا شکار کہ اس میں تکلیف تو بے حد ہے۔ مگر اس کا ایک لقمہ کھانا بھی حرام ہے کیونکہ اس پھانسنے میں بجز نقصان کے نفع کچھ بھی نہیں۔ اچھا تو پھر شکار کرنے کی کیا چیز ہے وہ صید عشق ہی ہے اسے شکار کرنا چاہیئے لیکن وہ کب کسی کے دام میں آسکتا ہے اسلئے اسکی صورت یہ ہے کہ تم خود آکر اس کے دام میں پھنس جاؤ اور اپنے دام صیاد ...کو .... چھوڑ کر اسکے جال میں آجاؤ عشق میرے کان میں چپکے چپکے کہتا ہے کہ صیاد مردم سے صید عشق ہونا بہتر ہے اسلئے تم دنیوی ہوشیاری کو چھوڑ دو۔ اور بے وقوف اور بھولے بن کر میرے دام

میں آجاؤ اور عزت و وقعت دنیوی کو چھوڑ کر تذلل و تمسکن اختیار کرو اور گھر بار چھوڑ کر میرے در پر پڑ جاؤ۔ اور مطلوبیت کو چھوڑ کر طالب بن جاؤ تاکہ تمہیں لطفِ زندگی حاصل ہو۔ اور اس غلامی میں تمہیں سلطنت حاصل ہو جائے تم غور کرو گے تو تمہیں معاملہ برعکس نظر آئے گا اور تم دیکھو گے کہ قیدیوں کو یہاں کے عُرف میں بادشاہ کہتے ہیں۔

اور بہت سے لوگ جن کے گلوں میں علائق دنیا کی رسیاں پڑی ہیں اور سُولی پر لٹکے ہوئے ہیں لوگ ان کے گرد جمع ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ سلامت ہیں اور ان کی حالت قبور کفار کی سی ہے کہ ظاہر تو نفیس لباسوں سے آراستہ ہیں اور باطن میں قہرِ حق سبحانہٗ بھرا ہوا ہے۔

یعنے ان کا دل اخلاقِ رذیلہ اور نجاسات معنویہ سے پُر ہے ان لوگوں نے اپنے ظاہر کو قبور کفار کی طرح آراستہ کر رکھا ہے اور اس طرح اپنے عیوب پر ایک پردہ ڈال دیا ہے جو منشا ہے انکے غرور اور دعوے اور تعلّی کا ــــ یہ تو ان جاہ پرستوں کی حالت تھی جو صرف ظاہری شان و شوکت رکھتے ہیں اور باطن میں کوئی کمال نہیں رکھتے۔ مگر اے صاحبِ کمال دنیوی تو اس سے دھوکا نہ کھانا اور اپنے کو صاحبِ کمال نہ سمجھنا۔ مانا کہ تیری طبیعت کمال دنیوی سے آراستہ ہے مگر وہ ایسے ہی ہے جیسے موم کا درخت کہ اس پر نہ پتے ہیں نہ پھل۔

دربیان آنکہ لطفِ حق راہمہ کس دانند وقہر رانیز ہمہ کس دانند وہمہ از قہرِ حق گریزانند وبلطفِ اُو آویزانند اما

اِس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی مہر کو سب جانتے ہیں اور قہر کو بھی سب جانتے ہیں اور سب اُس کے قہر سے گریز کرتے ہیں اور اُس کی مہر سے وابستہ ہیں

حق تعالیٰ قہر ہارا در لطف پنہاں کردہ ولطفہارا در قہر پنہاں کردہ نعل باژگونہ وتلبیس ومکراللہ بود تا اہلِ تمیز وینظر بنورِ اللہ از بے تمیزاں وحالے بیناں وظاہر بیناں جُدا شوند کہ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً

لیکن اللہ تعالیٰ نے قہر کو مہر میں پوشیدہ کر دیا ہے اور مہر کو قہر میں پوشیدہ کر دیا ہے اُلٹی چال اور بناوٹ اور اللہ کا داؤ تھا تاکہ اہلِ تمیز اور اللہ کے نور سے دیکھنے والے بے تمیزوں اور حال کو دیکھنے والوں اور ظاہر بینوں سے جدا ہو جائیں کیونکہ (فرمایا ہے) تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے

گفت درویشے بدرویشے کہ تو
ایک درویش نے دوسرے درویش سے کہا کہ تم نے

چوں بدیدی حضرتِ حق رابگو
حضرتِ حق کو کیسا دیکھا ہے، بتا

گفت بیچوں دیدم اما بہرِ قال[۱]
اُس نے کہا میں نے بے مثال دیکھا لیکن کہنے کیلئے

بازگویم مختصر آں رامثال
اُس کی ایک مختصر مثال بتاتا ہوں

دیدمش سوئے چپ اُو آذرے[۲]
میں نے اُس کی بائیں جانب آگ دیکھی

سوئے دستِ راست جوئے کوثرے
(اور) دائیں جانب حوضِ کوثر دیکھی

سوئے چپش بس جہاں سوز آتشے
اُس کی بائیں سمت جہاں سوز آگ ہے

سوئے دستِ راستش جوئے خوشے
اُس کے دائیں ہاتھ کی جانب عمدہ نہر ہے

سوئے آں آتش گروہے بُردہ دست
ایک گروہ نے اُس آگ کی جانب ہاتھ بڑھایا ہے

بہرِ آں کوثر گروہے شاد مست
ایک گروہ اُس نہر کے لئے شاداں ومست ہے

لیک نعلِ باژگونہ بود سخت
لیکن اُلٹی چال سخت ہوتی ہے

پیشِ پائے ہر شقی ونیک بخت
ہر شقی اور نیک بخت کے لئے

ہرکہ در آتش ہمی رفت وشرر
جو آگ اور چنگاریوں میں گیا

ازمیانِ آب برمیکرد سر
اُس نے پانی میں سے سر اُبھارا

ہرکہ سوئے آب میرفت ازمیاں
جو آگ کی طرف گیا

اُو در آتش یافت میشد در زماں
وہ فوراً آگ میں پایا گیا

۱؎ بہرقال۔ یعنی ذاتِ حق کی چگونگی ناقابلِ بیان ہے لیکن سمجھانے کے لئے کچھ بیان کیا جاتا ہے۔
۲؎ آذرے۔ لذائذِ نفسانی آخرت میں بصورتِ مار و کژدم نمایاں ہوں گے اور مجاہدات وعبادات کی مشقتیں بصورتِ حور وغلمان آخرت میں نمودار ہوں گی یہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے ایک تدبیر فرمائی ہے انسان اگر دنیا میں نفسانی لذائذ میں لگے گا جو بظاہر حوضِ کوثر ہیں تو وہ آگ کو حاصل کرتا ہے اور اگر عبادت کی مشقتوں میں لگے گا جو بظاہر آگ ہیں وہ حوضِ کوثر حاصل کریگا۔
زُلال۔ شیریں پانی۔

هر کہ سوئے راست شد و آبِ زلال — سر زآتش بر زد از سوئے شمال

جو داہنی جانب اور نیر پانی کی طرف گیا — اُس نے بائیں جانب آگ میں سے سر اُبھارا

وانکہ شد سوئے شمالِ آتشیں — سر بروں میکرد از سوئے یمیں[1]

جو آگ والی بائیں جانب گیا — وہ دائیں جانب سے سر اُبھارتا ہے

کم کسے بر سِرّ ایں مضمر زدے — لاجرم کم کس دراں آذر شدے

اِس پوشیدہ راز سے بہت کم لوگ واقف ہوئے — لامحالہ بہت تھوڑے لوگ اُس آگ میں گئے

جز کسے کز بر سرش اقبال ریخت — کو رہا کرد آب و در آتش گریخت

سوائے اُس شخص کے جس کے سر پر اقبالمندی نازل ہوئی — کہ اُس نے پانی کو چھوڑ دیا اور آگ میں گھس گیا

کردہ ذوقِ نقد را معبود خلق — لاجرم زیں لعب مغبوں بود خلق

لوگوں نے نقد مزے کو معبود بنا لیا ہے — لامحالہ اس کھیل سے لوگ ٹوٹے میں ہیں

جوق جوق و صف صف از حرص و شتاب — محترز ز آتش گریزاں سوئے آب

گروہ در گروہ اور صف بہ صف حرص اور عجلت کی وجہ سے — آگ سے بچنے والے ہیں پانی کی طرف دوڑنے والے ہیں

لاجرم ز آتش بر آوردند سر — اعتبار الاعتبار اے بے خبر

لامحالہ اُنہوں نے آگ میں سے سر اُبھارا! — اے بے خبر! عبرت حاصل کر، عبرت

بانگ میزد آتش اے گیجانِ گول — من نیم آتش منم چشمہ قبول

آگ پکارتی ہے اے بے وقوف احمقو! — میں آگ نہیں ہوں میں پسندیدہ چشمہ ہوں

چشم بندی[2] کردہ اند اے بے نظر — در من آ و ہیچ مندیش از شرر

اے اندھے! اُنہوں نے نظر بندی کر دی ہے — مجھ میں آ جا اور چنگاریوں کی فکر نہ کر

اے خلیل اینجا شرار و دود نیست — جز کہ سحر و خدعۂ نمرود نیست

اے خلیل! یہاں چنگاری اور دھواں نہیں ہے — سوائے نمرود کے دھوکے اور جادو کے کچھ نہیں ہے

چوں خلیلِ حق اگر فرزانۂ — آتش آبِ تست و تو پروانۂ

اگر تو اللہ کے خلیل کی طرح عقلمند ہے — آگ تیرا پانی ہے اور تو پروانہ ہے

جانِ پروانہ ہمی دارد ندے — کاے دریغا صد ہزارم پر بدے

پروانہ کی جان پکارتی ہے — کہ کاش میرے ہزاروں پر ہوتے

تا ہمی سوزید زآتش بے اماں — کوری چشم و دلِ نامحرماں

تاکہ وہ بے اماں آگ سے جل جائے — نامحرموں کی آنکھ اور دل کے اندھے پن کے سبب سے

بر من آرد رحم جاہل از خری — من برو رحم آرم از دانشوری

نادان کو گدھے پن سے مجھ پر ترس آتا ہے — میں عقلمندی کی وجہ سے اُس پر ترس کھاتا ہوں

---

[1] یمین۔ داہنا۔ مضمر: پوشیدہ۔ ذوقِ نقد یعنی دنیاوی لذتوں کا ذوق۔ مغبون: ٹوٹے میں مبتلا۔

[2] چشم بندی: نظر بندی۔ آتشِ نمرود: نمرود کی آگ حضرت خلیل اللہ کے لئے بظاہر آگ اور حقیقتاً گلزار تھی۔ ندے: آواز۔ خری: گدھا پن۔

خاصہ ایں آتش کہ جانِ آبہاست
خصوصاً وہ آگ جو پانی کی جان ہے

کارِ[١] پروانہ بعکسِ کارِ ماست
پروانہ کا معاملہ ہمارے معاملہ کے برعکس ہو

اُو بہ بیند نور و در نارے رود
وہ نور دیکھتا ہے اور آگ میں گرجاتا ہے

دل بہ بیند نار و در نورے شود
دل آگ دیکھتا ہے اور نور میں پہنچ جاتا ہے

اینچنیں لعب آمد از ربِّ جلیل
ربِّ جلیل کی جانب سے یہی کھیل ہے

تا بہ بینی کیست از آلِ خلیل
تاکہ تو دیکھ لے کہ خلیل کی اولاد میں سے کون ہے

آتشے را شکلِ آبی دادہ اند
آگ کو پانی کی شکل دے دی ہے

واندر آتش چشمہ بکشادہ اند
اور آگ کے اندر چشمہ جاری کر دیا ہے

ساحرے صحنِ برنجی را بہ فن
جادوگر جادوؤں کے طباق کو فن کے ذریعہ

می کند کرمش میانِ انجمن
انجمن میں اُس کو کیڑے بنا دیتا ہے

خانہ را اُو پُر ز کژدُم وانمود
گھر کو بچھوؤں سے بھرا ہوا دکھا دیتا ہے

از دمِ سحر و خود آں کژدم نبود
جادو کے اثر سے، حالانکہ وہ بچھو نہیں ہیں

چونکہ جادو می نماید صد چنیں
جبکہ جادو اس جیسی سینکڑوں باتیں دکھا دیتا ہے

چوں بود دستانِ جادو آفریں
تو جادو پیدا کرنے والے کی تدبیر کیسی ہوگی؟

لاجرم از سحرِ یزداں قرن قرن
لامحالہ خدا کے جادو سے گروہ در گروہ

اندر افتادند چوں زن زیرِ پہن[٢]
عورتوں کی طرح نیچے چت گرے ہیں

لاجرم از سحرِ یزداں مرد و زن
لامحالہ خدا کے جادو سے مرد و زن

رفتہ اندر چاہِ جاہِ بے رسن
پہنچ گئے ہیں جاہ کے بے رسی کے کنویں میں

ساحراں شاں بندہ بودند و غلام
جادوگر اُن کے بندے اور غلام تھے

اندر افتادند چوں صعوہ بدام
ممولے کی طرح جال میں پھنس گئے

ہیں نخواں قرآں ببیں سحرِ حلال
آگاہ! قرآن پڑھ لے حلال جادو کو دیکھ

سرنگونی مکرہائے[٣] کالجبال
(اور) پہاڑوں جیسے مکروں کے اوندھا ہونے کو

من نیم فرعون کایم سوئے نیل
میں فرعون نہیں ہوں کہ نیل (دریا) کی جانب آؤں

سوئے آتش میروم ہمچوں خلیلؑ
میں خلیلؑ (اللہ) کی طرح آگ کی طرف جاتا ہوں

نیست آتش ہست آں ماءِ معیں
آگ نہیں ہے، وہ بہتا پانی ہے

واں دگر از مکر آبِ آتشیں
اور دوسرا مکر کی وجہ سے آتشیں پانی ہے

پس[٥] نکو گفت آں رسولِ خوش جواز
اُس خوش رفتار رسولؐ نے خوب کہا ہے

ذرۂ عقلت بہ از صوم و نماز
تیرے لئے عقل کا ایک ذرہ روزے (اور) نماز سے بہتر ہے

---

[١] کارِ پروانہ۔ پروانہ نار کو نور سمجھ کر اُس میں گرتا ہے مومن نار کو نار سمجھ کر اُس میں داخل ہوتا ہے اور نور حاصل کر لیتا ہے۔ ساحرے۔ کسی چیز کا حقیقت کے خلاف نظر آنا مستبعد نہیں ہے جادوگر جادوؤں کو کیڑوں کی شکل میں دکھا دیتا ہے۔ صحن۔ طباق۔ جادو آفریں۔ اللہ تعالےٰ۔ قرن۔ گروہ۔

[٢] پہن۔ چت۔ چاہِ جاہ۔ یعنی جاہ پسندی کا کنواں بے رسن۔ یعنی گہرا کنواں۔ ساحراں شاں۔ ان گروہوں کے جادوگر بھی جادو آفریں کے جادو میں ممولے کی طرح پھنس کر رہ گئے۔

[٣] مکرہائے قرآن پاک میں ہے وَاِنْ کَانَ مَکْرُھُمْ لِتَزُوْلَ مِنْہُ الْجِبَالُ یعنی خدا نے اُنکے مکر کو برباد کر دیا اگرچہ ان کا مکر ایسا تھا کہ اُس سے پہاڑ ہل جائیں۔ من نیم۔ یہ نیز کا مقولہ ہے یا مولانا کا۔ فرعون۔ فرعون نیل کو خشکی سمجھ کر پانی میں ڈوبا حضرت خلیل اللہ آگ کو آگ سمجھ کر گلزار میں پہنچے۔

[٥] پس۔ یہ مولانا کا مقولہ ہے۔ جواز۔ رفتار۔ زانکہ۔ جبلتاً عقلِ شرعی کی تکمیل کے لئے فرض ہوئی ہیں۔ کہ حتماً شرعی اعتبار سے عقل ذائل ہیں ہے۔

زانکہ عقلت جوہر است ایں دو عرض
کیونکہ تیری عقل جوہر ہے یہ دونوں عرض ہیں

ایں دو در تکمیلِ آں شد مفترض
یہ دونوں اُس کی تکمیل کے لئے فرض کئے گئے ہیں

تا جلا باشد مر آں آئینہ را
تاکہ اُس آئینہ پر جلا ہو جائے

کہ صفا آید ز طاعت سینہ را
کیونکہ عبادت سے سینہ میں صفائی آتی ہے

لیک گر آئینہ از بُن فاسد است
لیکن اگر آئینہ اصل سے خراب ہے

صیقل آں را دیر باز آرد بدست
اُس پر صیقل دیر سے چڑھتی ہے

و آگزیں آئینہ کو اکیس است[۵۲]
وہ آئینہ نے جو زیادہ ذہین ہے

اَندکے صیقل گری اُو را بس است
اُس کے لئے تھوڑی صیقل گری کافی ہے

تفاوتِ عقول در اصل فطرت برخلاف معتزلہ کہ می گویند کہ
عقلوں کا فرق اصل فطرت سے ہے معتزلہ کے برخلاف جو یہ کہتے

در اصل عقولِ جزوی برابر اند ایں افزونی و تفاوت از
ہیں کہ دراصل شخصی عقلیں برابر ہیں اُن میں برتری اور فرق تعلیم اور

تعلیم ست و ریاضت و تجربہ
ریاضت اور تجربہ کی وجہ سے ہے

ایں تفاوت عقلہا را نیک داں
عقلوں کے اِس فرق کو خوب سمجھ لے

در مراتب از زمیں تا آسماں
مرتبوں میں زمین سے آسمان تک

ہست عقلے ہمچو قرصِ آفتاب[۵۳]
ایک عقل سورج کی ٹکیہ کی طرح ہے

ہست عقلے کمتر از زہرہ و شہاب
ایک عقل زہرہ اور ٹوٹنے والے تارے سے کم ہے

ہست عقلے چوں چراغِ سرخوشے
ایک عقل مست چراغ کی طرح ہے

ہست عقلے چوں ستارہ آتشے
ایک عقل آگ کے شعلہ کی طرح ہے

زانکہ ابر از پیشِ اُو چوں واجہد
کیونکہ جب ابر اُس کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے

نورِ یزداں بیں خرد ہا بر دہد
وہ عقلوں کو خدا کو دیکھنے والا نور عطا کرتی ہے

عقلہای خلق عکسِ عقلِ اُو
مخلوق کی عقلیں اُس کی عقل کا عکس ہیں

عقلِ اُو مشک ست و عقلِ خلق بُو
اُنکی عقل مشک ہے اور مخلوق کی عقل اُنکی خوشبو ہے

عقلِ کُل و نفسِ کُل مردِ خدا ست[۵۴]
مردِ خدا، عقلِ کُل اور نفسِ کُل ہے

عرش و کُرسی را مداں کز وے جدا ست
یہ نہ سمجھ کہ عرش اور کرسی اُس سے جدا ہے

مظہرِ حق ست ذاتِ پاکِ اُو
اُس کی پاک ذات خدا کا مظہر ہے

زُو بجو حق را و از دیگر مجُو
اُس سے اللہ کا طالب بن اور دوسرے سے نہ چاہ

---

۵۲ واگزیں۔ مولانا، مرشد کے لئے فرماتے ہیں کہ ایسے مُریدوں کو چُن لے جن کے دل تھوڑی سی صیقل سے چمک اٹھیں۔ ایں تفاوت۔ عقلوں میں فطری تفاوت ہے اور اُن کے مختلف مراتب ہیں۔

۵۳ قرص۔ ایک عقل کا نور سورج جیسا ہے اور دوسری عقل کا نور زہرہ وغیرہ ستاروں سے بھی کم ہے۔ زانکہ۔ عقلِ کُل یعنی ولی اللہ کی عقل کے سامنے سے جب ماسوی اللہ کا ابر ہٹ جاتا ہے تو وہ دوسری عقلوں کو خدا کو دیکھنے والا نور عطا کر دیتی ہے۔ عقلہائے۔ مخلوق کی عقلیں اُس کی عقل سے فیضیاب ہیں۔

۵۴ عقلِ کُل۔ عقلِ کُل حقیقت ملکی روحی ہے جس کا مظہر انسان ہے۔ زو بجو۔ انسانِ کامل جو مظہرِ عقلِ کل و نفسِ کل ہے اُس سے حق کی جستجو کر۔ عقلِ جزوی۔ عام انسان کی عقل بھی اگرچہ عقلِ کل سے مستفاد ہے لیکن دنیوی مشاغل نے اُس کو بے مقصد بنا دیا ہے۔ آں۔ یعنی عقلِ کامل نے اپنے آپ کو عشقِ حق کے جال کا شکار بنا کر صیاد کا حُسن سیکھ لیا یعنی وہ اخلاقِ خداوندی سے متصف ہو گئی اور عقلِ ناقص نے دوسروں کو جال میں پھانسنا چاہا، خود جال میں پھنس گئی۔ آں عقلِ کامل خادم بنکر مخدوم بنی، عقلِ ناقص نے مخدوم بننا چاہا تو عزت کے راستے سے بھٹک گئی۔ ز فرعونی۔ فرعون نے مخدومیت پسندی کی تو دریا

عقلِ جُزوی عقل را بدنام کرد
جزوی عقل نے عقل کو بدنام کر دیا ہے

کامِ دنیا مَرد را بے کام کرد
دنیاوی مقصد نے انسان کو ناکام کر دیا ہے

آں زصیدی حُسن صیّادے بدید
اُس نے شکار بن کر شکاری کا حُسن دیکھا

ویں زصیّادی غمِ صیدی کشید
اس نے شکاری بن کے شکار بن جانیکا غم اٹھایا

آں زخدمت نازِ مخدومی بیافت
اُس نے خدمت کے ذریعہ مخدوم ہونیکا ناز حاصل کرلیا

ویں زمخدومی زراہِ عزّ بتافت
اس نے مخدوم بنکر عزت کے راستہ سے منھ موڑ لیا

آں زفرعونی اسیرِ آب شُد
وہ فرعونیت کی وجہ سے پانی کا قیدی بن گیا

وز اسیری بسطِ از ارباب شُد
اور بسطی قیدی ہونے کی وجہ سے آقاؤں میں سے ہو گیا

لعبِ معکوس ست و فرزیں بند سخت
اُلٹا کھیل اور سخت فرزیں بند (چال) ہے

حیلہ کم کن کارِ اقبال ست و بخت
تدبیر نہ کر اقبال اور نصیبہ کا معاملہ ہے

بر خیال و حیلہ کم تَن تار را
خیال اور مکر کی بنا پر تانا نہ تن

کہ غنی رہ کم دہد مکّار را
(اللہ) بے نیاز مکّار کو راستہ نہیں دیتا ہے

مکر کُن در راہِ نیکو خدمتے
اچھی خدمت کی راہ میں تدبیر کر

تا نبوّت یابی اندر اُمّتے
تاکہ تو اُمّت میں (رہ کر) نبوّت (کا رتبہ) پالے

مکر کُن تا وارہی از مکرِ خود
تدبیر کر تاکہ تو اپنے مکر سے نجات پالے

مکر کُن تا فرد گردی از حسد
تدبیر کر تاکہ تو حسد سے علیحدہ ہو جائے

مکر کُن تا کمتریں بندہ شوی
تدبیر کر تاکہ تو ناچیز بندہ بنے

در کمی اُفتی خداوندہ شوی
کمی اختیار کرے گا، آقا بن جائے گا

رُوبہی و خدمتے اے گرگ کُہن
اے پُرانے بھیڑئیے! مکاری اور خدمت

ہیچ بر قصدِ خداوندی مکُن
آقائی کے خیال سے کبھی نہ کر

لیک چوں پروانہ در آتش بتاز
لیکن پروانہ کی طرح آگ میں دوڑ جا

کیسۂ زر بر مدوز و پاک باز
سونے کی تھیلی نہ سی اور پاک بن جا

زور را بگذار و زاری را بگیر
زور کو چھوڑ، زاری اختیار کر

رحم سوئے زاری آید اے فقیر
اے فقیر! رحم (خداوندی) عاجزی کی جانب آتا ہے

گر کُنی زاری بیابی رحمِ او
اگر تو عاجزی کرے گا اس کا رحم حاصل کریگا

رحمِ او در زاری خود باز جُو
اُس کا رحم اپنی عاجزی میں تلاش کر

زاریِ مُضطر کہ تشنہ معنوی ست
بھوکے پیاسے کی عاجزی حقیقی ہے

زاری سرد و دروغ آں غوی ست
جھوٹی، ٹھنڈی عاجزی، گمراہ کی ہے

گریۂ اِخوانِ یوسفؑ حیلتست
یوسفؑ کے بھائیوں کی عاجزی مکاری ہے

کاندروں شاں پُر زرشک و علّت ست
اُن کا باطن رشک و بیماری سے بھرا ہے

میں غرق ہو گیا بسطی خادم اور قیدی بنا تو آقاؤں میں شمار ہوا۔

۲ لعبِ معکوس یعنی خادمیت سے مخدومیت حاصل ہونا انسانی تدبیر سے ممکن نہیں ہے بلکہ فضلِ خداوندی پر موقوف ہے انسانی مکاری او تدبیر فضلِ خداوندی کے منافی ہے۔

۳ مکر کن۔ انسان خدمتگاری کی تدبیر اختیار کرے تو انبیا کے اخلاق سے متصف ہو جائیگا اور اُمتی ہوتے ہوئے اُس میں انبیا کے اوصاف پیدا ہو جائیں گے۔ مکر کن۔

۱ زور۔ اپنی تدابیر سے زور آزمائی نہ کر عاجزی اختیار کر اللہ تعالیٰ عاجزوں پر رحم فرماتا ہے۔ زاری حقیقی عاجزی ہو بناوٹی عاجزی سے مقصد پورا نہ ہوگا۔

۲ گریہ۔ برادرانِ یوسفؑ بھی مصنوعی رونا رو رہے تھے ایسی گریہ وزاری بیکار ہے حکایت۔ اس حکایت سے یہ سمجھایا ہے کہ اُس بدو کی طرح رونا بیکار ہے۔

شرح

ہم نے اوپر کہا تھا کہ تم اس عالم میں معاملہ برعکس دیکھو گے اب اس کی مزید توضیح سنو! ایک بزرگ سے دوسرے بزرگ نے کہا کہ آپ نے حق سبحانہٗ کو کس حالت میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے انہیں بے کیف دیکھا کیونکہ وہ کیف سے منزّہ ہیں۔ مگر سمجھانے کے لئے بطور تمثیل کہتا ہوں کہ میں نے انہیں اس حالت میں دیکھا کہ ان کے بائیں جانب آگ ہے اور دائیں طرف حوضِ کوثر اور بائیں ہاتھ کی طرف عالم سوز آگ ہے اور دائیں ہاتھ کی طرف عمدہ نہر۔ سو کچھ لوگ آگ کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور کچھ لوگ حوضِ کوثر کے شوق میں خوش اور مست ہیں لیکن ان لوگوں میں سے ہر بدبخت اور سعادت مند کے سامنے الٹا معاملہ تھا کیونکہ جو شخص آگ میں جاتا تھا وہ حوض کوثر میں جاکر نکلتا تھا۔ اور جو شخص پانی میں جاتا تھا وہ آگ میں دیکھا جاتا تھا۔ اور جو شخص دائیں جانب اور آب شیریں کی طرف جاتا تھا وہ بائیں طرف آگ میں سے نکلتا تھا۔

اور جو بائیں آگ والی جانب جاتا تھا وہ دائیں طرف نکلتا تھا چونکہ اس راز سربستہ سے بہت کم لوگ واقف ہوتے تھے اسلئے بجُز ان لوگوں کے جن کے سر پر خوش اقبالی کا مینہ برس رہا تھا۔ کیونکہ ایسے لوگ پانی کو چھوڑتے تھے اور آگ میں بھاگتے تھے۔ اور منشا اس کا یہ تھا کہ حق سبحانہٗ نے نفع عاجل کی چاٹ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی تھی اسلئے خواہ مخواہ لوگ اس تماشہ سے خسارہ میں پڑتے تھے۔ کیونکہ جوق درجوق اور صف بصف لوگ بطمع نفعِ عاجل آگ سے بچتے تھے اور پانی کی طرف جاتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ آگ میں جاکر نکلتے تھے جو کہ سراسر خسارہ تھا ـــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! اس تمثیل سے نصیحت حاصل کرو اور سمجھو کہ یہ تمثیل ہے۔ لذاتِ نفسانیہ اور مکروہاتِ نفسانیہ کی۔ کیونکہ لذاتِ نفسانیہ میں نفع عاجل ہے اور ضرر آجل۔ اور مکروہاتِ نفسانیہ

بالعکس ہیں کہ ان میں ضرر عاجل ہے اور نفع آجل ۔ بس تم لذاتِ نفسانیہ کو چھوڑ کر مکروہاتِ نفس کو اختیار کرو ۔ تاکہ تم کو راحت نصیب ہو ۔ اور الٹا کام نہ کرو ۔ اس نصیحت کو ختم فرما کر قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان بزرگ نے کہا کہ آگ بزبان حال کہہ رہی تھی کہ اے احمقو! میں آگ نہیں کہ تم مجھ سے احتراز کرو بلکہ میں قابلِ قبول چشمہ ہوں ۔ ارے اندھو! قضا وقدر نے بمصلحتِ امتحان نظر بندی کر رکھی ہے ۔ پس تم ہمارے اندر آؤ اور ضرر کا خوف نہ کرو ۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے مومن! یہاں نہ آگ سے حقیقتاً آگ ہے نہ دھواں ۔ بلکہ نظر بندی ہے حق سبحانہٗ کی جو کہ مشابہ ہے طلسم فریب نمرود سے ۔ جو اس نے خلیل علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا ۔

(فائدہ : خبر کہ سحر و خدعہ ... نمرود نیست کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ سحر اور فریبِ شیطان ہے واللہ اعلم) پس اگر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح عاقل ہے تو آگ میں گھس جا ۔ اور مکروہاتِ نفس کو اختیار کرلے کیونکہ یہ آگ (مکروہاتِ نفس) ہی تیرے حق میں پانی ۔ (موجبِ آرام) ہے اور تو حقیقت میں اس کا پروانہ اور اس سے نہ بھاگنے والا ہے اور اس پر عاشق اور طالب ہے ۔

دیکھو! پروانہ آگ پر عاشق ہوتا ہے تو اسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ بزبانِ حال کہتا ہے کہ اے کاش ! میرے لاکھوں پر ہوتے تاکہ ان سب کو اس آگ میں جلا دیتا ۔ گو نامحرم میری اس لذّت سے واقف نہ ہوں ۔ اور ان کی چشمِ بصیرت اور ان کے دل اندھے ہوں ۔

ناداں لوگ اپنے گدھے پن سے مجھ پر ترس کھاتے ہیں ۔ مگر میں اپنی دانائی سے ان پر رحم کھاتا ہوں اور کہتا ہوں ۔ افسوس یہ بیچارے اندھے ہیں اور انہیں میری لذت کی خبر نہیں ۔ پس جبکہ اس متعارف آگ کی یہ حالت ہے تو اس آگ کی جو عام

پانیوں سے ہزار گونہ بڑھ کر ہے کیا حالت ہوگی ۔ اور جب پروانہ کی اس آگ کے لحاظ سے وہ حالت ہے جو مذکور ہوئی تو ہماری اس آگ کے لحاظ سے کیا حالت ہونی چاہیئے کہ پروانہ کا معاملہ ہمارے معاملہ کے برعکس ہے ۔ چنانچہ وہ اسے نور اور راحت بخش سمجھتا ہے مگر حقیقت میں وہ نار بہت موذی ہوتی ہے اور دل اس آگ (مکروہات نفس) کو آگ یعنی مُضر سمجھتا ہے مگر جب اس میں گھستا ہے تو نور میں پہنچ جاتا ہے ۔ اور بے حد راحت پاتا ہے ۔

اب سنو! کہ حق سبحانہ' کے اس تماشہ کا منشا کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ لوگوں کا امتحان لے اور ظاہر ہو جائے کہ کون گروہ خلیل علیہ السلام سے اور مومن ہے اور کون نہیں ۔ اسلئے آگ کو پانی کی شکل عطا کی ہے اور آگ کے اندر چشمہ آب جاری کیا ہے یعنی راحت کو تکلیف میں مخفی کیا ہے اور تکلیف کو راحت میں ۔

شاید یہ مضمون کسی کی سمجھ میں نہ آئے اور وہ کہے کہ بھلا ایسا کیونکر ہوسکتا ہے تو اسکے لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک جادوگر چاولوں سے بھری صحنک کو بھری محفل میں کیڑوں سے پُر کر دیتا ہے اور چاولوں کو کیڑے بنا دیتا ہے اور لوگ ان چاولوں کو کیڑے ہی دیکھتے ہیں اور کیڑے ہی سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ واقع میں وہ چاول ہوتے ہیں ۔ اور گھر کو جادو کے زور سے بچھوؤں سے بھر دیتا ہے حالانکہ وہاں واقع میں بچھو نہیں ہوتے بلکہ محض نظر بندی ہوتی ہے ۔

پس جبکہ جادوگر ایسے ایسے سینکڑوں تماشے دکھلا سکتا ہے تو اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ خود حق سبحانہ' کا تصرف کیسا ہوگا ۔ جس نے جادوگر کو پیدا کیا اور اس میں یہ قوت رکھی ——— پس ثابت ہوا کہ حق سبحانہ' کا تصرف نہایت زبردست ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ حق سبحانہ' کی نظر بندی سے ہر زمانہ میں سینکڑوں جادوگر (عقلاء مدبرین) چاروں شانے چت گرے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ لاکھوں

مرد عورتیں حق سبحانہٗ کی نظربندی سے جاہ کے بے پناہ کنوئیں میں گر پڑے ہیں
اور باوجودیکہ لاکھوں ساحر انکے غلام تھے۔ مگر یوں جال میں پھنس گئے۔ جیسے
کمزور ممولا۔ اور جادوگروں کی جادوگری نے اس میں کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور حق سبحانہٗ
کے جال سے انہیں نہ بچا سکے۔ تم حق سبحانہٗ کے اس سحر حلال کا اثر قرآن میں پڑھ
لو۔ اور ساحروں کے پہاڑوں کی مانند زبردست جادوؤں کے سرنگوں دیکھ لو۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! میں تو خلیل علیہ السلام کی
طرح آگ کو پسند کرتا ہوں اور اسی میں جاؤں گا۔ میں فرعون نہیں ہوں کہ دریائے
نیل میں جاؤں۔ اور ہلاک ہوں کیونکہ جو آگ معلوم ہوتی ہے وہ آگ نہیں بلکہ۔۔
شیریں پانی ہے اور دوسرا جو پانی معلوم ہوتا ہے وہ پانی نہیں ہے بلکہ تصرفِ
حق سبحانہٗ سے آگ بشکل پانی ہے۔ اور یہ انتخاب اثر ہے میرے عقلِ سلیم کا۔
اسلیے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خوب فرمایا ہے کہ تھوڑی سی عقل
روزہ و نماز سے بہتر ہے کیونکہ عقل جوہر ہے اور یہ دونوں عرض۔ اور یہ دونوں اسی
کی تکمیل کے لیے فرض ہوئے ہیں تاکہ ان سے آئینۂ عقل کو جِلا ہو۔ کیونکہ یہ عبادت
ہیں اور عبادت کا خاصہ ہے کہ اس سے صفائے باطن حاصل ہوتی ہے پس لامحالہ
ان سے تجلیۂ عقل ہوگا۔ پس نماز و روزہ خادم ہوئے اور عقل مخدوم۔
لہٰذا عقل روزہ و نماز سے بہتر ہوئی۔

اس مقام پر یہ بھی سمجھ لو کہ عبادت کا خاصہ تصفیۂ باطن و تجلیۂ عقل ضرور ہے
مگر اختلاف منفعل سے اس کے اثر میں تفاوت لازم ہے اسی لیے جو آئینۂ
عقل بُدّ دِفطرت ہی سے خراب ہوتا ہے وہ صیقل گر کے بہت دیر میں قابو میں آتا
ہے اور اس کی اصلاح بہت مشکل سے ہوتی ہے لیکن جو اعلیٰ درجہ کا آئینۂ
عقل دانا اور سلیم الفطرت ہوتا ہے مگر اس پر غبارِ جہل وغیرہ پڑا ہوتا ہے وہ بہت

جلد صاف ہو جاتا ہے اور اس کے لئے تھوڑی سی ریاضت کافی ہو جاتی ہے
اب تم کو جملہ معترضہ کے طور پر سمجھنا چاہیئے کہ عُقول کے مراتب آپس میں زمین و
آسمان کا مثل ہے اور اس تفاوت کو تم کو غور سے سمجھنا چاہیئے۔
تفصیل اس تفاوت کی یہ ہے کہ محض عقول تو مثل قرص خورشید ہے اور بعض
عقلیں زہرہ ستارہ کی مانند ہیں اور کچھ چراغ روشن کی طرح اور کچھ چراغ مدّھم
کی طرح۔ جب یہ تفاوت معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ ہم نے اوپر کہا تھا کہ
جو آئینہ عقل دانا ہے اس کے لئے تھوڑی سی صیقل گری کافی ہے۔ سو وجہ اسکی
یہ ہے کہ ظلمت زنگ اسکی ذات میں نہیں ہوتی۔ بلکہ فی حد ذاتہ تو وہ روشن ہوتا ہے
لیکن اس پر پردہ پڑا ہوتا ہے۔ جو اس آفتاب کے لئے بمنزلہ ابر کے ساتر ہوتا ہے
پس جب ادنےٰ تحریک سے وہ حجاب مرتفع ہو جاتا ہے اور وہ ابر دور ہو
جاتا ہے تو اس کا خدائی نور ظاہر ہوتا ہے۔ اور دوسرے عقول کی تربیت
کرتا ہے۔ جس کی عقل کی حالت نہایت عظیم الشان ..... ہے کہ مخلوق کی عقول گویا کہ
اس کا عکس ہیں اور اسکی عقل گویا کہ مُشک ہے اور دوسروں کی عقول بُو یعنی
اسکی عقل متبوع ہے اور دوسروں کی عقول تابع اور یہ شان اہل اللہ کی ہے
لہٰذا یوں کہنا چاہیئے کہ عقل کل اور نفس کل اہل اللہ ہیں۔ اور تمام عقول و نفوس
ان کے اجزاء۔ بلکہ عرش و کرسی کو بھی ان سے جُدا نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اسکو بھی
انہی کے اجزاء خیال کرنا چاہیئے۔ اسلئے کہ لوگ حق سبحانہٗ کے جملہ صفات کے
مظہر تام ہیں اور اشیائے دیگر یا بعض صفات کے مظہر ہیں جیسے عرش و کرسی
وغیرہ یا کل صفات کے مگر حجاب کے ساتھ جیسا کہ مجذ ہیں۔ پس جبکہ ان کی
حالت یہ ہے تو تم کو انہی سے حق کو طلب کرنا چاہیئے۔ نہ کہ غیر سے۔ کیونکہ جو تعلق
ان کو حق سبحانہٗ سے ہے وہ اور کسی کو نہیں۔

خیر! تو اصلی اور حقیقی عقل تو وہی ہے جس ـــــــــــــــــ
کا اوپر بیان ہوا اور عقل دنیاوی حقیقت میں عقل نہیں بلکہ اس نے تو عقل کو بدنام ہی کیا ہے کیونکہ وہ نام میں تو اس کے ساتھ مشارک ہے۔ مگر صفت میں نہیں اسلئے اس کے نقص کو دیکھ کر مطلق عقل کے نقص کا شبہ ہوتا ہے اور مقصد دنیوی نے جو کہ اس عقلِ دنیوی کا مقتضیٰ ہے آدمی کو ناکام کیا کیونکہ وہ اس میں پھنسکر اپنے اصلی مقصد سے دُور ہو گیا۔

اس عقل یعنی عقلِ مجاز نے تو جسدِ عشق ہو کر صیادی کا لُطف پایا کہ ان کا مطلوب اسے مِل گیا اور یہ عقل دنیاوی صیاد مردم ہو کر خود جال میں پھنس گئی اور اُس نے تو حق سبحانہٗ کی اطاعت کر کے نازِ مخدومی عالم حاصل کیا۔ اور یہ مخدوم الناس بن کر عزّت و شرفِ حقیقی کی راہ سے منحرف ہو گئی۔

شاید تم کو تعجب ہو کہ خدمت کا نتیجہ مخدومی اور مخدومی کا اثر ذلت کیونکر ہو سکتا ہے۔ اسلئے ہم اس مضمون کو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں۔

سُنو! فرعون نے سرکشی کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی میں ڈوب گیا اور سبطی نے حق سبحانہٗ کی اطاعت کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے سلطنت مِل گئی۔ پس یہ اُلٹا کھیل اور سخت پیچ ہے ـــــ تم کو چاہیئے کہ مخدوم بننے کی تدابیر کو چھوڑ دو اسلئے کہ اس کا تعلق تدبیر سے نہیں ہے بلکہ قسمت سے ہے اور تم عقل و تدبر کے اعتماد پر کام نہ کرو کیونکہ اس سے کامیابی ناممکن ہے۔

دیکھو! دولت مند لوگ فقیر کا مکر نہیں چلنے دیتے۔ بشرطیکہ انہیں معلوم ہو جائے۔ پس خدائے علیم و خبیر تمہاری چالوں کو نہ چلنے دیگا۔ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ بالکل تدبیر چھوڑ دو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جو تدابیر مخالفتِ حق سبحانہٗ کے لیے کی جاتی ہیں انکو چھوڑ دو۔ اور اطاعتِ حق سبحانہٗ کے لئے ضرور تدابیر کرو اس کا

نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کو ایک ادنیٰ امتی یعنی خود اپنے اندر نبوت یعنی مرتبہ ارشاد ملے گا اور تم باوجود ایک عامی آدمی ہونے کے ولی اللہ ہو جاؤ گے۔

اور یہ تدبیر اس درجہ تک کرو کہ تم کو مرتبۂ فنا حاصل ہو جائے اور تم اپنی تدبیر سے چھوٹ جاؤ اور تمہاری شان ہو جائے کہ تمہاری تدبیر خدا کی تدبیر ہو جائے اور بے سمع و بے بصر الخ کے مرتبہ کو پہنچ جاؤ اور یہاں تک تدبیر کرو کہ تم حسد وغیرہ اخلاق رذیلہ سے پاک ہو جاؤ اور اس حد تک تدبیر کرو کہ تم حق سبحانہ کے عبد مسکین بن جاؤ اور تم اپنے کو گھٹاؤ تاکہ تم مخدوم ہو جاؤ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے اطاعت حق سبحانہ کرو کہ مخدوم ہو جاؤ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم پروانہ کی طرح بدون نتیجہ کے آگ میں گر جاؤ اور حق سبحانہ کی بے غرض اطاعت کرو مگر نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ تم مخدوم ہو جاؤ گے۔ ان دو باتوں میں بہت فرق ہے۔ غور سے سمجھو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ تم زور کو چھوڑ دو اور زاری کو اختیار کرو یعنی تدبیر خودی چھوڑو اور انقیاد حق سبحانہ اور تذلل اور تمسکن اختیار کرو اور اس صورت سے اس کا رحم طلب کرو۔ مگر یہ بھی سمجھ لو۔ انقیاد اور تذلل و تمسکن کی دو صورتیں ہیں ایک خلوص اور صدق دل سے دوسری بناوٹ اور مکر سے اول تو نتیجہ بخش ہے اور ثانی بے نتیجہ اور گمراہ کا فعل ہے۔

دیکھو! اخوانِ یوسفؑ کا یوسفؑ کے گم ہو جانے پر رونا جھوٹ اور فریب ہے، کیونکہ ان کا ان کے دل میں حسد اور رشک بھرا ہوا ہے جو مقتضی ہے خوشی کو نہ کہ رونے کو۔ برخلاف یعقوب علیہ السلام کے کہ ان کا رونا دل سے تھا بس یہی حالت تم طاعت کی سمجھو کہ وہ بھی دو قسم پر منقسم ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے لہٰذا تم گریۂ مکر نہ اختیار کرو۔ بلکہ گریۂ خلوص اختیار کرو۔

حکایت آں اعرابی کہ سگِ او از گرسنگی می مرد و انبانِ
اُس بدو کا قصہ جس کا کتا بھوک سے مر رہا تھا اور اُس کا تھیلا روٹیوں

او پُر نان بود و بر سگ نوحہ میکرد و شعر میگفت و میگریست
سے بھرا ہوا تھا اور کُتے پر نوحہ کر رہا تھا اور شعر پڑھتا تھا اور روتا

و طپانچہ بر سر و رُو میزد و دریغش می آمد کہ لقمۂ نان از اں انبان
تھا اور سر اور منہ پر طمانچے مارتا تھا اور اُسکو اس میں تأمل تھا کہ روٹی کا ٹکڑا

بسگ دہد و سوال کردنِ شخصے از و و جواب شنیدن از و
تھیلے میں سے کُتے کو دے اور ایک شخص کا اُس سے سوال کرنا اور اُس سے جواب سُننا

آں سگے می مُرد و گریاں آں عرب — اشک می بارید و میگفت اے کرب[۵۳]
کُتا مر رہا تھا اور وہ عرب رو رہا تھا — آنسو بہاتا تھا اور کہتا تھا، ہائے مصیبت

ہیں چہ سازم مر مرا تدبیر چیست — زیں سپس من چوں تو انم بے تو زیست
ہائیں کیا کروں میرے لئے کیا چارہ ہے؟ — اس کے بعد میں تیرے بغیر کیسے زندہ رہوں گا؟

سائلے بگذشت و گفت ایں گریہ چیست — نوحہ و زاری تو از بہر کیست
ایک سائل گذرا اور بولا یہ کیسا رونا ہے؟ — تیرا رونا اور گڑگڑانا کس چیز کے لئے ہے

گفت در مِلکم سگے بُد نیک خُو — نک ہمی میرد میانِ راہ او
اس نے کہا میری ملکیت میں ایک اچھی عادت کا کُتا تھا — وہ ابھی سڑک پر مر رہا ہے

روز[۵۵] صیادم بُد و شب پاسباں — شیرِ نر بود او نہ سگ اے پہلواں
وہ دن میں میرا شکاری اور رات کو محافظ تھا — اے نوجوان! وہ کُتا نہ تھا نر شیر تھا

تیز چشم و دزد راں و صید گیر — می دویدے در پئے صید او چو تیر
تیز نگاہ والا، چور کو بھگا دینے والا، شکار کو پکڑنے والا تھا — وہ شکار کے پیچھے تیر کی طرح دوڑتا تھا

صید میکردے و پاسم داشتے — دزد را نزدیک من نگذاشتے
وہ شکار کرتا اور میری حفاظت کرتا تھا — چور کو میرے پاس نہ آنے دیتا تھا

قانع و آزاد و تند و خصم راں — نیک خو و باوفا و مہرباں
صابر اور آزاد، تیز مزاج اور دشمن کو بھگانے والا تھا — نیک طبیعت اور باوفا اور مہربان تھا

گفت رنجش چیست زخمے خوردہ است — گفت جوع الکلب زارش کردہ است
اُس نے کہا اُس کو کیا مرض ہوا ہے زخم لگا ہے؟ — اُس نے کہا جوع الکلب نے اُسکو بدحال کر دیا ہے

گفت[۵۶] صبرے کن بریں رنج و حرض — صابراں را فضلِ حق بخشد عوض
اُس نے کہا اس رنج اور غم پر صبر کر — اللہ کی مہربانی صبر کرنے والوں کو عوض عطا کرتی ہے

۵۳ کرب۔ مصائب۔ بے تو۔ یعنی کُتے سے کہتا تھا۔ گفت۔ بدو نے رونے کی وجہ بتائی۔

۵۵ روز۔ یعنی دن میں میرے لئے شکار کرکے لاتا تھا رات کو میری حفاظت کرتا تھا۔ پاس۔ حفاظت۔ قانع یعنی تھوڑی خوراک پر گذارا کر لیتا تھا۔ جوع الکلب۔ کُتے کی بھوک۔

۵۶ گفت۔ اس شخص نے بدو سے کہا کہ کُتے کے مرنے پر صبر کر اللہ صابرین کو اچھا بدلہ دیتا رہتا ہے۔ حُر۔ آزاد۔ انبان۔ تھیلا۔ قُوت۔ مدد غذا۔

بعد ازاں گفتش کہ اے سالارِ حُر — چیست اندر پشت این انبانِ پُر
اِس کے بعد اُس نے کہا اے آزاد سردار! — کمر پر یہ بھرا ہوا تھیلا کیسا ہے؟

گفت نانِ و زاد و لوتِ دوشِ من — می کشم از بہرِ قوتِ این بدن
اُس نے کہا کل کی روٹی اور توشہ اور عمدہ کھانا ہے — اس جسم کی خوراک کے لئے اُٹھائے ہوئے ہوں

گفت چوں ندہی بداں سگ نان و زاد — گفت تا این حد ندارم مہر و داد
اُس نے کہا اس کُتے کو روٹی اور توشہ کیوں نہیں دیتا؟ — بولا اس حد تک مجھ میں محبت اور بخشش نہیں ہے

دستﷺ ناید بے درم در راہ ناں — لیک ہست آبِ دو دیدہ رائیگاں
راستہ میں روٹی بغیر پیسہ کے نہیں ملتی ہے — لیکن دونوں آنکھوں کے آنسو مفت کے ہیں

گفت خاکت بر سر اے پُر باد مشک — کہ لبِ ناں پیشِ تو بہتر ز اشک
اُسے کہا اے ہوا سے بھری ہوئی مشک! تیرے سر پر خاک — کہ روٹی کا ٹکڑا تیرے نزدیک آنسو سے بہتر ہے

اشک خون است و بغم آبے شدہ — می نیرزد خوں بخاک اے بیہدہ
آنسو خون ہے، جو غم سے پانی بن گیا ہے — اے بیہودہ! خون، خاک کی قیمت کا نہیں ہو

کُلِ خود را خوار کرد او چوں بلیس — پارۂ این کل نباشد جز خسیس
اُس نے اپنے آپ کو شیطان کی طرح ذلیل کر دیا — اِس کل کا جُزو ذلیل کے علاوہ کیا ہوگا؟

من غلامِ آنکہ نفروشد وجود — جز بداں سُلطانِ با افضال جُود
میں اُس کا غلام ہوں جو وجود کو نہ فروخت کرے — (کسی کو)، مہربانیوں اور سخاوت کے شاہ کے سوا

چوں بگرید آسماں گریاں شود — چوں بنالد چرخ یارب خواں شود
جب وہ رو پڑے تو آسمان رونے لگے — جب وہ فریاد کرے تو آسمان فریادی بن جائے

من غلامِ آں مسِ ہمت پرست — کہ بغیرِ کیمیا نارد شکست
میں اُس صاحبِ ہمت تانبے کا غلام ہوں — جو علاوہ کیمیا کے (کسی کے سامنے) عاجزی نہ دکھائے

دستِ اشکستہ بر آور در دُعا — سوئے اشکستہ پرد فضلِ خدا
دعا میں عاجز ہاتھ اُٹھا — اللہ (تعالیٰ) کا فضل عاجزی کی جانب اُڑ کر آتا ہے

گرﷺ رہائی بایدت زیں چاہِ تنگ — اے برادر رو بر آذر بے درنگ
اگر تجھے اس تنگ کنوئیں سے رہائی درکار ہے — اے بھائی! بلا تاخیر آگ پر چل پڑ

مکرِ حق را بین و مکرِ خود بہل — اے ز مکرش مکرِ مکاراں خجل
اللہ (تعالیٰ) کی تدبیر پر نظر رکھ اپنی تدبیر چھوڑ دے — اُس کی تدبیر سے مکاروں کا مکر شرمندہ ہے

چونکہ مکرت شد فنائے مکرِ رب — بر کشائی یک کمینے بو العجب
جبکہ تیری تدبیر اللہ (تعالیٰ) کی تدبیر میں فنا ہو گئی — تو ایک عجیب گھات (کی راہ) کشادہ کرے گا

---

۵۳ دست ناید۔ یعنی روٹی قیمت سے ملتی ہے آنسو مفت کے ہیں ان کو ٹپکنے کے لئے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اشک۔ یعنی میں خون آنسو بن جاتا ہے۔ خاک۔ یعنی روٹی جو مٹی سے پیدا ہوتی ہے۔ کل خود۔ اس بزرگ نے اپنے کو ذلیل کیا لہٰذا اس کے آنسو بھی اسی جیسے ذلیل ہیں

۵۴ آنکہ یعنی مرشد کامل۔ .... من غلام یعنی اُس مرشد کامل کا غلام ہوں جو ایسا باہمت کیمیا پرست ہے کہ وہ عاجزی کیمیا (یعنی ذات باری تعالیٰ) کے سامنے ہی کرتا ہے۔ دست اشکستہ۔ عجز و شکستگی کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو فضلِ خدا دوڑ کر آتا ہے۔

۵۵ گر رہائی۔ سابق مضمون کی طرف رجوع فرما کر کہتے ہیں کہ مجاہدات کی آتش کی طرف چل پڑ تب دنیا سے نجات ملے گی۔ خجل۔ شرمندہ چونکہ جب انسان اپنی تدبیر کو خدائی تدبیر میں فنا کر دیتا ہے تو عجیب راہیں کھل جاتی ہیں۔ کمینہ۔ اُن راہوں کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کو ابدی عروج اور بقا حاصل ہو جاتا ہے اور اس عروج کے بعد اُس کو علم لدنی حاصل ہو جاتا ہے۔

۵۶ مکر تو۔ انسان جب اُس مقام کو خوب سمجھ لیتا ہے تو اُسکے حصول کیلئے پوری کوشش کرتا ہے اور مغرور نہیں بنتا

ہے۔ در بیان۔ انسان کی خود بینی انسان کیلئے سب سے زیادہ مہلک ہے ہاں اگر وہ صفاتِ خداوندی سے متصف ہوگیا ہے تو پھر اُس کی خود بینی اپنی خود بینی نہیں رہتی ہے۔

کہ کمینہ ایں لمیں باشد بقا
کہ اس کمالات کا ادنیٰ (درجہ) بقا ہوتا ہے

تا ابد اندر عروج وارتقا
ہمیشہ عروج اور ترقی میں

از برائے ایں کمیں سعیے بکن
اس کمالات کے لئے کوشش کر

تا بری بوئے ز علمِ من لدن
تاکہ تجھے علم لدنی کی خوشبو حاصل ہو جائے

گر تو احوالِ عروجِ خویش را
اگر تو اپنے عروج کے احوال کو

نیک دانی نیک باشد مر ترا
اچھی طرح سمجھ لے تو تیرے لئے اچھا ہوگا

شرح اب مولانا گریہ دروغ کی نظیر میں ایک قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک کتا جان توڑ رہا تھا۔ اور ایک عرب اس کے پاس بیٹھا ہوا نالہ و فغاں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ارے میں کیا کروں اور کیا تدبیر کروں کہ تو بچ جائے۔ میں تیرے بغیر کیوں کر جیوں گا۔ اتفاقاً ایک شخص کا ادھر کو گذر ہوا۔ اور کہا کہ یہ رونا کیسا ہے اور یہ تیری گریہ زاری کس کے لئے ہے اُس نے جواب دیا کہ میرے ملک میں ایک کتا تھا جو بہت ہی نیک خصلت تھا۔ وہ رستہ میں مر رہا ہے۔ میں اس کے غم میں رو تا ہوں۔ کیونکہ وہ دن کو میرے لئے شکار کرتا تھا اور رات کو پاسبانی کرتا تھا اُسے کتا نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ وہ ایک شیر ببر تھا۔ اُس کی نظر نہایت تیز تھی۔ چوروں کو بھگاتا تھا۔ شکاری تھا اور شکار کے پیچھے یوں جاتا تھا جیسے تیر جاتا ہی وہ شکار کرتا تھا اور میرا خیال کرتا تھا یعنی خود نہ کھاتا تھا۔ بلکہ میرے لیے محفوظ رکھتا تھا۔

چور کو میرے پاس بھٹکنے نہ دیتا۔ قانع تھا۔ آزاد تھا۔ تیز تھا دشمن کو بھگاتا تھا۔ غرضکہ وہ نیک خصلت اور باوفا اور مہربان تھا اُس نے کہا کہ اس کو تکلیف کیا ہے کیا کوئی زخم لگ گیا ہے کہا نہیں۔ بلکہ بھوک نے اُسے مار رکھا ہے اُس نے یہ خیال کر کے کہ کھانا نہیں ہے۔

اس نے کہا کہ اس تکلیف اور مرض الموت پر صبر کرو۔ حق سبحانہٗ تمہیں اس کا بدلہ دیں گے۔ کیونکہ وہ صابروں کو نعم البدل عطا فرماتے ہیں اس کے بعد اسے کچھ شبہ ہوا اور پوچھا کہ۔ تمہارے ہاتھ میں یہ بھرا ہوا تھیلا کیسا ہے اُس نے کہا کہ اس میں میرا کل کا کھانا ہے اسکو میں اپنے جسم کے غذا کے لئے لئے جاتا ہوں اُس نے کہا کہ اس کھانے میں سے تم اسے کیوں نہیں دیتے اُس نے کہا کہ جناب! مجھے اتنی محبت نہیں ہے روٹی تو راہ میں بدوں ٹکوں کے ہاتھ نہ لگے گی۔ اور

آنسو مفت ہیں اسلیئے بجائے روٹی کے آنسو خرچ کرتا ہوں۔ اُسنے کہا او! نمائشی اور بناوٹی شخص! تیرے سر پہ خاک! کہ تیرے نزدیک روٹی کا ٹکڑا آنسوؤں سے بہتر ہے۔ ارے نالائق! تو آنسو کی حقیقت جانتا ہے کیا ہے؟

سُن لو! آنسو وہ خون ہے جو کہ غم سے پانی بن گیا ہے تجھے واضح ہو کہ خون کی قیمت خاک (نان) نہیں ہو سکتی تو نے اسکو بہت سستا بیچ ڈالا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحب گریہ دروغ کی بھی ایسی حالت ہے جیسے اس کُتے والے کی۔ اور اسنے اپنے کل کو ذلیل کرلیا۔ کیونکہ اُسنے اطاعت حق سُبحانہٗ چھوڑ دی۔ اسلیئے اس کے آنسو بھی بے قدر ہو گئے۔

کیونکہ ذلیل کُل کا جُزو بھی ذلیل ہی ہونا چاہیئے۔ پس میں ایسے ذلیل شخص کی کوئی وقعت نہیں کرسکتا۔ میں تو اس شخص کا غلام ہوں جو اپنا وجود سوائے حق جَلّ وعلا شانہٗ کے جو کہ صاحب افضال وجود ہیں دوسرے کے ہاتھ نہ بیچے؛ اور خدا کے سوا کسی کا غلام نہ ہو اور جس کے وقعت کی یہ حالت ہو کہ جب وہ روئے تو آسمان بھی رونے لگے اور جب وہ روئے تو آسمان بھی اسکے لئے دست بدعا ہے اور میں اس عالی ہمت تانبے کا غلام ہوں۔ جو بدوں کے کسی چیز سے شکستہ نہ ہو۔

یعنی اُس آدمی کو مانتا ہوں جو حق سُبحانہٗ کے سوا کسی کے سامنے اپنے کو ذلیل نہ کرے ——— خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب ہم پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم تذلل اختیار کرو۔ اور اپنے دست تضرع کو دعا کے لیے اُٹھاؤ کیونکہ متذلل و متمسکن ہی کی طرف فضل خدا متوجہ ہوتا ہے۔

اور اگر تم کو اس چاہ تنگ ناسوت سے نجات پانے کی خواہش ہے تو بے دھڑک آگ میں گھس جاؤ اور مکروہات نفس کو اختیار کرو۔ اور اے ایسے مدبرو! جن کی تدبیر کے سامنے بڑے بڑے مدبرین کی تدابیر شرمندہ ہیں: تم حق سبحانہٗ کی تدبیر کو پیش نظر رکھو۔ اور سمجھو کہ اسکے سامنے تمہاری نہ چلے گی۔ اسلیئے اپنی تدبیر کو جو اس

کے مخالف ہو چھوڑ دو۔ اور وہ تدبیر کرو۔ جس کو وہ پسند کرتا ہے پس جبکہ تم اس کی تدبیر میں اپنی تدبیر کو فنا کردو گے اور اپنی تدابیر کو اسکی تدبیر کا تابع کردو گے۔ تو وہ... تمہارے لیے ایک عجیب کمین گاہ کھول دیگا۔ جس میں سے تم بہت بڑے بڑے مقاصد پر فتحمند ہوسکو گے اور جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تم کو بقا باللہ حاصل ہوگی۔ اور ہمیشہ تم کو عروج اور ترقّی روحانی ہوتی رہے گی۔ پس تم اس کمین گاہ کے حاصل کرنے کے لیے سعی کرو۔ تاکہ تم کو علمِ لدُنّی اور وہبی حاصل ہو۔

دَربیانِ آنکہ ہیچ چشمِ بدآدمی راچناں مہلک نیست کہ چشمِ پسندِ خویشتن مگر کہ چشمِ او مبدل شدہ باشد بنورِ حق کہ ——— بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ واز خویشتن او بیخویش شدہ باشد

اس کا بیان کہ آدمی کے لئے کوئی نظرِ بد ایسی مہلک نہیں ہے جیسے کہ خود پسندی کی نظر ہاں اگر اُس کی آنکھ اللہ کے نور سے تبدیل ہوگئی ہو، کیونکہ (فرمایا گیا ہے) وہ میرے ذریعہ سُنتا ہے اور میرے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ اور وہ خود سے بیخود ہوگیا ہو۔

پرِّ طاوست مبین و پائے بیں[1] ... تاکہ سوءُ العین نکشاید کمیں

اپنے طاؤسی پر کو نہ دیکھ پاؤں کو دیکھ ... تاکہ نظرِ بد گھات نہ کھولے

کہ بلغزد کوہ از چشمِ بداں ... یُزْلِقُوْنَکَ از نُبیٔ برخواں عیاں

کیونکہ بد نظروں سے پہاڑ بہ جاتا ہے ... وہ تجھے پھسلا دینگے، قرآن میں صاف پڑھ لے

احمدِ چوں کوہ لغزید از نظر ... درمیانِ راہِ بے گِل بے مطر

پہاڑ جیسے احمد نظر سے پھسل گئے ... ایسے راستہ میں، جو بغیر کیچڑ اور بارش کے تھا

در عجب درماند کایں لغزش زچیست ... من نہ پندارم کہ ایں حالت تہیست

وہ تعجب میں رہگئے کہ یہ پھسلن کس چیز سے تھی ... میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیفیت خاص، حال خالی ہو

تا بیامد آیت و آگاہ کرد[2] ... کاں ز چشمِ بد رسیدت و زنبرد

یہانتک کہ آیت نازل ہوئی اور خبردار کردیا ... کہ وہ نظرِ بد اور خصومت سے ہوئی

گر بدے غیرِ تو در دم لا شدے ... صیدِ چشم و سخرۂ افنا شدے

اگر تیرے سوا کوئی ہوتا فوراً ہلاک ہوجاتا ... نظر کا شکار اور فنا کے تابع ہوجاتا

معنیِ چشمِ بد آخر باز داں ... اِنْ یَکَاد از چشمِ بد نیکو بخواں

بالآخر نظرِ بد کے معنیٰ سمجھ لے ... نظرِ بد کے سلسلہ میں اِنْ یَکَاد پڑھ لے

---

[1] پرِّ طاؤست۔ انسان کو اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہیئے ورنہ اُس کی نیکیوں کو نظرِ بد لگ جائے گی۔ کہ بلغزد۔ نظرِ بد کی بہت بُری اور بڑی تاثیر ہے۔ یُزْلِقُوْنَکَ قرآن پاک میں ہے۔ "اِنْ یَکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ" اور قریب ہے کہ وہ تمہیں اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں۔ بے گِل۔ نہ راستہ میں کیچڑ تھی نہ بارش۔ در عجب۔ اِس حالت میں پھسلنے سے آنحضورؐ کو تعجب ہوا۔

[2] تا بیامد۔ آنحضورؐ کو پھسلنے کی وجہ وحیِ خداوندی سے معلوم ہوئی۔ گر بدے۔ آنحضورؐ سے کہا گیا کہ یہ نظرِ بد اس قدر سخت تھی کہ تم تو صرف پھسلے اگر کوئی اور ہوتا تو ہلاک ہی ہو جاتا۔ معنیِ چشمِ بد۔ اس آیت کو پڑھ کر نظرِ بد کی حقیقت سمجھ لو۔ آنحضورؐ چونکہ معصوم تھے لہٰذا ان پر اس کا اثر محض ذہنی تاثیر دکھانے کیلئے ہوا تھا۔

لیک آمد عصمتے دامن کشاں
لیکن دامن کھینچتی ہوئی حفاظت آپہنچی

دیں کہ لغزیدی بُداز بہرِ نشاں
یہ جو آپ پھسلے، پہچان کے لئے تھا

عبرتے[۵۴] گیر اندراں گہ کُن نگاہ
عبرت حاصل کرلے اِس عِلاقہ کو دیکھ

برگِ خود عرضہ مکن اے کم زکاہ
اے تنکے سے کم! اپنی شان نہ دکھا

تفسیر آیت وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ
اور قریب ہیں کافر کہ تمہیں اپنی نظروں سے پھسلادیں جبکہ اُنھوں نے ذکر سُنا اور
وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ
کہتے ہیں بے شک وہ مجنون ہے اور نہیں ہے وہ مگر جہانوں کا ذکر" آیت کی تفسیر

یارسول اللہ دراں وادی کساں
اے اللہ کے رسولؐ! اِس وادی میں ایسے لوگ ہیں

میزنند از چشمِ بد بر کرگساں
جو گِدھوں پر نظرِ بد لگا دیتے ہیں

از نظر شاں کلّہ شیرِ عریں
اُن کی نظر سے جھاڑی کے شیر کی کھوپڑی

وا شگافد تا کُند آں شیر انیں
پھٹ جاتی ہے یہانتک کہ وہ شیر روتا ہے

بر شتر[۵۵] چشم افگند ہمچوں حمام
اونٹ پر موت جیسی نظر ڈالتا ہے

وانگہاں بفرستد اندر پے غلام
اور بعد میں غلام کو بھیج دیتا ہے

کہ برو از پیہ ایں اُشتر بخر
(کہتا ہے) کہ جا اُس اونٹ کی چربی خرید لا

بیند اُشتر را سقط اُو راہ در
وہ راستہ میں اونٹ کو مُردہ دیکھتا ہے

سر بُریدہ از مرض آں اُشترے
مرض کی وجہ سے اُس اونٹ کی گردن کٹی ہوئی ہو

کو تگ با اسپ میکردے مرے
جو دوڑ میں گھوڑے کا مقابلہ کرتا تھا

کز حسد وز چشمِ بد بے ہیچ شک
بے شبہ حسد اور نظرِ بد سے

سیر و گردش را بگرداند فلک
آسمان رفتار اور گردش کو اُلٹا کر دیتا ہے

آب پنہان ست و دولاب آشکار
پانی پوشیدہ ہے اور رہٹ ظاہر ہے

لیک در گردش بُود آب اصلِ کار
لیکن گردش میں پانی کام کی جڑ ہے

چشمِ نیکو[۵۶] شد دوائے چشمِ بد
نظرِ بد کی دوا اچھی نظر ہے

چشمِ بد را لاکُند زیرِ لگد
جو نظرِ بد کو پاؤں کے نیچے معدوم کر دیتی ہو

سبق رحمت راست وآں از رحمت است
رحمت کو سبقت حاصل ہے اور یہ (خدا کی) رحمت سے

چشمِ بد محصولِ قہر و لعنت است
نظرِ بد، قہر اور لعنت کا نتیجہ ہے

رحمتش بر نقمتش غالب شود
اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب آجاتی ہو

چیرہ زاں شُد ہر نبی بر خصمِ خود
اِسی لئے ہر نبی اپنے مخالف پر غالب ہو گیا

[۵۴] عبرتے۔ آنحضورؐ کے اِس واقعہ سے عبرت حاصل کرو جبکہ آنحضورؐ جیسے کوہ پر اسکا یہ اثر ہوا تو اپنی گھاس جیسی حیثیت پر اس کی تاثیر کو سمجھ لو۔ یارسول۔ لوگوں نے آنحضورؐ سے عرض کیا کہ اِس وادی کے لوگ بلند پرواز گِدھ کو بھی اپنی بدنظر سے متاثر کر دیتے ہیں۔ از نظر۔ ان کی نگاہوں میں یہ اثر ہے کہ شیر کی کھوپڑی شق ہو جاتی ہے

[۵۵] بر شتر۔ اگر کسی اونٹ کا گوشت اُن کو پسند آتا ہے۔ تو اُس پر اپنی نگاہ ڈال کر فوراً غلام کو اُس کا گوشت خریدنے کے لئے روانہ کر دیتے ہیں۔ کز حسد۔ حسد اور نظرِ بد کے اثر سے آسمان کی گردش اُلٹی ہو جاتی ہے۔ آب پنہاں۔ چشمِ بد کی تاثیر اگرچہ بظاہر چشمِ بد سے متعلق ہے لیکن اصل سبب تقدیرِ الٰہی ہے جو مخفی ہے جس طرح دولاب بظاہر متحرک نظر آتا ہے لیکن حرکت کا اصل سبب پانی ہے۔

[۵۶] چشمِ نیکو۔ چشمِ بد کی اُس تاثیر کو عارف کی نظر فنا کر دیتی ہے۔ سبقِ رحمت۔ نظرِ بد کی تاثیر قہرِ الٰہی ہے اور نیک نظر کی تاثیر رحمتِ الٰہی ہے اور رحمت قہر پر غالب ہے۔

گو نتیجہ رحمت ست و ضدِ اُو — از نتیجہ قہر بود آں زشت رُو
کیونکہ وہ رحمت کا نتیجہ ہے اور اُس کی ضد — بدصورت قہر کا نتیجہ ہے

حرصِ بط یکتاست و ایں پنجاہ تاست — حرصِ شہوت مار و منصب اژدہاست
بطخ کی حرص اکہری اور یہ پچاس گُنا ہے — شہوت کی حرص سانپ ہے، اور جاہ (کی حرص) اژدہا ہے

حرصِ بط از شہوتِ حلق ست و فرج — در ریاست بیست چنداں ست درج
بطخ کی حرص حلق اور شرمگاہ کی شہوت کی وجہ سے ہے — حُبِ جاہ میں اس کا بیس گنا داخل ہے

از الوہیت زند در جاہ لاف — طامعِ شرکت کجا باشد معاف
خدائی کی وجہ سے مرتبہ کی ڈینگیں مارتا ہے — شرک کا لالچی کہاں معاف ہوتا ہے؟

زلتِ آدم ز اِشکم بود و باہ — وآں ابلیس از تکبر بود و جاہ
حضرت آدم کی لغزش پیٹ اور باہ کی وجہ سے تھی — اور شیطان کی آن تکبر اور جاہ کی وجہ سے تھی

لاجرم اُو زود استغفار کرد — وآں لعیں از توبہ استکبار کرد
لامحالہ انہوں نے جلد توبہ کر لی — اور اُس ملعون نے توبہ سے تکبر کیا

حرصِ حلق و فرج ہم خود بدرگیست — لیک منصب نیست آں اِشکستگی ست
حلق اور شرمگاہ کی حرص بھی بدذاتی ہے — لیکن وہ جاہ نہیں ہے وہ تواضع ہے

بیخ و شاخِ ایں ریاست را اگر — باز گویم دفترے باید دگر
جاہ کی جڑ اور شاخ کو اگر — بیان کروں تو ایک دوسرا دفتر چاہیے

اسپ سرکش را عرب شیطانش خواند — نے ستورے را کہ در مرعیٰ بماند
عرب نے سرکش گھوڑے کو شیطان کہا ہے — نہ کہ اُس گھوڑے کو جو چراگاہ میں رہا

شیطنت گردن کشی بُد در لغت — مستحقِ لعنت آمد ایں صفت
شیطنت لغت میں سرکشی ہے — یہ صفت لعنت کی مستحق ہے

صد خورندہ گنجد اندر گردِ خواں — دو ریاست جُو نگنجد در جہاں
ایک خوان کے گرد سو کھانے والے سما جاتے ہیں — دو سلطنت کے طالب دنیا میں نہیں سماتے ہیں

آں نخواہد کیں بُود بر پشتِ خاک — تا ملک بکشد پدر را ز اشتراک
وہ نہیں چاہتا کہ یہ روئے زمین پر رہے — شرکت کے ڈر سے بادشاہ باپ کو قتل کر دیتا ہے

آں شنیدستی کہ الملک عقیم — قطعِ خویشی کرد ملکت جُو ز بیم
تو نے یہ سنا ہے کہ سلطنت بانجھ ہے — سلطنت کے طلبگار نے خوف سے اپنائیت کو ختم کر دیا ہے

کہ عقیم است و ورا فرزند نیست — ہمچو آتش با کَسش پیوند نیست
کیونکہ وہ بانجھ ہے اور اُسکے اولاد نہیں ہے — آگ کی طرح اُس کا کسی سے رشتہ نہیں ہے

---

۳۹ گو نتیجہ۔ نبی رحمت ہے اور کافر قہر کا مظہر ہے۔ حرص بط۔ حُبِ جاہ کی بیماری شہوت بطن سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ از الوہیت۔ حُبِ جاہ میں الوہیت میں شرکت کا دعویٰ ہے اور شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ زلّت۔ حضرت آدمؑ کی لغزش شہوت بطن و باہ کی وجہ سے تھی شیطان کی معصیت حُبِ جاہ کی وجہ سے تھی۔

۴۰ لاجرم۔ حضرت آدمؑ کی غلطی کا اثر زائل ہو گیا۔ شیطان معصیت میں مبتلا رہا۔ حرصِ حلق۔ کھانے اور شرمگاہ کی شہوت میں عموماً انکساری سے کام لینا پڑتا ہے۔ بیخ۔ حُبِ جاہ کی مذمت کے لئے دفتر درکار ہے۔ اسپ سرکش۔ سرکش گھوڑے میں تکبر اور جاہ طلبی ہے اُس کو شیطان کہا جاتا ہے گدھے، خچر میں شہوت بطن ہے اُس کو شیطان نہیں کہا جاتا۔

۴۱ شیطنت۔ لغت میں شیطنت سرکشی اور تکبر کو کہا جاتا ہے اسی لئے یہ صفت لعنت کی مستحق ہے۔ صد۔ کھانے والے ایک دسترخوان پر دس جمع ہو جاتے ہیں لیکن دو بادشاہ دنیا میں بھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ آں نخواہد ہر بادشاہ کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ تنہا ساری دنیا پر سلطنت کرے۔

۴۲ آں شنیدستی۔ بادشاہت کو بانجھ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ شرکت کے ڈر سے سب رشتے کاٹ دیتا ہے۔ ہمچو آتش۔۔۔

ہر چہ یابد آں بسوزد بر دَرد	چوں نیابد ہیچ خود را میخورد
وہ جس کو پاتی ہے جلادیتی ہے پھاڑ دیتی ہے	جب کسی کو نہیں پاتی ہے خود کو کھا لیتی ہے
ہیچ شو وارہ تو از دندانِ اُو	رحم کم جو از دلِ سندانِ او
لاچیز بن جا اُس کے دانتوں سے نجات پا جا	اُس کے اَہرن (جیسے) دل سے رحم تلاش کر
چونکہ گشتی ہیچ از سنداں مترس	ہر صباح از فقرِ مطلق گیر درس
جب تو ناچیز بن گیا اہرن سے نہ ڈر	ہر صبح کو فقر مطلق سے سبق حاصل کرلے
ہست[1] الوہیت ردائے ذوالجلال	ہر کہ در پوشد بر اُو گردد وبال
الوہیت اللہ (تعالیٰ) کی چادر ہے	جو اوڑھتا ہے وہ اُس کے لئے وبال بنجاتی ہے
تاج ازآنِ اُوست وآنِ ما کمر	وائے اُو کز حد خود دارد گذر
تاج اُس کی ملکیت ہے اور ہماری ملکیت پیٹی ہو	اُس کے لئے تباہی ہے جو اپنی حد سے بڑھے
فتنۂ تُست ایں پرِ طاؤسیت	کاشتراکت باید و قدوسیت
تیرا یہ طاؤسی پر تیرے لئے فتنہ ہے	کیونکہ تجھے شرکت اور قدوسیت درکار ہے

[1] ہست کبریائی اور الوہیت اللہ تعالیٰ کی چادر ہے جو اس کو اوڑھے گا اُس کے لئے وہ وبال بنے گی۔ تاج۔ تاج خدا کی ملکیت ہے ہمارے لئے خدمتگذاری کی پیٹی ہے فتنہ۔ کبر و غرور جو پر طاؤس ہے یہ خدائی میں شرکت کا دعویٰ ہے۔

شرح

اوپر تحصیل عروج روحانی کی ترغیب دی تھی مگر چونکہ عروج مذکور کی حالت میں عجب کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے اس کی اصلاح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تم کو عروج روحانی حاصل ہوجائے تو تم کو چاہیئے کہ حالات عروج نو... کو ٹھیک طور پر جانو۔ یعنی اس کو اس طرح نہ جانو کہ اسسے عجب پیدا ہو بلکہ اس طرح جانو کہ عجب نہ پیدا ہو کیونکہ اگر تم اس کو اس طرح جانوگے تو تمہارے لئے شر ہوگا۔

پس جبکہ تم کو یہ دولت حاصل ہوجائے تو تم کو اپنی خوبیوں پر نظر نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ تم کو اپنے عیوب پر نظر کرنی چاہیئے تاکہ تمہیں اپنی نظر نہ ہو جائے اور اسسے تمہارے کمالات کو صدمہ نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ نظر بد بہت بُری بلا ہے اسسے پہاڑ کو لغزش ہوجاتی ہے آدمی تو کیا چیز ہے۔

تائید کے لیے ان یکاد الذین کفروا لیزلقونك بابصارهم پڑھ لو۔ شان نزول اس آیت کا (علی ماروی واللہ اعلم بصحتہ) یہ ہے

کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ وقار میں مانندِ کوہ تھے ان کو اثرِ
نظرِ بد سے درمیان راہ لغزش ہوئی۔ حالانکہ نہ وہاں کیچڑ تھا اور نہ بارش
یہ حالت دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا کہ یہ بے وجہ
لغزش کیسی! میں نہیں سمجھتا کہ یہ حالت بھید سے خالی ہو۔ بلکہ ضرور اس
میں کوئی نہ کوئی راز ہے آخر کار وحی آئی اور آپ کو مطلع کیا کہ یہ صدمہ آپ
کو نظرِ بد اور اس کی مزاحمت سے پہنچا ہے اگر کوئی اور ہوتا تو فوراً فنا ہو جاتا
اور چشم بد کا شکار اور منقاد فنا ہو جاتا۔ مگر عصمت وحفظ خداوندی آ پہنچی جس نے
آپ کو بچا لیا اور یہ بات کہ جب عصمت حق سبحانہٗ تھی تو پھر لغزش ہی کیوں ہوئی
سو اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو اثر نظرِ بد کا پتہ لگ جائے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس بات سے تم کو نظر بد کی حقیقت معلوم ہونی
چاہیئے اور چشم بد سے محفوظ رہنے کی آیت ان یکاد الخ کو پڑھنا چاہیئے کیونکہ
اس میں دفع نظر کی خاصیت ہے اور اس کوہ وقار یعنی جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو دیکھ کر اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور تم جو کہ
برگ کاہ سے بھی کم وزن ہو۔ تم کو چاہیئے کہ اپنے کو صرصرِ چشم بد کے مقابلہ میں لاؤ

خیر یہ مضمون تو بطور جملہ معترضہ کے تھا — اب سنو! کہ حق سبحانہٗ نے
فرمایا کہ اے ہمارے رسول اس وادی میں کچھ لوگ موجود ہیں۔ جو بلند پرواز کرگسوں پر بھی
اپنی نظر بد کا اثر پہنچاتے ہیں ان کی نظر میں شیرانِ بیشہ کا غول درہم برہم ہو جاتا ہے
تا آنکہ وہ شیر رو دیتے ہیں۔ اور یہ لوگ موت کی طرح اونٹ پر نظر ڈالتے ہیں اسکے
بعد اپنے کمالِ تاثیر کے اعتماد پر اس کے پیچھے آدمی بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں جاؤ اس
اونٹ کی چربی خرید لاؤ۔ چنانچہ وہ جاتا ہے اور اونٹ کو رستہ میں پڑا پاتا ہی
اور وہ اونٹ جو دوڑ میں گھوڑوں کا مقابلہ کرتا تھا ایک لحظہ میں بیمار ہو کر مر جاتا ہی

یا ذبح ہو جاتا ہے کیونکہ نظر بد بُری بلا ہے اس میں یہ اثر ہے کہ اس کے ذریعہ سے آسمان کی گردش بدل سکتی ہے (و ہو مبالغۃ فی عظیم التاثیر و ہذا ہو الصحیح لا ما قال ولی محمد راڈا علیہ بالنظر الی قولہ ہیچ مشک وقال ان ہذہ اللفظۃ ینادی با علی ندار ان المقصود ہو التحقیق۔ لا المبالغۃ)

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اجی کیسی چشم بد۔ مؤثر تو فی الحقیقت ارادۂ خداوندی ہے اور چشم بد تو اسکے تابع ہو کر مؤثر ہے۔ اسلئے یوں کہنا چاہیئے کہ پانی (ارادہ الٰہی) مخفی ہے۔ اور پنچکی (چشم بد) ظاہر۔ مگر حرکت میں اصل پانی ہے اور پنچکی کی حرکت تو اسکے تابع (ہذا ہو المراد فلا نلتفت الی ما قال ولی محمد)

جب یہ مضامین استطرادیہ ختم ہو چکے تو ہم پھر ماسبق کی طرف غور کرتے ہیں۔ کہ تم اپنی نظر کو ٹھیک رکھو تاکہ نظر بد سے محفوظ رہو۔ کیونکہ نظر نیک علاج ہے نظر بد کا۔ اور یہ نظر اس نظر بد کو فنا کر دیتی ہے کیونکہ چشم نیک اثر ہے رحمت کا اور چشم بد نتیجہ ہے قہر و لعنت کا۔ اور حق سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اس بنا پر چشمِ نیک چشم بد پر غالب ہو گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء اپنے دشمنوں پر غالب ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء رحمت سے پیدا ہوتے ہیں اور مخالفین قہر و غضب سے۔ اسلئے انبیاء کو ان پر غالب ہونا چاہیئے۔

یہاں سے مقصد اصلی یعنی مذمتِ جاہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حرص جاہ نہایت ہی بد بلا ہے۔ حرص بط (یعنی حرص کا موزون، جماع) تو ایک ہی درجہ میں خطرناک ہے اور یہ یعنی حرص جاہ اس سے پچاس گونہ بڑھی ہوئی ہے اور ان دونوں حرصوں میں وہی نسبت ہے جو سانپ اور اژدھے میں۔ پس حرص شہوت تو بمنزلہ سانپ کے ہے اور حرص منصب و جاہ بمنزلہ اژدھے کے۔ کیونکہ طالب جاہ۔ جاہ کی حالت میں گویا کہ وہ

مدعی الوہیت ہوتا ہے اور سبب اسکا یہ ہے کہ بڑائی حق سبحانہٗ کی صفت ہے اور وہ اسے
اپنے ہی ساتھ مختص رکھنا چاہتے ہیں اور کسی کو اس میں شرکت کی اجازت نہیں
دیتے۔ پس جبکہ کوئی شخص طالبِ جاہ ہوتا ہے تو وہ اس صفت میں حق سبحانہٗ
کا شریک بننا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ طالبِ شرکت قابل درگذر نہیں ہوسکتا۔
(اِلّا اِن یعفو اللہ عنہ بمنّہٖ و فضلہٖ) برخلاف حریص شہوت کے۔ کہ وہ عاصی ہے
مگر طالبِ شرکت نہیں اسلئے طالب جاہ کی نسبت سے اس کا جُرم بہت کم ہے
اور وہ قابل معافی ہے۔ ایک فرق تو یہ تھا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ حُبِّ جاہ میں
توبہ کا احتمال بعید ہے بہ نسبت حرص شہوات کے۔

چنانچہ دیکھ لو۔ آدم علیہ السلام کی جو لغزش ہوئی تھی اس کا منشا حرصِ
شکم اور حرصِ شہوت تھی (حرص شکم کا منشا ہونا تو ظاہر ہے۔ رہی حرص شہوت
سو اس کے منشا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دانۂ گندم آپ نے حضرت حوّا کی ترغیب سے
کھایا تھا اور جس چیز نے حضرت حوّا کی بات مان لینے پر مجبور کیا تھا وہ ان کی
محبت تھی اور محبت کا منشا شہوت تھی۔ پس شہوت کا سبب ہونا ظاہر ہوگیا)
اور ابلیس نے جو گناہ کیا تھا اور اس کا منشا تکبر اور حُبّ جاہ تھی اسلیے حضرت
آدم علیہ السلام نے تو فوراً ہی توبہ کرلی اور ابلیس نے توبہ کرنے سے بھی تکبر کیا۔
(اور راز اس کا یہ ہے کہ شہوتِ بطن و فرج سے آدمی سیر ہوجاتا ہے کما ہو الظاہر
برخلاف حُبّ جاہ کے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی۔ بلکہ جس قدر بھی جاہ ہو آدمی
اس سے زیادہ چاہتا ہے پس جبکہ شہوتِ بطن و فرج سے سیری حاصل ہوجاتی ہے تو آدمی
کے عقل پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ اور عقل شناعت ہونے کا ادراک کرکے آدمی کے اندر
انفعالی کیفیت پیدا کرتی ہے۔

برخلاف حبّ جاہ کے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی کہ عقل کے اوپر سے حجاب دُور

ہو اور وہ اس فعل کی شناعت کا احساس کرے اور اس سے ندامت پیدا ہو)
اس سے معلوم ہوا کہ حرص بطن و فرج بھی بدذاتی ہے مگر وہ جاہ نہیں ہے
بلکہ اسکی سبب تذلل ہے کیونکہ وہ شنیع ندامت ہے نہ کہ جاہ۔
اسلئے جس قدر حرص جاہ مذموم ہوگی اس قدر حرص بطن و فرج مذموم نہ ہوگی۔
الغرض جاہ نہایت ہی خطرناک چیز ہے اگر میں اس کا منشا اور اسکی
شاخیں بیان کروں تو اس کے لیے ایک دوسرے دفتر کی ضرورت ہے
اسلئے مختصر طور پر اس کا بیان کیا گیا ہے ـــــ اچھا! تھوڑی سی تفصیل اسکی
اور سن لو۔ دیکھو اسپ سرکش کو عرب شیطان کہتے ہیں۔ مگر اس گھوڑے کو
جو حرص بطن کے سبب چراگاہ میں رہ جائے شیطان نہیں کہتے کیونکہ لغت میں
شیطنت کے معنی گردن کے ہیں۔
پس یہ صفت سرکش گھوڑے میں تو پائی جاتی ہے اور چراگاہ میں رہ جانے
والے گھوڑے میں نہیں پائی جاتی اسلئے وہ لقب شیطان کا مستحق ہے۔نہ کہ یہ۔
غرضکہ یہ صفت تکبر و تجبر مستحق لعنت ہے کیونکہ یہ صفت نہایت ہی مذموم
ہے۔ دیکھو! سو کھانے والے (حریص بطن) ایک دسترخوان پر بے تکلف کھانا کھا
لیتے ہیں مگر دو طالب ریاست جہاں میں نہیں سماتے اور ایک دوسرے کا
زندہ رہنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ بیٹا اگر ایک ملک کا بادشاہ ہو اور اس کا باپ دوسرے
ملک کا۔ تو تحرز عن الاشتراک کے سبب بیٹا باپ کو مار ڈالتا ہے۔
تم نے سنا ہوگا کہ الملک عقیم یعنی ملک بانجھ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ سلطنت
تعلق قرابت کو قطع کر دیتی ہے حتیٰ کہ اولاد سے بھی تعلق منقطع کر دیتی ہے اسلئے
وہ بانجھ ہے اور اسکی اولاد نہیں اور وہ آگ کی طرح ہے جس کو اس سے علاقہ
نہیں۔ بلکہ جو کوئی اسکے سامنے آتا ہے سب کو تہس نہس کر دیتی ہے اور جب

کسی کو نہیں پاتی تو پیچ و تاب سے خود اپنے کو کھا جاتی ہے ۔

پس اگر تم کو جاہ کے غائلہ سے بچنا منظور ہے تو اسکی صورت یہ ہے کہ اسے کم نہ کرو ـــــــ اور خودی کو چھوڑ دو ۔ کیونکہ خودی کو قائم رکھ کر اس کی توقع رکھنا کہ جاہ تم پر رحم کریگا اور تم کو ضرر نہ پہنچائے گا بالفضول ہے پس تم کو اِس دل سخت سے رحم نہ ڈھونڈنا چاہیئے لیکن جب کہ تم خودی کو چھوڑ دو گے اُس وقت تم کو اسکے سخت اور بے رحم دل سے کوئی خطرہ نہیں ـــــ پس تم کو ہر روز فقر کامل کا سبق لینا چاہیئے اور رفتہ رفتہ فقر کامل حاصل کرنا چاہیئے ۔

دیکھو خدائی صفت ہے حق سبحانہٗ کی ۔ پس جو کوئی اس کو اپنی صفت بنائے گا تو وہ صفت اسکے لیے وبال جان ہو جائے گی ۔ شہنشاہی حق سبحانہٗ کا حق ہے اور ہمارا کام خدمت و اطاعت ہے ۔ پس جو شخص اپنی حد سے بڑھ جائے اور شاہی کا طالب ہو اسکی حالت افسوس کے قابل ہے کیونکہ اسکے اسکو سوائے ضرر کے اور کچھ نہ حاصل ہوگا ۔

یاد رکھو کہ یہ تمہاری شان و شوکت تمہارے لئے بڑے خطرہ کی چیز ہے کیونکہ اس کی بنا پر تم صفت خداوندی میں شرکت چاہتے ہو اور تم کو مخدوم مطاع بننے کی خواہش ہوتی ہے اور تم معائب سے پاک بننے کے خواہاں ہوتے ہو اور چاہتے ہو کہ بس لوگ ہمارے تنزیہ و تقدیس کیا کریں ۔ لہٰذا اس کو چھوڑنا چاہیئے اور تذلّل و تمسکن اختیار کرنا چاہیئے ۔

قصۂ آں حکیمے کہ طاؤس را دید کہ پرِ زیبائے خود را بر می کند
اُس دانا کا قصہ جس نے مور کو دیکھا کہ وہ اپنے حسین پروں کو چونچ سے

بمنقار و می انداخت وتنِ خود را کل[1] و زشت میکرد از تعجب
اُکھاڑ رہا ہے اور پھینک رہا ہے اور اپنے بدن کو گنجا اور بدنما بنا رہا ہے اُس نے

طاؤس را پرسید کہ دریغت نمی آید گفت می آید اما پیشِ ما
تعجب سے مور سے دریافت کیا کہ تجھے افسوس نہیں ہو رہا ہے، اُس نے کہا ہو رہا ہے

جان از پرِ عزیز تر است و ایں پرِ عدوِ جانِ من ست از یں
لیکن مجھے جان پروں سے زیادہ پیاری ہے اور یہ پر میری جان کے دشمن ہیں اِس وجہ

جہت بر می کنم
سے میں اُکھاڑ رہا ہوں

پرِ خود می کند طاؤسے بدشت ۔ یک حکیمے رفتہ بود آنجا بگشت
ایک مور جنگل میں اپنے پر اکھاڑ رہا تھا ۔ ٹہلتا ہوا ایک عقلمند وہاں پہنچ گیا

گفت طاؤسا چنیں پرِ سنی ۔ بیدریغ از بیخ چوں بر میکنی
اُس نے کہا اے مور! ایسے بڑھیا پر ۔ تو بلا تامل، جڑ سے کیوں اُکھاڑ رہا ہے؟

خود دلت چوں میدہد تا ایں حُلل ۔ بر کنی و اندازیش اندر وحل
خود تیرا دل کیسے (اجازت) دیتا ہے؟ کہ یہ لباس ۔ تو اُکھاڑتا ہے اور اُس کو کیچڑ میں پھینکدیتا ہے

ہر پرت را از عزیزی و پسند[2] ۔ حافظاں در طیِّ مُصحف می نہند
گرانقدری اور پسند کی وجہ سے تیرے ہر پر کو ۔ حفاظ قرآن کے موڑ میں رکھتے ہیں

بہرِ تحریکِ ہوائے سُود مند ۔ از پرِ تو بادبیزن می کُنند
مفید ہوا کو چلانے کے لئے ۔ تیرے پروں کا پنکھا بناتے ہیں

ایں[3] چہ ناشکری و چہ بیباکی ست ۔ تو نمی دانی کہ نقاشش کیست
یہ کیا ناشکری اور لاپروائی ہے ۔ تو نہیں جانتا کہ اُس کا نقاش کون ہے؟

یا ہمی دانی و نازے میکنی ۔ قاصداً قطعِ طرازی میکنی
یا تو جانتا ہے اور ناز دکھا رہا ہے ۔ جان بوجھ کر نقش و نگار کو قطع کر رہا ہے

اے بسا نازا کہ گردد آں گناہ ۔ افگند مر بندہ را از چشمِ شاہ
بہت سے ناز ہیں جو گناہ بن جاتے ہیں ۔ غلام کو بادشاہ کی نظر سے گرا دیتے ہیں

نازکردن[4] خوشتر آید از شکر ۔ لیک کم خایش کہ دارد صد خطر
ناز کرنا قند سے زیادہ بھلا لگتا ہے ۔ لیکن اُس کو نہ چبا کیونکہ سینکڑوں خطرے رکھتا ہے

---

[1] کل ۔ گنجا ۔ دریغ ۔ افسوس ۔ دشت ۔ جنگل ۔ گشت ۔ سیر و سیاحت ۔ سَنی ۔ بیش قیمت ۔ حُلل ۔ لباس کا جوڑا ۔ وَحَل ۔ کیچڑ ۔

[2] ہر پرت ۔ اُس نے مور سے کہا تیرے پر تو ایسے پیارے ہیں کہ ہر شخص اُن کو قرآن میں رکھتا ہے ۔ بہرِ تحریک ۔ ہوا جھلنے کے لئے تیرے پروں سے پنکھے بنائے جاتے ہیں ۔

[3] ایں چہ ۔ مور سے کہا تیرا یہ اُکھاڑنا تیری بے باکی ہے تجھے معلوم نہیں کہ تیرے پروں پر نقاشی کس ذات نے کی ہے ۔ یا ہمی دانی ۔ الخ اگر تو جانتا ہے کہ قدرت نے یہ نقاشی کی ہے تو پھر جان بوجھ کر ایسی کاریگری کو برباد کر رہا ہے اور ناز و انداز دکھا رہا ہے ۔ اے بسا ۔ اِس طرح کا ناز بربادی کا سبب ہوتا ہے اور یہ ناز بے جا غلام کو شاہ کی نظروں سے گرا دیتا ہے ۔

[4] ناز کردن ۔ انسان کو ناز کرنا پسند آتا ہے لیکن اُس میں خطرات بہت ہیں بے خطر راستہ نیازمندی کا ہے لہٰذا انسان کو یہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے ۔ اے بسا ۔ ناز و انداز جب بڑھتا ہے تو وبال بن جاتا ہے ۔ خوئی ۔ ناز و انداز کی خوبی اگر کچھ بڑھاتی ہے تو اُس میں چھپا ہوا خوف انسان کو پگھلاتا ہے ۔ وحی نیاز ۔ نیازمندی اگرچہ لاغر کرتی ہے لیکن قلب کو روشن چاند بنا دیتی ہے ۔ چلق ۔ حضرت حق کی صفت ہے کہ وہ مُردے

لیمن آبادست آں راہِ نیاز ‏ترکِ نازش گیر و با آں رہ بساز

عاجزی کا راستہ، اطمینان کی جگہ ہے ‏ناز کرنا چھوڑ دے اور اُس راہ سے مانوس ہو جا

اے بسا نازآوری زد پر و بال ‏آخر الامر آں براں کس شد وبال

بہت سی نازآوروں نے پر و بال نکالے ‏بالآخر وہ اُس شخص پر وبال بنیں

خوبیِ نازاردمے بفرازدت ‏بیم و ترسِ مُضمرش بگدازدت

ناز کی خوبی، اگر ذرا تجھے اونچا کر دیتی ہے ‏اُس کا چھپا ہوا خوف اور ڈر تجھے گھلاتا ہے

ویں نیاز ارچہ کہ لاغر میکند ‏صدر را چوں بدرِ انور میکند

یہ نیاز اگرچہ تجھے دُبلا کرتا ہے ‏سینہ کو روشن چاند کی طرح بنا دیتا ہے

چوں ز مُردہ زندہ بیروں میکشد ‏ہر کہ مُردہ گشت او دارد رشد

چونکہ وہ (اللہ تعالیٰ) مُردے سے زندہ پیدا کرتا ہے ‏جو مردہ بن گیا وہ ہدایت یافتہ ہے

چوں ز زندہ مُردہ بیروں میکند ‏نفسِ زندہ سوئے مرگے می تند

جبکہ وہ زندہ سے مُردہ پیدا کرتا ہے ‏زندہ نفس موت کی جانب چلا جاتا ہے

مُردہ شو تا مُخرِجُ الحیِّ الصَّمَدُ ‏زندۂ زیں مُردہ بیروں آورد

مُردہ بن جا تاکہ (اللہ) زندہ کو پیدا کرنے والا بے نیاز ‏زندہ کو اُس مُردے سے پیدا کر دے

دے شوی بینی تو اخراجِ بہار ‏لیل گردی بینی ایلاجِ نہار

تو خزاں بن جا، تو بہار کا پیدا کرنا دیکھے گا ‏رات بن جا؛ تو دن کا داخل کرنا دیکھے گا

بر مکن آں پر کہ نہ پذیرد رفو ‏روی مخراش از عزا اے خوبرو

پروں کو نہ اکھاڑ کیونکہ ان پر رفو نہ ہو سکیگا ‏اے حسین! ماتم میں چہرے کو نہ چھیل

آنچناں روی کہ چوں شمسِ ضحیٰ ست ‏آنچناں رُخ را خراشیدن خطاست

وہ چہرہ جو چاشت کے سورج کی طرح ہے ‏ایسے چہرے کو چھیلنا غلطی ہے

زخمِ ناخن بر چناں رُخ کافریست ‏کہ رُخِ مہ در فراقِ او گریست

ایسے چہرے پر ناخن کا زخم کافری ہے ‏جس کے فراق میں چاند کا چہرہ رو رہا ہے

یا نمی بینی تو روی خویش را ‏ترک کن خوئے لجاج اندیش را

یا تو اپنا چہرہ نہیں دیکھتا ہے ‏جھگڑا کرنے والی عادت کو چھوڑ دے

ہے زندہ پیدا کر دیتا ہے تو جو مردہ بنے گا اُس کو وہ زندگی عطا کر دے گا۔

کہ چوں ز زندہ۔ چونکہ وہ زندہ سے مُردہ بھی پیدا کرتا ہے لہٰذا اگر تو نفس کو نہ مارے گا تو وہ مُردہ ہو جائیگا۔ مُردہ شو۔ تو فانی بن جا پھر وہ تجھے حیاتِ ابدی عنایت کر دے گا۔ دے شوی۔ تو اپنے نفس دیکھے گا رات بنا کر دن کا پیدا ہونا اور دیکھے گا اور پھر خزاں طاری کر کے بہار کا

لہ بر مکن۔ بظاہر یہ حکیم کا مقولہ ہے جو اُس نے طاؤس سے کہا۔ عزا۔ ماتم۔ آنچناں۔ حسین چہرے کو بگاڑنا بہت بڑی غلطی ہے۔ لجاج۔ جھگڑا۔ دریان۔ انکار کی وجہ سے نفس مطمئنہ کی صفائی میں مَیل پڑتا ہے جیسا کہ آئینہ پر اگر کچھ لکھو پھر خواہ اسکو صاف بھی کر دو لا محالہ اُسپر نشان باقی رہ جاتا ہے۔

شرح

فتنہ تست ایں پر طاؤسینت کی تائید میں مولانا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مور جنگل میں اپنے پر اکھیڑ رہا تھا۔ اتفاقاً ایک حکیم بھی گھومتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ اور کہا کہ ارے مور! یہ عمدہ پر تو یوں بیدریغ

کیوں اکھیڑتا ہے تیرا جی کیسے گوارا کرتا ہے۔ کہ اس قدر عمدہ لباس کو اتار کر کیچڑ میں ڈال دے۔ تجھے ان پروں کی قدر معلوم نہیں۔

اچھا مجھ سے سُن۔ یہ وہ باوقعت پر ہیں کہ ان کی گرامی قدر اور پسندیدہ ہونے کے سبب حفاظ ان کو قرآن میں رکھتے ہیں اور ہوا کو حرکت دینے کے لئے لوگ ان کا پنکھا بناتے ہیں۔ پس یہ کیا ناشکری ناسپاسی ہے کہ ایسی نعمت کی قدر نہیں کی جاتی۔ ارے تو جوان کو یوں پامال کرتا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ ان کا نقاش کون ہے۔

اور یہ کس نے بنائے ہیں اگر تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن! یہ حق سبحانہٗ کے بنائے ہوئے ہیں۔ پس جبکہ تو ان کی یوں بے وقعتی کرے گا تو وہ ضرور تجھ پر عتاب کریں گے یا تو جانتا ہے مگر ناز کرتا ہے اگر ایسا ہے تو یاد رکھ! کہ بہت سے ناز جرم قرار پاجاتے ہیں اور غلام کو شہنشاہ کی نظر سے گرا دیتے ہیں۔ ناز کرنا گو شکر سے زیادہ لذیذ ہے مگر اس میں خطرات بھی بہت ہیں اسلئے اس شکر کو کھانا نہیں چاہیئے۔ اور ناز کو اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ عجز و نیاز اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں کوئی خطرہ نہیں۔ پس تُو ناز کو چھوڑ اور راہ نیاز اختیار کر۔

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔ صاحبو! بہت ناز کرنے والوں نے بلند پروازی کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ بلند پرواز ان کے لیے وبال ہوگئی پس تم کو ناز نہ کرنا چاہیئے۔ اور عجز و نیاز اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر ناز میں خوبی ہے جو کہ تم کو کچھ دیر کے لئے سرفراز کرتی ہے تو اس میں خوف مخفی بھی ہے جو تم کو گھُلا دے گا۔ یعنی گو حق سُبحانہٗ بعض اوقات لوگوں کے ناز اٹھا کر ان کو سرفراز فرماتے ہیں۔ مگر یہ ناز برداری دائم نہیں ہے بلکہ کسی کو اس پر عتاب بھی ہو جاتا ہے۔ جو ناز کرنے والوں کو گھُلا دیتا ہے۔ اور نیاز اگرچہ خوف اور فکر ناخوشی حق سبحانہٗ کے سبب لاغر کرتا ہے مگر فائدہ اس میں یہ ہے کہ وہ سینہ کو

چودھویں رات کے چاند کی مانند منور کر دیتا ہے۔
دیکھو جبکہ حق سبحانہ' کی شان یہ ہے کہ وہ مردہ میں سے زندہ نکالتا ہے تو جو شخص مردہ ہو جائے اور عجز و نیاز اختیار کرے وہ ہی ٹھیک راہ پر ہے کیونکہ حق سبحانہ' اس کو اس مردگی کے سبب حیات روحانی عطا فرمائیں گے اور جبکہ وہ زندہ میں سے مردہ نکالتا ہے تو اس کا اثر یہ ہے کہ نفس زندہ موت معنوی پاتا ہے۔
الحاصل! موت کا نتیجہ حیات ہے اور حیات کا نتیجہ موت۔ پس تم مردہ ہو جاؤ یعنی اپنی خواہشات کو بالکل چھوڑ دو جن میں سے ناز بھی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مردہ میں سے زندہ نکالنے والا حیّ ہوا۔ اس مردہ میں سے زندہ نکالے گا یعنی اس مردگی کے سبب تم کو حیات معنوی عطا فرمائے گا۔ اور تم خزاں ہو جاؤ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دیکھو گے کہ حق سبحانہ' اس سے بہار پیدا کرتے ہیں اور اگر تم رات اور معرا عن الکمال ہو جاؤ گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دیکھو گے کہ حق سبحانہ' اس میں دن اور کمال کو داخل کرتے ہیں ـــــ القصہ تم نقص اور کمی اختیار کرو۔ اس سے تم کو کمال حاصل ہوگا۔
خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو! کہ اس حکیم نے مور سے کہا کہ تم اپنے پَروں کو نہ اکھیڑو اسلئے کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ اور ماتم میں اپنا منہ نہ نوچو۔ کیونکہ وہ منہ جو آفتاب چاشت سے زیادہ روشن ہے ایسے منہ کو.. نوچنا سخت غلطی ہے اور ایسے چہرہ کو نوچنا نہایت ناشکری ہے جس کے فراق میں چاند بھی روتا ہے یا تم کو اپنا چہرہ نظر ہی نہیں آتا جو ایسا کرتے ہو ایسا تو نہیں ہے بلکہ تمہارا اسے نوچنا بنا بر تعنت ہے اسلئے تم خصلت تعنیت کو چھوڑ دو اور منہ نوچنے کو ترک کرو۔

دربیان آنکہ صفا وسادگیِ نفسِ مطمئنہ از فکرتہا مشوّش

اس کا بیان کہ افکار سے نفسِ مطمئنہ کی صفائی اور سادگی پریشان ہوجاتی ہے

میشود چنانچہ بررُوئے آئینہ چیزے نویسی اگرچہ پاک کنی

جیساکہ تو آئینہ پر کوئی چیز لکھے اگرچہ تو دھوڈالے، داغ اور

داغے ونقصانے بماند

نقصان باقی رہ جاتا ہے

رُوئے نفسِ مطمئنہ درجسد
جسم میں نفسِ مطمئنہ کا چہرہ

زخمِ ناخنہائے فکرت می کشد
فکر کے ناخنوں سے زخمی ہوجاتا ہے

فکرتِ بدناخنِ پُرزہرداں
بُرے خیال کو زہریلا ناخن سمجھ

میخراشد درتعمق رُوئے جاں
غور کرنے کی (صورت) میں وہ جان کا چہرہ زخمی کرتا ہے

تاکشاید عقدۂ اشکال را
جب تک کہ وہ کسی اشکال کی گرہ کھولتا ہے

درحدث کردہ ست زرّیں بال را
اُس نے سُنہرے بالوں کو ناپاک کرلیا ہے

عُقدہ رابکشادہ گیر اے منتہی
اے انتہا کو پہنچنے والے! فرض کرلے گرہ کھُل گئی

عُقدۂ سخت ست برکیسہ تہی
(یہ تیری) خالی تھیلی پر سخت گرہ ہے

درکشادِ عُقدہا گشتی تو پیر
تو گرہوں کو کھولنے میں بوڑھا ہوگیا

عُقدۂ چندے دگر بکشادہ گیر
فرض کرلے تونے اور چند گرہیں کھول لیں

عُقدۂ کاں برگلوئے ماست سخت
وہ پھندا جو ہمارے گلے میں ہے، سخت ہے

کہ ندانی کہ خسی یانیک بخت
کیونکہ تو نہیں جانتا کہ تو بدبخت ہے یا نیک بخت

گر بدانی کہ شقیئی یا سعید
اگر تو یہ جان لے کہ تو نیک بخت ہے یا بدبخت

آں بُوَد بہتر ز فکرِ ہر عنید
ہر سرکش کے فکر سے بہتر ہے

حلِ ایں اشکال کُن گر آدمی
اگر تو آدمی ہے اس اشکال کو حل کرلے

خرج کن ایں دم اگر صاحب دمی
اگر تجھ میں دم ہے تو اس دم کو خرچ کر

حدِ اعیان وعرض دانستہ گیر
فرض کرلے اعیان اور عرض کی تعریف معلوم ہوگئی

حدِ خود را داں کہ نبُود زیں گزیر
اپنی حقیقت جان لے کہ اسکے سوا چارہ نہیں ہے

چوں بدانی حدِ خود زیں حد گریز
جب تجھے اپنی حقیقت معلوم ہوگئی اس تعریف سے گریز کر

تا بہ بیحد در رسی اے خاک بیز
اے خاک چھاننے والے! تاکہ تو اُس ذات تک پہنچ جا جسکی حقیقت نہ معلوم ہو

رُوئے نفس۔ نفس مطمئنہ کا چہرہ فکروں کے ناخن سے زخمی ہوجاتا ہے خصوصاً بُرے افکار تو زہریلے ناخن ہیں جو روح تک کے چہرے کو بدنما بنادیتے ہیں۔ تاکشاید۔ جب انسان افکار کی کسی گرہ کو کھولتا ہے تو روح کے زرّیں پر ناپاک ہوجاتے ہیں جس سے اُس کی پرواز میں کمی آجاتی ہے۔ عُقدہ۔ اِن دنیاوی اَفکار کی عقدہ کشائی ایسی ہے جیسے کسی خالی تھیلی کے مُنھ کی سخت گرہ کو کوئی شخص کھولے جو لاحاصل ہو۔

درکشاد۔ چند گرہوں کے کھولنے میں تو بوڑھا ہوگیا فرض کرلے کہ چند گرہیں تونے اور کھول لیں لیکن حاصل کیا ہوا۔ عقدہ کاں۔ تیرے شقی یا سعید ہونے کی گرہ جو تیرے گلے میں لگی ہوئی ہے اگر تو اُسکو کھول لے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

حل۔ اگر تو آدمی ہے تو اِس اشکال کو حل کر۔ حدِ اعیان۔ فلاسفہ عرض اور جوہر کی تعریف کرنے میں لگے رہتے ہیں اور خود اپنی حقیقت وماہیت سے بے خبر رہتے ہیں۔ چوں بدانی۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جس نے اپنے آپ کو جان لیا اُس نے خدا کو جان لیا۔ نفس کی حقیقت کا علم خدا کی معرفت تک پہنچاتا ہے

عمر در محمول و در موضوع رفت	بے بصیرت عمر در مسموع رفت
تمہاری موضوع کی تعریف میں عمر گذر گئی	سنی سنائی باتوں میں بلا بصیرت کے عمر ختم ہو گئی
ہر دلیلے بے نتیجہ و بے اثر	باطل آمد در نتیجہ خود نگر
جو دلیل بے نتیجہ اور بے اثر ہو	باطل ہے، تو خود نتیجہ پر غور کرے
جز بمصنوعے ندیدی صانعی	بر قیاسِ اقترانی قانعی
تو نے مصنوع کے علاوہ صانع کو نہ دیکھا	تو اقترانی قیاس پر صابر ہو گیا
می فزاید در وسائط فلسفی	از دلائل باز بر عکسش صفی
فلسفی واسطوں میں اضافہ کرتا رہتا ہے	دلائل سے، پھر برگزیدہ شخص اسکے برعکس ہے
ایں گریزد از دلیل واز حجیب	از پئے مدلول سر بردہ بجیب
یہ دلیل اور پردے سے گریز کرتا ہے	مدلول کے لئے گریبان میں منہ ڈالے ہوئے
گر دخان او را دلیلِ آتش ست	بے دخاں مارا دراں آتش خوش ست
اگر اس کے لئے دھواں آگ کی دلیل ہے	اس معاملہ میں بغیر دھوئیں کے ہمارے لئے آگ اچھی ہے
خاصہ ایں آتش کہ از قرب ولا	از دخاں نزدیک تر آمد بما
خصوصاً یہ آگ کہ قرب اور دوستی کی وجہ سے	ہم سے دھوئیں سے زیادہ قریب آگئی ہے
پس سیہ کاری بود رفتن زخواں	بہر تخیئلات جاں سوئے دخاں
دسترخوان سے چل دینا، بدکاری ہے	دھوئیں کی جانب، جان کے خیالات کی خاطر

سے ہٹ کر دلائل سے اس ذات تک پہنچنا سیاہ کاری اور غلطی ہے۔

ملا قمر عمر ساری عمر بیکار محمول کی تعریفوں میں گم ہو جاتی ہے اور کوئی فائدہ ہاتھ نہیں آتا۔ ہر دلیلے جس دلیل کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو وہ بیکار ہے تو اپنے انجام پر غور کرے۔ جز تو نے مشاہدہ نہیں کیا ہے صرف مخلوق کے ذریعہ خالق کو سمجھا ہے۔ قیاس اقترانی۔ مثلاً عالم مصنوع ہے اور ہر مصنوع کا کوئی صانع ہے۔ می فزاید۔ فلسفی ایسی امور کو سمجھنے کے لئے وسائط میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور برگزیدہ شخص اس کے برعکس مشاہدہ کرتا ہے وہ دلائل سے ہٹ کر مراقبہ میں مشاہدہ کرتا ہے۔ ملا گر دخاں۔ فلسفی اثر سے موثر کو سمجھتا ہے یعنی دھوئیں کے ذریعہ آگ کو پہچانتا ہے خاصہ۔ عارفوں کے لئے قرب اور عشق کی آگ دھوئیں کے نزدیک تر ہے۔ پس مشاہدہ

شرح

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے نفسِ مطمئنہ عہ کا چہرہ ناخنہائے افکار لایعنی سے زخمی ہو رہا ہے۔ اور تمہارے افکار بیہودہ زہریلے ناخن ہیں جو غور وخوض کی حالت میں تمہارے روح کے صاف چہرہ کو زخمی کرتے ہیں۔ پس تم افکار بیہودہ سے بچو۔ اور اس نفسِ مطمئنہ اور روح کی سادگی وصفائی کو برباد نہ کرو۔

[واضح ہو کہ نفس کی حالات مختلفہ کے لحاظ سے مختلف نام ہیں پس جبکہ وہ طالب لذات

عہ اس مقام پر نفس کو مطمئنہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ مولود علی الفطرۃ ہے اور ان تشویشات سے پاک ہے جو تربیت وصحبت سے اسے لاحق ہوتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

تو اس کا نام "امّارہ" ہوتا ہے اور جبکہ وہ اس درجہ پر پہنچتا ہے کہ افعال ذمیمہ سے اُسے ندامت ہو اور وہ اپنے کو ملامت کرے تو اسے "لوّامہ" کہتے ہیں اور جبکہ اسکی یہ حالت ہو کہ ذکر اللہ سے اُسے راحت حاصل ہو تو اُسے "مطمئنہ" کہتے ہیں اور جبکہ وہ اس سے بھی اوپر ترقی کر جائے اور آمر بخیرات ہو تو اسے "ملہمہ" کہتے ہیں۔ ہکذا قال بحر العلوم وعندی ان الملہمہ ہی المطمئنۃ۔ واللہ اعلم۔

اور تمہاری روح یا نفس مطمئنہ نے عقدات و اشکال کو کھولنے کے لئے اور مشکلات کو حل کرنے کے لیے اپنے بیش بہا بازو قوت دراکہ کو گندگی (نجاستہ الکار لالیعنی) میں لتھیڑ رکھا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اچھا فرض کرو کہ تم نے گرہ کھول لی اور مشکل کو حل کر لیا۔ مگر نتیجہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ گرہ خالی تھیلی میں لگی تھی۔ جس کو کھولنے کے بعد تم کو کچھ بھی نہ ملے گا اور محنت اکارت ہو جائے گی۔ پس تم ان عقدوں کے حل کرنے میں کیوں مصروف ہو۔ انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ انہی گرہوں کے کھولنے میں تم بڈھے ہو گئے اور تمہارے ہاتھ کچھ نہ لگا۔

اب فرض کرو کہ تم نے کچھ گرہیں اور کھول لیں مگر نتیجہ کیا ہے اتنی گرہیں کھولنے پر تمہیں کیا مل گیا جو اور گرہوں کے کھولنے پر آمادہ ہو پس تم افکار دنیویہ کو چھوڑ دو اور جو گرہ تمہارے گلے میں لگی ہے یعنی یہ کہ تم شقی ہو یا سعید اور دوزخی ہو یا جنتی اگر تم اسے حل کرو اور جانو کہ تم شقی ہو یا سعید! یعنی اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ تو یہ ہر عنید کے فکر سے بہتر ہو ـــــــ پس اگر انسان ہو تو اس اشکال کو حل کرو اور اگر تم متکلم ہو تو اس کلام کو جو متعلق بہ سعادت و شقاوت ہے صرف کرو یعنی سعادت و شقاوت کی تحقیق کرو۔ واللہ اعلم۔

اچھا مان لو! کہ تم نے جواہر و اعراض کی تعریف جان لی مگر اس کا نتیجہ کیا ہے ہم کو اپنی تعریف جاننی چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ میں کیا ہوں اور میری خلقت سے کیا غرض

ہے۔ کیونکہ یہ ضروری ہے اور اعیان و اعراض کے جاننے کی ضرورت نہیں اور جب
تمہیں اپنی حقیقت معلوم ہو جائے اور تم جان لو کہ تم حق سبحانہٗ کے ذلیل بندے ہو۔
اور تمہاری تحقیق سے مقصود اطاعتِ حق سبحانہٗ ہے تو تم اس حد یعنی اشیاءِ محدودہ
ناسوتیہ سے بھاگو۔ اور انہیں چھوڑ دو۔ تاکہ تم حق سبحانہٗ تک پہنچ جاؤ جو نامحدود ہیں
تمہاری عمر موضوع و محمول ہے جھگڑوں میں صرف ہو گئی۔ اور تم کو بصیرت و مشاہدہ
حق حاصل نہ ہو سکا۔ بلکہ تمہاری عمر صرف سُنی سُنائی باتوں میں ضائع ہو گئی۔
دیکھو! جس دلیل کا کوئی نتیجہ نہ ہو وہ باطل ہوتی ہے پس جبکہ ان دلائل کا جن
میں تم مصروف ہو کوئی نتیجہ نہیں تو اسے چھوڑ دو اور اپنے نتیجہ میں غور کرو کہ آخر تمہارا
انجام کیا ہو گا۔
تم نے اب تک صرف مصنوعات کو دیکھا ہے اور صانع کو نہیں دیکھا مگر اب تم کو
ایسا نہ کرنا چاہیئے اور صانع کو دیکھنا چاہیئے۔ نیز تم اب تک دلائل الوہیت پر قناعت
کئے رہے ہو۔ مگر اب اسے چھوڑو اور مشاہدہ حاصل کرو۔ تم فلسفی نہ بنو۔ بلکہ برگزیدہ
حق بنو کیونکہ اول الذکر تو حق کو دلائل سے جانتا ہے اور دلیل واسطہ ہوتی ہے طالب و
مطلوب کے درمیان اسلیئے وہ جس قدر دلائل زیادہ کرتا ہے اتنے ہی وسائط بڑھاتا ہے
اور اتنے ہی دلائل اسکے بُعد عن الحق پر قائم ہوتے ہیں مگر مؤخر الذکر ایسا نہیں کرتا۔
بلکہ وہ مشاہدہ اصطلاحی حاصل کرتا ہے اور وہ دلیل سے جو کہ حجاب اور پردہ ہے۔
بھاگتا ہے اور مراقبہ میں مشغول ہو کر جمال حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر فلسفی
اثر سے مؤثر کو جانتا ہے۔ ہم کو تو توسط آثار کی حاجت نہیں۔ ہم تو بدوں اثر کے ہی
مؤثر کو جانتے ہیں اور یہ ہی ہم کو پسند ہے۔ اور بالخصوص یہ موثر (حق سبحانہٗ) جو کہ
اپنے قربِ محبت کے بہ نسبت آثار کے ہم سے زیادہ قریب ہے پھر اسکے جاننے کے
لیے ہم کو آثار کی کیا حاجت ہے۔ کیونکہ بڑی غلطی کی بات ہے کہ آدمی کھانے کو

چھوڑ کر تخیلات بے ہودہ کی بنا پر دھوئیں کی طرف جائیے۔ لہٰذا ہم آثار پر نظر نہیں کرتے اور مطلوب حقیقی کے مشاہدہ میں مصروف ہیں۔

دربیانِ قولِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کے بیان میں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

برمکن پر را و دل برکن ازو
پروں کو نہ اکھاڑ، ان سے دل ہٹالے

زانکہ شرطِ ایں جہاد آمد عدو
کیونکہ اس جہاد کے لئے دشمن ضروری ہے

چوں عدو نبود جہاد آمد محال
جب دشمن نہیں ہے تو جہاد ناممکن ہے

شہوت ار نبود نباشد امتثال
اگر شہوت نہ ہو تو حکم ماننا نہ ہوا

صبر نبود چوں نباشد میلِ تو
جب تیرا میلان نہیں ہے تو صبر نہ ہوگا

خصم چوں نبود چہ حاجت خیلِ تو
جب دشمن ہی نہیں ہے تیرے لشکر کی کیا ضرورت ہے!

ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو
خبردار! اپنے آپ کو خصی نہ کر، راہب نہ بن

زانکہ عفت ہست شہوت را گرو
کیونکہ عفت شہوت سے وابستہ ہے

بے ہوا نہی از ہوا ممکن نبود
بغیر نفسانی خواہش کے اس سے روکنا ممکن نہیں ہے

غازیی بر مردگاں نتواں نمود
اپنا مجاہد ہونا مُردوں پر نہیں دکھایا جاسکتا

اَنْفِقُوْا گفتست پس کسبے بکن
خرچ کرو، فرمایا ہے تو تو کمائی کر

زانکہ نبود خرج بے دخلِ کہن
کیونکہ پہلی آمدنی کے بغیر خرچ نہیں ہو سکتا ہے

گرچہ آورد اَنْفِقُوْا را مطلق او
اگرچہ اُس نے صرف "خرچ کرو" فرمایا ہے

تو بخواں کہ اِکْسِبُوْا ثُمَّ اَنْفِقُوْا
تو پڑھ کہ کماؤ پھر خرچ کرو

ہمچناں چوں شاہ فرمود اِصْبِرُوْا
اسی طرح جب شاہ نے حکم دیا کہ "تم صبر کرو۔"

رغبتے باید کزاں تابی تو رُو
تو رغبت درکار ہے، تاکہ تو اس سے منہ موڑے

پس کُلُوْا از بہرِ دامِ شہوت ست
تو "تم کھاؤ" شہوت کے جال کے لئے ہے

بعد ازاں لَا تُسْرِفُوْا آں عفت ست
اسکے بعد "تم فضول خرچی نہ کرو" پاکدامنی کیلئے ہے

چونکہ محمولٌ بہٖ نبود لدیہ
جبکہ خبر نہیں ہے، اُس کے پاس

نیست ممکن بود محمولٌ علیہ
مبتدا کا ہونا ناممکن ہے

چونکہ رنجِ صبر نبود مر ترا
جبکہ تجھے صبر کی تکلیف حاصل نہیں ہے

شرط نبود پس فرو ناید جزا
تو شرط نہ پائی گئی، لہٰذا جزاء موجود نہ ہوگی

ہمچناں۔ اسی طرح صبر کرو کے حکم کی تعمیل جب ہی ہو کہ رغبت موجود ہو۔ کُلُوْا۔ تم کھاؤ کا حکم شہوت کا جال ہے اور لَا تُسْرِفُوْا فضول خرچی نہ کرو عفت ہے۔ اب اگر کُلُوْا ممکن ہو تو لَا تُسْرِفُوْا کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ چونکہ۔ جب خبر کا وجود ہی نہ ہو تو مبتدا کا اس سے اتصال اور تعلق ناممکن ہے۔ رنج۔ صبر کرنے میں اگر کوئی کلفت ہی نہیں ہو تو اکتی

لہ زر بیان معصیت کے اسباب اور قدرت کے ہوتے ہوئے اُس سے بچنا کمال ہے نہ کہ معصیت کی طاقت کو ختم کر کے معصیت سے بچنا اسی لئے آنحضورؐ نے فرمایا اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، راہب معصیت کے اسباب اور اُس کی قدرت کو فنا کر ڈالتے تھے۔ برمکن پر کو نصیحت ہے کہ پر نہ اکھاڑ یعنی شہوت اور حبِ جاہ کے اسباب اور ذرائع کو ختم نہ کر کیونکہ یہ دشمن ہیں اور دشمن کے نہ ہوتے ہوئے جہاد کی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی ہے یہ شہوت۔ اگر انسان میں شہوت کا مادّہ ہی نہیں ہے تو زنا نہ کرنے کے حکم کی فرمانبرداری کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

لہ صبر نبود۔ اگر انسان میں کسی چیز کی جانب میلان نہیں ہے تو اس سے صبر کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں دشمن نہ ہو تو لشکر کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مشہور راہب اپنے فوطے نکال دیتے تھے تاکہ زنا نہ کر سکیں۔ غازیی۔ مرے ہوؤں کے ساتھ جہاد کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ اَنْفِقُوْا۔ خرچ کرو اس حکم کی تعمیل جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ انسان کمائے۔ گرچہ۔ اگرچہ قرآن میں صرف خرچ کرو آیا ہے لیکن اس کا مطلب یہی ہے کہ کماؤ اور خرچ کرو

آں جزائے دلنوازِ جانفزا وہ دل نواز جانفزا جزاء	حبذا آں شرط و شادا آں جزا وہ شرط اور جزا کیا ہی خوب ہے	۱؎ حبذا۔ مبری تعلیم ہو تو اس کا بدلہ بھی ہوگا تو دونوں قابل مبارکباد ہیں۔

شرح

اوپر ہم نے چہرہ کو نہ نوچنے کی تفصیل کی تھی اب ہم پر نہ اکھیڑنے کی شرح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اپنے پر نہ اکھیڑو اور قوی شہوانیہ کو تلف مت کرو۔ کیونکہ جس طرح جہاد کی شرط وجود کفار ہے اور جبکہ دشمن ہی نہ ہو تو جہاد محال ہے یوں ہی امتثال احکام الٰہیہ "اصبروا" وغیرہ ہی بدوں خواہش کے ناممکن ہے کیونکہ اگر تمہیں رغبت معاصی نہ ہو تو صبر از معاصی ناممکن ہے اور جب صبر از معاصی ناممکن ہے تو امر "اصبروا" بھی فضول ہے کیونکہ جب مزاحم ہی نہیں تو مدافعت کیونکر ہوسکتی ہے اور جب دشمن ہی نہیں تو فوج کی کیا ضرورت ہے پس تم اپنے کو خصّی مت کرو۔ کیونکہ عفت و پارسائی موقوف ہے وجود شہوت پر۔ کیونکہ جب خواہش نفسانی ہی نہیں تو اس سے ممانعت بھی نہیں ہوسکتی اور جب ممانعت نہیں ہوسکتی تو امتثال جو کہ عفت ہے وہ بھی ممکن نہ ہوگا کیونکہ معدومات کی مزاحمت نہیں ہوسکتی اور مردوں پر جہاد نہیں ہوسکتا۔ اسلئے ضرورت ہے وجود شہوت کی اور وہ یہی ایک درجہ میں مطلوب شرعی ہے۔ جو کہ باقتضائے امر اصبروا وغیرہ ثابت ہے۔

مثلاً حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے "انفقوا" تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اوّل کسب کرو کیونکہ کسب آمدنی ہے اور انفاق خرچ اور خرچ بدوں آمدنی سابق کے ناممکن ہے پس گو امر انفقوا مقید بقید اکسبوا نہیں۔ لیکن تم کو یہ قید مدنظر رکھنی چاہیئے اور اسکے معنی اکسبوا ثم انفقوا سمجھنے چاہئیں۔ بس یہی حالت اصبروا کی ہے اور اسکے لیے ضرورت ہے رغبت کی جس سے تم اعراض کرو۔ اور جس کو تم ترک کرو۔ یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے کلوا واشربوا ولا تسرفوا فرمایا ہے کیونکہ کلوا واشربوا سے

مقصود تو یہ ہے کہ شہوت پیدا ہوا ور لاتسرفوا سے مقصود یہ ہے کہ عفت حاصل کرو اسلئے کہ شہوت سبب تکلیف بالعفت ہے پس جبکہ وہ شئی ہی نہ ہوگی۔ جس کی سبب سے آدمی کو مکلف بنایا گیا ہے تو آدمی کا مکلف ہونا ناممکن ہوگا۔ اور جبکہ مشقت صبر نہ ہوگی۔ تو گویا کہ شرط مفقود ہوگی اور جبکہ شرط مفقود ہوگی تو جزا ہی مرتب نہیں ہوسکتی اور فلاح جو کہ مرتب ہے صبر پر کما قال اللہ تعالےٰ ـــــ واصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسلئے سمجھنا چاہیئے کہ یہ شرط بھی اچھی ہے اور جزا بھی عمدہ ہے یعنی وہ جزا جو کہ دل نواز اور جانفزا ہے یعنی فلاح و رستگاری۔ پس اسے ضائع نہ کرنا چاہیئے

دربیان آنکہ ثواب عمل عاشق از حق ہم حقست و بس جل جلالہٗ

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عاشق کے عمل کا ثواب صرف اللہ جل جلالہٗ ہے

عاشقاں را شادمانی و غم اوست ۔۔۔ دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست

عاشقوں کی خوشی اور غم وہی ہے ۔۔۔ مزدوری اور خدمت کی اجرت وہی ہے

غیر معشوق ار تماشائی بود ۔۔۔ عشق نبود ہرزہ سودائی بود

وہ اگر معشوق کے غیر کا تماشائی ہے ۔۔۔ عشق نہیں ہے وہ بیہودہ اور دیوانہ ہے

عشق آں شعلہ ست کو چوں بر فروخت ۔۔۔ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے جب وہ روشن ہوگیا ۔۔۔ جو کچھ معشوق کے علاوہ ہے سب جل گیا

تیغ لا در قتل غیر حق براند ۔۔۔ درنگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند

اس نے "لا" کی تلوار اللہ کے سوا پر چلادی ۔۔۔ غور کر لے "لا" کے بعد کیا رہ گیا؟

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ۔۔۔ شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت

"الا اللہ" رہ گیا باقی سب فنا ہوگیا ۔۔۔ اے عشق شرکت کو جلانیوالے زبردست! تو خوش رہ

خود ہم او بود اولین و آخریں ۔۔۔ شرک جز از دیدہ احول مبیں

صرف وہی اولین اور آخرین ہوگا ۔۔۔ تو بھینگی آنکھ کے سوائے شرک کو نہ دیکھ

دربیان۔ چونکہ پہلے مضمون میں جزا کا بیان تھا اب بتاتے ہیں کہ خدا کے عاشق کا بدلہ کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ عاشق کے عمل کا بدلہ ذات خداوندی ہے۔ عاشقاں۔ عاشقوں کا رنج اور خوشی مزدوری اور اس کی اجرت صرف ذات خدا ہے۔ غیر معشوق۔ اگر وہ معشوق کی ذات کے علاوہ کسی چیز کا طالب ہے تو پھر اس کا عشق عشق نہیں ہے بلکہ وہ دیوانہ ہے۔

عشق۔ جب عشق الٰہی نمودار ہوتا ہے تو ماسوی اللہ اس کی آگ سے جل جاتا ہے۔ تیغ لا۔ کلمہ میں لا اِلٰہ کہنے کے معنی یہ ہیں کہ اس نے غیر کی نفی کردی ہے۔ الا اللہ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کے لئے سب کچھ صرف ذات خداوندی ہے اے عشق غیر کو بالکل بلا ڈالتا ہے۔ احول۔ بھینگی آنکھ ایک حکایت ہے بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں۔

اے عجب حسنے بود جز عکسِ آں — نیست تن را جنبشے از غیرِ جاں

تعجب ہے، کوئی حسن اُسکے عکس کے سوا ہو — جان کے غیر سے جسم میں حرکت نہیں ہوتی ہے

آں تنے را کہ بود در جاں خلل — خوش نباشد گر بگیری در عسل

جس جسم کی رُوح میں نقصان ہو — وہ اچھا نہ ہوگا، خواہ تو اُس کو شہد میں ڈالدے

ایں کسے داند کہ روزے زندہ بود — از کفِ ایں جانِ جاں جامے ربود

یہ وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو کسی دن زندہ رہا ہو — اِس جانِ جاناں کے ہاتھ سے اپنے جام حاصل کیا ہو

وانکہ چشمِ او ندیدست آں رُخاں — پیشِ او جانست ایں تفِ دخاں

جس کی آنکھ نے وہ رخسار نہیں دیکھے — اُسکے نزدیک یہ دھوئیں کی سوزش جان ہے

چوں ندیدہ او عمر عبدالعزیزؒ — پیشِ او عادل بود حجاج نیز

جس نے (حضرت) عمر ابن عبدالعزیزؒ کو نہ دیکھا ہو — اُس کے نزدیک حجاج ابن یوسف بھی عادل ہوگا

چوں ندید او مارِ موسیٰؑ را ثبات — در حبال السحر پندارد حیات

جب اُس نے (حضرت) موسیٰؑ کے سانپ کا ٹھہراؤ نہیں دیکھا — وہ جادو کی رسیوں میں زندگی سمجھے گا

مرغ کو ناخوردہ است آبِ زلال — اندر آبِ شور دارد پر و بال

جس پرندے نے شیریں پانی نہ پیا ہو — وہ کھاری پانی میں اپنے بال و پر (تر) رکھتا ہے

جز بضد ضد را ہمی نتواں شناخت — چوں نہ بیند زخم نشناسد نواخت

ضد کو ضد کے سوا کسی ذریعہ سے شناخت نہیں کیا جا سکتا — جب ظلم کو نہیں دیکھا ہو نوازش کو نہیں پہچان سکتا

لاجرم دنیا مقدم آمدہ است — تا بدانی قدرِ اقلیمِ الست

لامحالہ دنیا پہلے آئی ہے — تاکہ تو اَلست کے جہان کی قدر جان لے

چوں ازینجا وارہی آنجا روی — در شکر خانہ ابد شاکر شوی

جب تو اِس جگہ سے نجات پا جائیگا وہاں چلا جائیگا — تو ہمیشگی کے شکر خانہ میں شکر گزار ہوگا

گوئی آنجا خاک را می بیختم — زیں جہانِ پاک می بگریختم

تو کہے گا وہاں میں نے خاک چھانی — میں اِس پاک عالم سے بھاگتا تھا

گشتہ بودم قانع از گنجے بمار — شادماں بودم زگلزارے بخار

میں نے خزانہ کے بدلے سانپ پر بس کی — میں چمن کی بجائے کانٹوں پر خوش تھا

اے دریغا پیش ازیں بودے اجل — تا غذایم کم بدے اندر وحل

ہائے افسوس! اِس سے پہلے موت آجاتی — تاکہ میری خوراک کیچڑ کی نہ ہوتی

---

۱۵۳ اے عجب۔ جہاں کہیں بھی حسن کی جھلک ہے وہ اسی خدا کا پرتو ہے۔ جسم میں روح کی وجہ سے حرکت ہوتی ہے۔ آں تنے۔ جو لوگ بد ہیں اُن کی اصلاح ناممکن ہے۔ ایں کسے۔ ہر چیز کے حسن کو عکسِ خداوندی وہی سمجھے گا جس کی روحِ انسانی زندہ ہوگی۔

۱۵۵ عمر۔ ابن عبدالعزیزؒ اموی خلیفہ تھے۔ جن کا عدل و انصاف مشہور ہے، یعنی روحِ انسانی۔ حجاج ابن یوسف ثقفی عبدالملک ابن مروان عراق کا گورنر تھا جس کا ظلم و ستم مشہور ہے جس نے ہزارہا بے قصور انسانوں کو قتل کیا۔ یعنی روحِ حیوانی۔ چوں۔ اگر کسی نے اصل کو نہ دیکھا ہوگا تو وہ نقل سے دھوکا کھا جائے گا۔

۱۵۶ مرغ۔ جو شخص حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے وہ مجاز کو حقیقت سمجھ لیتا ہے جیسا مشہور مقولہ ہے "تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا" چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ لاجرم۔ دنیا کو دیکھ کر آخرت کی قدر معلوم ہوگی۔ اقلیمِ الست۔ عالمِ آخرت۔ چوں۔ انسان جب دنیا کی زندگی ختم کر کے عالمِ آخرت میں پہنچے گا تو بہت شکر گزار ہوگا۔ گوئی۔ پھر کہے گا کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں خاک اور مٹی تھی دنیا خارستان تھا اور آخرت گلستان ہے۔

دربیانِ حدیث مَامَاتَ مَنْ یَّمُوْتُ اِلَّا وَتَمَنّٰی اَنْ یَّمُوْتَ قَبْلَ

(اِس) حدیث کا بیان کہ ہر مرنے والا یہ ضرور تمنا کرے گا کہ وہ پہلے

مَامَاتَ اِنْ کَانَ بَرًّا لِیَکُوْنَ اِلٰی وُصُوْلِ الْبِرِّ اَعْجَلَ وَاِنْ کَانَ

مرجاتا اگر وہ نیک ہے تو اِس لئے کہ جلد بھلائی تک پہنچ جاتا اور اگر بد ہے

فَاجِرًا لِیَقِلَّ فُجُوْرُہٗ

تو اِس لئے کہ اُس کی بدکاری کم ہوتی

زیں بفرمودست آں آگہ رسولؐ — کہ ہر آنکہ مُرد و کرد از تن نزول
اِسی لئے باخبر رسولؐ نے فرمایا ہے — کہ جو شخص مرا اور جسم سے جُدا ہوا

نبوَد اُورا حسرتِ نقلان و موت — لیک باشد حسرتِ تقصیرِ فوت
اُس کو منتقل ہونے اور مرنے پر افسوس نہ ہوگا — لیکن کوتاہی اور فوت ہونے کی حسرت ہوگی

ہر کہ میرد خود تمنا باشدش[۵۳] — کہ بُدے زیں پیش نقلِ مقصدش
جو شخص مرتا ہے خود اُس کو تمنا ہوتی ہے — کہ اُس کا مقصود کی طرف منتقل ہوجانا اِس سے پہلے ہوجاتا

گر بُدے بد تا بدی کمتر بُدے — ور تقی تا خانہ زُود تر آمدے
اگر وہ بد تھا تو اِس لئے کہ بدی کم ہوتی — اور متقی تھا تو گھر جلدی آجاتا

گوید آں بد بیخبر می بودہ ام — دمبدم من پردہ می افزودہ ام
وہ بد کہے گا، میں بے خبر تھا — میں نے ہر وقت حجاب بڑھایا

گر ازیں زُود تر مرا معبر بُدے — ایں حجاب و پردہ ام کمتر بُدے
اگر اِس سے پہلے ہی میرے لئے راستہ ہوتا — میرا یہ حجاب اور پردہ بہت کم ہوتا

از حریصی[۵۵] کم دراں رُوئے قنوع — وز تکبر کم دراں چہرہ خشوع
حرص کی وجہ سے قناعت کے چہرے کو زخمی نہ بنا — اور تکبر سے عاجزی کے چہرے کو زخمی نہ کر

ہمچنیں از بخل کم در رُوئے جود — وز بلیسی چہرۂ خوبِ سجود
اِسی طرح بخل کے ذریعہ سخاوت کا چہرہ زخمی کر — اور شیطنت سے سجدہ کے حسین چہرے کو

بر مکن آں پرِّ خلد آرائے را — بر مکن آں پرِّ رہ پیمائے را
جنت کو آراستہ کرنے والے پر نہ اُکھاڑ — راستہ طے کرنے والے پر نہ اُکھاڑ

[۵۳] ابتے ورنیفا۔ دنیا میں جس قدر وقت گذرا اُس پر افسوس کرے گا۔ دربیان۔ مرنے کے بعد ہر نیک و بد جلد مرجانے کی خواہش کا اظہار کرے گا اگر نیک ہوگا تو کہیگا کاش میں جلد اِس بھلائی تک پہنچ جاتا اگر بد ہے تو کہیگا کہ کاش

[۵۴] ہرکہ۔ موت کے بعد ہر مُردے کی خواہش ہوتی کہ کاش وہ پہلے مرجاتا اگر نیک ہے تو اِس لئے یہ خواہش ہوگی کہ اب سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جاتا اگر بد ہے تو اِس لئے کہ یہ سوچے گا اگر جلد مرجاتا تو بُرائیاں کم کرتا۔ دمبدم۔ بُرا انسان کہے گا کہ میں جس قدر زندہ رہا اُسی قدر گمراہی کے پردے یان بڑھتے گئے۔ گر۔ اگر اِس سے پہلے مرجاتا تو یہ پردے کم ہوتے۔

[۵۵] از حریصی۔ یہ بھی حکیم کا مقولہ ہے جو اُس نے پرندے کے پر نوچنے پر مور سے کہا۔ قنوع۔ قناعت۔ خشوع۔ عاجزی۔ دراں۔ دریدن یعنی پھاڑنا سے بنا ہے۔ ہمچنیں۔ مور کی تمثیل کے سلسلہ میں مولانا نے انسانی اُن صفات کو ذکر کیا ہے جو قدرت نے اُس میں ودیعت رکھی ہیں اور انسان اپنی بداعمالی سے اُن کو برباد کرتا ہے۔ خلد آرائی۔ جنت کو آراستہ کرنے والا۔

شرح اوپر مولانا نے جزائے عام کا ذکر فرمایا تھا۔ اب جزائے خاص کی شرح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاح تو جزائے عام تھی

اب جزاءِ خاص سُنو: عاشقوں کی خوشی اور ان کا غم جو کچھ ہے وہی ہے اور ان کی..
مزدوری اور ان کی خدمت کا معاوضہ بھی وہی ہے کیونکہ عشاق اپنے مطلوب کے سوا کسی
اور چیز پر بھی نظر کریں تو وہ عشق نہ ہوگا بلکہ بوالہوسی ہوگی اسلئے کہ عشق کی شان
تو یہ ہے کہ جب اس کا شعلہ اُٹھتا ہے تو معشوق کے سوا سب کو بھسم کر دیتا ہے
اور حق سبحانہٗ کے سوا سب پر نفی کی تلوار چلا دیتا ہے۔ پس جبکہ اس نے
خدا کے سوا سب کی نفی کر دی۔ تو اب دیکھ لو۔ کیا رہ گیا کچھ بھی نہیں سب فنا ہو گئے
اور صرف حق سبحانہٗ باقی رہ گئے۔

جب یہ حالت ہے تو اس کے سوا عشاق کو اور کوئی شے کیونکر مطلوب ہو سکتی ہے
اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے عشق شرکت سوز! خوش رہ تیرا کیا کہنا ہے۔ کہ تو نے
ذرا سی دیر میں وہ کام کر دیا جو کسی شے سے عمر بھر نہ ہو سکتا تھا اور تو نے عاشق کو کامل
موحّد بنا دیا ــــ یہاں تک تو فنا بالنظر الی العاشق کا بیان تھا۔ اب فرماتے ہیں کہ
واقع میں بھی یہ ہوا ہے کہ وہی اول ہے اور وہی آخر۔ یعنی ازلی و ابدی وہی ہے
اور کوئی نہیں اور جو ازلی و ابدی ہے موجود کہلانے کا وہی مستحق ہے اور ممکنات
جو کہ محاط اور ممکن ہیں اور اپنے وجود کی حالت میں بھی کوئی مستقل وجود نہیں
رکھتیں بلکہ اسی کے پرتو سے موجود ہیں وہ حقیقتاً موجود کہلانے کی مستحق نہیں ہیں
کیونکہ یہ وجود جو ان کو حاصل ہے حق سبحانہٗ کے وجود کے مغائر نہیں ہے بلکہ اسی
کے وجود کی طرف منتسب اور اسی سے مکسوب ہے ــــ جس طرح کہ نور قمر نور شمس
سے مستفاد ہے۔ اسلئے موجود صرف حق سبحانہٗ ہے اور جو کوئی حق سبحانہٗ کے
سوا ہی کسی کو موجود مانے بایں معنی کہ ان کے وجود کو مستقل جانے یا اس کے
ساتھ ایسا معاملہ کرے جو موجود مستقل کے ساتھ ہونا چاہیئے وہ کج بین ہے بھلا
کہیں اس عکس حسین کے سوا ہی کوئی اور کون حسین ہو سکتا ہے اور جسم و جان کے

سوا کسی اور شے کو بھی حرکت ہوسکتی ہے ہرگز نہیں - پس حق سبحانہ کے وجود کے سوا کوئی اور وجود ثابت کرنا سخت غلطی ہے - عشاق کی جو حالت ہم نے بیان کی ہے تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی اسلئے کہ تم عاشق نہیں -

مثلاً جسکے مزاج میں اعتدال سے انحراف ہو اور اس کا مزاج فاسد ہوگیا ہو اسکو اگر تم شہد میں ڈبو دو تو اُسے مزہ نہیں آسکتا تو اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ شہد میں مزہ نہیں ہرگز نہیں - بلکہ اس کا سبب وہی انحراف عن الاعتدال اور فساد مزاج ہے بس اس مضمون کو وہی سمجھ سکتا ہے جو کبھی بحیاتِ معنوی زندہ رہ چکا ہو - اور حق سبحانہ کے الطاف وعنایات دیکھ چکا ہو - اور جس نے حیات معنوی کی صورت ہی نہیں دیکھی وہ نہیں سمجھ سکتا کہ حق سبحانہ جانِ جان ہیں ان کا مل جانا ہر دولت کا مِل جانا ہے بلکہ وہ تو نفسِ دُخاں یعنی رُوح حیوانی ہی کو جان سمجھتا ہے اور اسی کے ارادے کے مطلوبات اکل وشرب راحت وآرام کی قدر کرتا ہے یہ بے چارہ بھی ایک درجہ میں معذور ہے کیونکہ اسنے ان کو دیکھا ہی نہیں اسنے تو یہی حالت دیکھی ہے مثلاً جسنے عمر بن عبدالعزیز کو نہ دیکھا ہو وہ حجاج ہی کو عادل سمجھے گا - اور جسنے اژدھائے موسیٰ کا استقلال نہیں دیکھا وہ جادو کی رسیوں ہی میں حیات جانے گا اور جس جانور نے شیریں پانی کبھی دیکھا ہی نہیں وہ آبِ شور ہی میں گرم پڑا رہے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ ایک ضد سے دوسری ضد معلوم ہوتی ہے - اور اس نے دوسری ضد دیکھی ہی نہیں تو اسے اس ضد کی حالت کیونکر معلوم ہوسکتی ہے مثلاً جب کسی کو تکلیف ہی کسی سے نہیں پہنچی اسکو اعزاز واکرام کی حالت کیا معلوم ہوسکتی ہے -

بنابریں دنیا کو عالمِ آخرت پر مقدم کیا گیا ہے تاکہ ہم کو عالمِ آخرت کی قدر معلوم ہو - اور جبکہ تم اس دار المحن سے چھوٹ کر عالمِ آخرت میں جاؤ - تو شکرخانہ

ابدی میں پہنچکر حق سبحانہ، کا شکر ادا کرو - اور کہو میں وہاں خاک چھانتا تھا اور
اُس جہاں پاک سے بھاگتا تھا اور میں سانپ کو لے کر خزانہ سے بے رغبت ہو گیا تھا - اور
کانٹے کو لے کر اور گلزار کو چھوڑ کر خوش تھا -

ہائے افسوس! مجھے اس سے پہلے موت کیوں نہ آگئی - تاکہ میں اس کیچڑ میں سے
غذا کم کھاتا ـــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ ہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مرتا اور جسم سے چھوٹتا ہے اسکو انتقال
اور موت کی حسرت نہیں ہوتی - بلکہ موت کی تقصیر اور اس کے اتنے عرصہ تک
فوت ہونے کی حسرت ہوتی ہے اور جو شخص مرتا ہے اسکی یہی خواہش ہوتی
ہے کہ اس سے پہلے اس کا مقصود کی طرف انتقال ہو جاتا - کیونکہ اگر وہ بد ہے...
تو اسکی یہ خواہش اسلئے ہوتی ہے کہ بدی کم کرتا اگر وہ نیک ہے تو اسکی یہ تمنا
اسلئے ہوتی ہے کہ جلد اپنے گھر واپس آتا - اور بُرا آدمی کہتا ہے کہ میں متحیر
تھا اور دمبدم مجھ پر پردہ پڑ رہا تھا - پس اگر جلدی میرا اس دنیا سے گذر ہو جاتا
تو یہ حجاب اور پردہ کم ہوتے اور مجھے حق سبحانہ، سے اتنا بُعد نہ ہوتا جب مجھے پہلے
.... اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت معلوم ہو گئی... تو ہم کہتے ہیں کہ تو
بہرانہ بن اور حرص نہ کر - اور حرص کر کے قناعت کے منہ کو نہ نوچ - اور تکبر نہ کر -
اور تکبر کر کے چہرۂ خشوع کو زخمی نہ کر ـــــ علیٰ ہٰذا بخل نہ کر اور بخل کر کے
جود و سخا کے منہ کو نہ نوچ اور ابلیس پن نہ کر - اور ابلیس پن کر کے سجدہ کے منہ کو نہ
نہ نوچ - اور اپنے خلد آرار اور راہ ہمسایوں کو نہ اُکھیڑ یعنی قوای شہوانیہ کو فنا
نہ کر ـــــ خلاصہ یہ ہے کہ تو بُرائیاں نہ کر - اور برائیاں کر کے ان کی اضداد بھلائیوں
کو نقصان نہ پہنچا - مگر برائیوں کی قوت نہ کھو - کیونکہ جو آثار بھلائیوں پر برائیوں
کی قوت کے موجود ہونے کی صورت میں مرتب ہوں گے وہ اُس صورت میں

چوں شنید[۵۳] ایں پند روئے بنگریست
جب اُس نے نصیحت سُنی اور (ناصح کا) چہرہ دیکھا

بعد ازاں در نوحہ آمد می گریست
اُسکے بعد نوحہ شروع کردیا، رو پڑا

نوحہ و گریہ دراز و دردمند
نوحہ اور گریہ دراز اور دردمند تھا

ہر کہ آنجا بُود در گریہ اش فگند
وہاں جو بھی تھا اُس کو رُلا دیا

وآنکہ می پرسید پر کندن چیست
اور جس نے پوچھا تھا کہ پر کیوں نوچتا ہے؟

بیجواب و خُد پشیماں می گریست
بغیر جواب (دئے) شرمندہ ہوگیا، رونے لگا

کز فضولی من چرا پرسیدمش
کہ بیہودہ پن سے میں نے اُس سے کیوں پوچھا!

او ز غم پُر بود شورانیدمش
وہ غم سے بھرا ہوا تھا میں نے اُسکو جوش دلا دیا

می چکید از چشمِ تر بر خاک آب
تر آنکھوں سے زمین پر آنسو ٹپک رہے تھے

اندراں ہر قطرہ مُدرج صد جواب
ہر قطرے میں سینکڑوں جواب درج تھے

می چکید از چشمِ اُو گریہ بخاک
اُس کی آنکھ سے مٹی پر آنسو ٹپک رہے تھے

خاک گِل می شد ز اشکِ سہمناک
خوفناک آنسوؤں سے مٹی کیچڑ بن گئی

گریۂ[۵۱] با صدق بر جانہا زند
سچائی کے ساتھ رونا روحوں کو متاثر کرتا ہے

تا کہ چرخ و عرش را گریاں کُند
حتیٰ کہ آسمان اور عرش کو رُلا دیتا ہے

گریۂ بے صدق بے سوزش بُوَد
بناوٹی رونا بغیر سوزش کا ہوتا ہے

دیو و دِل بر گریہ اش خنداں شود
کیونکہ شیطان اُس کے رونے پر ہنستا ہے

گریۂ بے صدق باشد بیفروغ
بناوٹی رونا بے فروغ ہوتا ہے

آں ندارد چربیِ ماندِ دوغ
اُس میں چھاچھ کی طرح کمتی نہیں ہوتا ہے

عقل و دلہا بے گمانے عرشیند
عقل اور دل بلاشبہ عرشی ہیں

در حجاب از نورِ عرشی می زیند
در پردہ عرشی نور کے ذریعہ جیتے ہیں

بیان آنکہ عقل و روح در آب و گِل جسد محبوس اند ہمچوں ہاروت و ماروت در چاہ بابل

اس کا بیان کہ عقل اور روح جسم کی مٹی، پانی میں اس طرح قیدی ہیں جس طرح ہاروت اور ماروت بابل کے کنویں میں

ہمچو ہاروت[۵۲] و چو ماروت آں دو پاک
وہ دونوں پاک، ہاروت اور ماروت کی طرح

بستہ اند ایں جا بچاہ سہمناک
اِس جگہ خوفناک کنویں میں بند ہیں

عالمِ سِفلی و شہوانی در اند
وہ عالمِ سِفلی اور شہوانی میں ہیں

اندریں چہ گشتہ اند از جرم بند
جُرم کی وجہ سے اِس کنویں میں بند ہوگئے ہیں

---

[۵۳] شنید۔ اُس لڑکے نے سنا۔ رُوئے یعنی ناصح کا چہرہ۔ نوحہ۔ اس کے رونے نے دوسروں کو رُلا دیا۔ وآنکہ۔ وہ ناصح حکیم بھی رو پڑا۔ کز فضولی۔ اس سوال پر کہ پر کیوں اکھاڑتا ہے وہ سوال کرنے والا شرمندہ ہوگیا۔ ہر قطرہ۔ آنسو کے ہر قطرے میں اس سوال کا جواب تھا۔ مُدرج۔ داخل ہے۔

[۵۱] گریہ۔ مولانا فرماتے ہیں جو سچائی کا رونا ہے اُس کی تاثیر محض دنیا تک نہیں بلکہ عرش تک پہنچتی ہے۔ گریۂ بے صدق۔ بناوٹی رونے پر شیطان مذاق اُڑاتا ہے۔ حدیث میں ہے "اَلْقَلْبُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ" "دل خدا کا عرش ہے" تو چونکہ سچے رونے سے عرش متاثر ہوتا ہے لہٰذا عقل و دل جو عرشی ہیں وہ بھی متاثر ہوتے رہیں۔

[۵۲] ہمچو۔ جس طرح ہاروت و ماروت کا تعلق عالم بالا سے تھا لیکن چاہِ بابل میں قیدی ہیں اسی طرح عقل اور روح بھی عالمِ بالا کی چیز ہوتے ہوئے انسانی بدن کے کنویں میں قیدی ہیں۔ عالمِ سِفلی۔ ان دونوں نے چونکہ عالمِ سِفلی اور شہوانی سے تعلق پیدا کیا لہٰذا جسم کے کنویں میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ سحر ضد سحر۔ اب نیک لوگ ان سے اچھی تعلیمات حاصل کرتے ہیں اور بُرے لوگ بُری تعلیمات حاصل کرتے ہیں۔ بے اختیار یعنی شوق سے مجبور ہوکر۔

سحر و ضدِ سحر را بے اختیار
جادو اور اُس کا توڑ بغیر اختیار کے

زیں دو آموزند نیکان و شرار
نیک اور بد ان دونوں سے سیکھتے ہیں

لیک اوّل پند بدہندش کہ ہیں
لیکن وہ شروع میں نصیحت کر دیتے ہیں کہ خبردار!

سحر را از ما میاموز و مچیں
جادو ہم سے نہ سیکھو، نہ حاصل کر

ما بیاموزیم[۱] ایں سحر اے فلاں
اے فلاں! ہم یہ جادو سکھاتے ہیں

از برائے ابتلاء و امتحاں
ابتلاء اور آزمائش کے لئے

کامتحاں را شرط باشد اختیار
آزمائش کے لئے اختیار شرط ہے

اختیارے نبودت بے اقتدار
بغیر قدرت کے تیرے لئے اختیار نہ ہوگا

میلہا ہمچوں سگانِ خفتہ اند
خواہشات، سوئے ہوئے کتوں کی طرح ہیں

اندر ایشاں خیر و شر بنہفتہ اند
اُنکے اندر خیر اور شر پوشیدہ ہیں

چونکہ[۱] قدرت نیست خفتند ایں رمہ
چونکہ (جسم میں) قدرت نہیں ہے یہ گروہ سویا ہوا ہے

ہمچو ہیزم پارہا و تن زدہ
لکڑی کے ٹکڑوں کی طرح اور چپ ہے

تا کہ مُردارے درآید درمیاں
یہاں تک کہ کوئی مُردار بیچ میں آجاتا ہے

نفخِ صورِ حرص کوبد بر سگاں
حرص کے صور کی آواز کُتّوں کو جھنجھوڑ دیتی ہے

چوں دراں کوچہ خرے مُردار شد
جب اُس گلی میں کوئی گدھا مرجاتا ہے

صد سگِ خفتہ بداں بیدار شد
اُس سے سینکڑوں سوئے ہوئے کُتّے جاگ جاتے ہیں

حرصہائے رفتہ اندر کتمِ غیب
غیب کے پردے میں گئی ہوئی حرصیں

تاختن آورد سر برزد ز جیب
حملہ آور ہو گئیں، گریبان سے سر نکالا

مو بمو[۲]ئے ہر سگے دنداں شدہ
ہر کُتّے کا رونگٹا رونگٹا دانت بن گیا

وز برائے حیلہ دُم جُنباں شدہ
اور تدبیر کے لئے دُم ہلانے لگا

نیم زیرش حیلہ و بالا غضب
اُس کا آدھا نچلا حصہ حیلہ اور اوپر کا غصہ ہے

چوں ضعیف آتش کہ اُو یابد حطب
جس طرح کمزور آگ جو ایندھن پالے

شعلہ شعلہ میرسد از لامکاں
لامکاں سے شعلے ہی شعلے آجاتے ہیں

میرود دُود و لہب تا آسماں
دھواں اور لپٹ آسمان تک جاتی ہے

صد چنیں سگ اندریں تن خفتہ اند
ایسے سینکڑوں کُتّے اِس جسم میں سوئے ہوئے ہیں

چوں شکارے نیست شاں بنہفتہ اند
چونکہ کوئی شکار نہیں ہے، وہ چھپے ہوئے ہیں

یا چو بازاں دیدہ دوختہ
یا آنکھیں سلے ہوئے بازوں کی طرح ہیں

در حجاب از عشقِ صیدے سوختہ
شکار کے عشق میں زیرِ پردہ جلے ہوئے ہیں

تا کُلہ برداری و بیند شکار
یہاں تک کہ تو ٹوپیا ہٹا دے اور وہ شکار دیکھ لے

آنگہاں سازد طوافِ کوہسار
اُس وقت پہاڑ کے چکر کاٹتا ہے

---

[۱] ما بیاموزیم۔ عقل رُوح سمجھاتی ہے کہ ہمارے سحر سکھانے میں ایک امتحان اور آزمائش ہے کہ سیکھنے والا اُسکو غلط استعمال کرتا ہے یا صحیح۔ امتحان۔ اِس جادو کا سیکھنا و سیکھنا سیکھنے والا کا اختیاری فعل ہو۔ اسی لئے اُسکو دونوں باتوں پر قدرت ہے۔ میلہا۔ انسان کے اندر کی خواہشیں

سوئے ہوئے کتوں کی طرح ہیں

[۱] چونکہ۔ انسان کا یہ سمجھنا کہ اُسمیں بُرائی کی طاقت نہیں ہے بہت بڑی غلطی ہے چونکہ بُرائی کا موقع حاصل نہیں اس لئے وہ قوت سوئی ہوئی ہے جب موقع ہوگا وہ فوراً بیدار ہوجائیگی۔ چوں دراں۔ انسانی خواہشوں کا حال سوئے ہوئے کُتّوں کی طرح ہے اُن کے سامنے جب کوئی مُردار آجاتا ہے پھر اُن کا حال دیکھو۔

[۲] مو بموی۔ اب کُتّے کا رونگٹا رونگٹا دانت بن جاتا ہے اور وہ حیلہ اور غصّے سے پُر ہوجاتا ہے۔ چوں ضعیف۔ آگ کو اگر ایندھن نہ ملے تو کس قدر پُرسکون ہوتی ہے اور ایندھن ملتے ہی کس قدر شعلہ زن بن جاتی ہے۔ صد چنیں۔ انسان کے اندر بُری صفتیں اِن کُتّوں کی طرح سوئی ہوئی ہیں جب موقع ملتا ہے تو وہ پھر اپنی تیزی دکھاتی ہیں۔ یا چو۔ اِن بُری صفتوں کی مثال شکاری سے دی ہے یا اُس باز سے جس کی آنکھیں سلی ہوئی ہیں لیکن شکار کے عشق میں وہ دل سوختہ ہے۔ تا کُلہ۔ شکار کے وقت باز کے سر پر سے ٹوپی ہٹا دی جاتی

شہوتِ[۵۳] رنجور ساکن می بُوَد — خاطرِ اُو سُوئے صحت میرود
بیمار کی خواہش جب تک سکون میں ہوتی ہے — اُس کا مزاج صحت کی طرف چلتا ہے

چوں بہ بیند نان و سیب و خربزہ — در مَصاف آید مزہ و خوفِ بزہ
جب وہ روٹی اور سیب اور خربوزہ دیکھتا ہے — مزا اور بد پرہیزی کا خوف جنگ میں مبتلا ہوجاتے ہیں

گر بُوَد[۵۴] صبّار دیدن سُود اُوست — آں تہیج طبع سُستش را نکوست
اگر وہ صابر ہے تو دیکھنا اُس کے لئے مفید ہے — وہ برانگیختگی اُس کی سست طبیعت کے لئے بہتر ہے

وَر نباشد صبر پس نادیدہ بہ — تیر دور اولٰے ز مردِ بے زرہ
اگر صبر نہ ہو تو نہ دیکھنا بہتر ہے — بغیر زرہ کے آدمی سے تیر کا دور ہونا بہتر ہے

باز گرد و کُن حکایت را تمام — تا چہ گفت اندر جوابش والسلام
واپس ہو اور حکایت کو پورا کردے — کہ اُس (مور) نے اُسکے جواب میں کیا کہا' والسلام

بشنو[۵۵] اکنوں تو ز طاؤس آں جواب — تا بدانی ہر نکوئی را خطاب
اب تو مور سے وہ جواب سُن — تاکہ تو ہر بھلائی کا خطاب جان لے

جوابِ دادنِ طاؤس آں حکیم سائل را

مور کا اُس سوال کرنے والے داتا کو جواب دینا

چوں ز گریہ فارغ آمد گفت رَو — کہ تو رنگ و بُوئے را ہستی گرَو
جب وہ (مور) رونے سے فارغ ہوگیا اُسنے کہا — کہ تو رنگ و بُو کا غلام ہے

آں نمی بینی کہ ہر سُو صد بَلا — سُوئے من آید پئے ایں بالہا
کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ ہر جانب سینکڑوں بلائیں — ان پَرّوں کی وجہ سے میری جانب آتی ہیں

اے بسا صیادِ بے رحمت مُدام — بہر ایں پرہا نہد ہر سُو دام
ہمیشہ بہت سے ناترس شکاری — ان پَرّوں کے لئے میری ہر جانب جال پھیلاتے

چند تیر انداز بہرِ بالہا — تیر سُوئے من کشد اندر ہَوا
بہت سے تیر انداز پَرّوں کے لئے — ہوا میں میری جانب تیر چلاتے ہیں

چوں[۵۶] ندارم زور و ضبطِ خویشتن — زیں قضا و زیں بلا و زیں فِتَن
جبکہ میں طاقت اور اپنا بچاؤ نہیں رکھتا ہوں — اس قضا اور اس بلا اور ان فتنوں سے

آں بہ آید کہ شوم زشت و کریہ — تا بوم ایمن دریں کُہسار و تیہ
یہ مناسب ہے کہ میں بھدا اور ناپسند بن جاؤں — تاکہ میں اس پہاڑ اور جنگل میں محفوظ ہوجاؤں

برکنم پرہائے خود را یک بیک — تا نیندازد بدامم ہر کلک
میں ایک ایک کرکے اپنے پر نوچتا ہوں — تاکہ کوئی منحوس مجھے جال میں نہ پھانسے

ہے تو پھر وہ شکار کرد کھو کر بہاڑوں کا چکر کاٹتا ہے۔

[۵۳] شہوتِ رنجور۔ بیماری کے دوران مختلف غذاؤں کی شہوت و رغبت سکون پذیر ہوتی ہے لیکن جب وہ مختلف غذائیں دیکھتا ہے تو وہ شہوت بیدار ہوجاتی ہے۔

[۵۴] گر بود۔ اب اگر اس بیمار میں صبر کا مادہ ہے تو ان غذاؤں کا دیکھنا اُس کے لئے مفید ہے تاکہ اُس کی خواہشیں بیدار ہوجائیں اور اگر وہ صابر نہیں ہے تو اُس کے لئے مناسب ہے کہ وہ ان غذاؤں کو ہی نہ دیکھ پائے۔

[۵۵] بشنو۔ اب ناصح حکیم کو مور نے جو جواب دیا وہ سنو اُس نے کہا اے ناصح تو محض رنگ و روپ کا عاشق ہے یہ نہیں دیکھتا کہ یہ پر میرے لئے کس قدر مصائب کا سبب ہیں۔ اے بہ شکاری میرا شکار محض ان پروں کی خاطر کرتے ہیں کوئی جال سے پکڑتا ہے کوئی مجھے تیر سے مارتا ہے۔

[۵۶] چوں۔ جبکہ مجھ میں ان مصائب کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ میں بدصورت بن جاؤں۔ کُہسار۔ پہاڑ۔ تیہ۔ جنگل۔ کلک۔ منحوس۔ نرد بچن۔ پروں کے بچانے سے جان کا بچانا بہتر ہے۔ ابتر تاص۔

نزدِ من جاں بہتر از بال و پرست — جاں بماند باقی و تن ابترست

میرے نزدیک جان، بال اور پر سے بہتر ہے — جان باقی رہے گی اور جسم ناقص ہے

ایں[1] سلاحِ عجبِ من شُد اے فتیٰ — عجب آرد معجباں را صد بلا

اے نوجوان! یہ میری خود پسندی کا ہتھیار ہے — خود پسندی خود پسند کو سینکڑوں مصیبتوں میں مبتلا کر دیتی ہے

دَر بیانِ آنکہ ہُنرہا و زیرکیہا و مالِ دنیا ہمچو پرِ طاؤس عدوِّ جان اند

اس کا بیان کہ دنیا کا ہنر اور زہانتیں اور مال مور کے پروں کی طرح جان کے دشمن ہیں

پس ہنر آمد ہلاکت خام را — کز پئے دانہ نہ بیند دام را

ہنر، ناقص کے لئے ہلاکت ہے — کیونکہ وہ دانہ کی وجہ سے جال کو نہ دیکھے گا

اختیار[2] آں را نکو باشد کہ اُو — مالکِ خود باشد اندر اِتّقُوا

اختیار، اُس کے لئے بھلا ہوتا ہے جو — تم تقویٰ اختیار کرو کے معاملہ میں اپنے آپ پر قابو رکھے

چوں نباشد حفظ و تقویٰ زینہار — دور کُن آلت بیندا ز اختیار

جب نگہداشت اور تقویٰ نہ ہو، خبردار! — آلہ کو پھینک دے، اختیار کو چھوڑ دے

جلوہ گاہ و اختیارم ایں پرست — بر کنم پر را کہ در قصدِ سرست

میری خود نمائی اور اختیار یہ پر ہیں — میں پر اکھیڑ رہا ہوں کیونکہ وہ سر کے درپے ہیں

نیست انگارد پرِ خود را صبور — تا پرش در نفگند در شر و شور

صابر اپنے (بال و) پر کو نیست سمجھتا ہے — حتیٰ کہ اُس کے پر شور و شر میں مبتلا نہیں کرتے ہیں

پس زیانش نیست پر گو بر مکن — گر رسد تیرے بہ پیش آرد مجن

تو اُس کو کوئی نقصان نہیں پر کہہ دو وہ پر نہ نوچے — اگر کوئی تیر آئے گا وہ ڈھال سامنے کر دیگا

لیک[3] بر من پرِ زیبا دشمنے ست — چونکہ از جلوہ گری صبریم نیست

لیکن میرے لئے حسین پر دشمن ہیں — چونکہ خود نمائی سے مجھ میں صبر نہیں ہے

گر بُدے صبر و حفاظم راہبر — بر فزودے ز اختیارم کر و فر

اگر صبر اور حفاظت میرے رہبر ہوتے — تو اختیار سے میری کر و فر بڑھ جاتے

ہمچو طفلم یا چو مست اندر فتن — نیست لائق تیغ اندر دستِ من

میں فتنوں کے سلسلہ میں بچے یا مست کی طرح ہوں — میرے ہاتھ میں تلوار (ہونا) مناسب نہیں ہے

گر مرا عقلے بُدے و مُنزجر — تیغ اندر دستِ من بودے ظفر

اگر میرے پاس رک جانے والی عقل ہوتی — تو میرے ہاتھ میں تلوار، کامیابی ہوتی

عقل باید نور دہ چوں آفتاب — تا زند تیغے کہ نبود جز صواب

عقل، سورج کی طرح نور عطا کرنے والی چاہیئے — تا کہ ایسی تلوار چلائے جو ٹھیک ہی ہو

---

[1] ایں۔ میرے یہ پر میرے غرور و تکبر کا باعث ہیں لہٰذا تکبر سینکڑوں بلاؤں کا سبب بنتا ہے۔ در بیان جس طرح مور کے پر اُس کے مصائب کا سبب ہیں اسی طرح دنیا کے ہنر اور دنیا کی عقل بھی انسان کے لئے وبالِ جان ہے۔

[2] اختیار۔ گناہ کے کر سکنے اور نہ کر سکنے کا اختیار اُس شخص کے لئے مناسب ہے جس میں تقویٰ ہو اور اگر تقویٰ نہیں ہے تو پھر اُس کے لئے اختیار باقی رکھنا مناسب نہیں ہے۔ آلت۔ یعنی وہ اسباب و ذرائع جن سے بُرائی پر قدرت حاصل ہو سکے۔ جلوہ گاہ۔ مور نے کہا کہ میرے تکبر و غرور کے اسباب میرے پر ہیں لہٰذا میں انکو ہی ختم کئے دیتا ہوں چونکہ یہ ہلاکت کو ذریعہ اور سبب ہیں۔ صبور۔ جو صابر اور متقی ہو وہ ان اسباب کو کالعدم سمجھ سکتا ہے۔ پس۔ صابر اپنے صبر کی ڈھال سے اپنا بچاؤ کرے گا۔

[3] لیک۔ لیکن میں چونکہ اچھے اور نمائش سے صابر نہیں ہوں لہٰذا میرے پر میرے دشمن ہیں۔ گر بُدے۔ اگر انسان صابر ہو تو بُرائی پر قدرت ہوتے ہوئے بُرائی نہ کرنا بہت افضل ہے۔ ہمچو۔ میری مثال بچے کی سی ہے جس کے ہاتھ میں تلوار دینا مناسب نہیں ہے وہ اُسکو غلط استعمال کریگا۔ عقل باید۔ تلوار عقلمند کے ہاتھ میں دینی چاہیئے تا کہ وہ تلوار کا

چوں ندارم عقل تابان و صلاح ۔۔۔ پس چرا در چاہ نندازم سلاح

جبکہ میرے پاس روشن عقل اور نیکی نہیں ہے ۔۔۔ تو میں ہتھیار کنویں میں کیوں نہ پھینک دوں!

در چہ اندازم کنوں تیغ و مجن ۔۔۔ کایں سلاح خصم من خواہد شدن

اب میں تلوار اور ڈھال کنویں میں ڈالتا ہوں ۔۔۔ کیونکہ یہ میرے دشمن کے ہتھیار بن جائینگے

چوں ندارم زور و یاری و سند ۔۔۔ تیغ او بستاند و بر من زند

جبکہ میں زور اور مدد اور سہارا نہیں رکھتا ہوں ۔۔۔ وہ (دشمن) تلوار چھین لے گا اور مجھ پر چلا دے گا

رغم ایں نفس وقیحہ خوی را ۔۔۔ کو نپوشد رو خراشم روی را

اس بدخصلت نفس کی ذلت کے لئے ۔۔۔ جو منہ نہیں چھپاتا ہے میں اپنا منہ نوچ ڈالوں

تا شود کم ایں جمال و ایں کمال ۔۔۔ چوں نماند زد کم افتم در وبال

تاکہ یہ حسن اور یہ کمال کم ہو جائے ۔۔۔ جب وہ نہ رہیگا تو میں اس کی وجہ سے وبال میں پڑونگا

چوں بدیں نیت خراشم بزہ نیست ۔۔۔ کہ بزخم ایں روی را پوشیدنیست

جبکہ میں اس نیت سے نوچ رہا ہوں کوئی گناہ نہیں ۔۔۔ کیونکہ زخم کے چہرے سے اس چہرے کی پردہ پوشی ہے

گر دلم خوی ستیری داشتے ۔۔۔ روی خوبم جز صفا نفراشتے

اگر میرا دل پردہ پوشی کی عادت رکھتا ۔۔۔ تو میرا حسین چہرہ صفائی کو ہی ظاہر کرتا

چوں ندیدم زور و فرسنگ و صلاح ۔۔۔ خصم دیدم زود بشکستم سلاح

جب میں نے (اپنے اندر) زور اور سمجھ اور نیکی نہ دیکھی ۔۔۔ میں نے دشمن کو دیکھا فوراً ہی اپنے ہتھیار توڑ ڈالے

تا نگردد تیغ من او را کمال ۔۔۔ تا نہ گردد خنجرم بر من وبال

تاکہ میری تلوار اس کا کمال نہ بنے ۔۔۔ تاکہ میرا خنجر مجھ پر وبال نہ بنے

میگریزم تا رگم جنباں بود ۔۔۔ کے فرار از خویشتن آساں بود

جبتک میری نبض حرکت کرتی رہیگی میں بھاگتا رہونگا ۔۔۔ لیکن اپنے آپ سے بھاگنا کب آسان ہے!

آنکہ از غیرے بود او را فرار ۔۔۔ چوں ازو ببرید گیرد او قرار

جس شخص کو غیر سے بھاگنا ہو ۔۔۔ وہ جب اس سے جدا ہو گیا تو اسکو سکون ہو گیا

منکہ خصمم ہم منم اندر گریز ۔۔۔ تا ابد کار من آمد خیز خیز

میں کہ اپنا دشمن خود ہوں، بھاگنے میں ۔۔۔ ہمیشہ کے لئے میرا کام ہوگا اٹھ اٹھ

نے بہندست ایمن و نے در ختن ۔۔۔ آنکہ خصم اوست سایہ خویشتن

اسکو نہ ہندوستان میں امن ہے اور نہ ختن میں ۔۔۔ جس کا دشمن خود اس کا سایہ ہو

---

۱ چوں: جبکہ مجھ میں عقل نہیں ہے تو مجھے اپنا ہتھیار یعنی پر کنویں میں پھینک دینے چاہئیں۔ چوں ندارم: اگر انسان میں تلوار سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے تو دشمن اسکی تلوار چھین کر اس کا خاتمہ کر دے گا۔ رغم: میں اپنے نفس کو ذلیل کرنے کیلئے اپنے پر اکھاڑ رہا ہوں۔ تا شود: تاکہ اس جمال اور کمال کے اسباب ہی باقی نہ رہیں۔ چوں: جبکہ پر اکھاڑنے میں میری یہ مصلحت ہے تو پر نوچنا گناہ نہیں ہے۔

۲ گر: اگر مجھ میں پردہ پوشی کی طاقت ہوتی تو پر میں پر نہ اکھاڑتا۔ چوں ندیدم: جب مجھ میں گناہ کے اسباب اختیار کر کے گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں ہے تو ان اسباب ہی کو ختم کر رہا ہوں۔ تا نگردد: جب مجھ میں طاقت نہیں ہو تو یہ ہتھیار میرے خلاف استعمال ہو جائیگا۔ میگریزم: اب جبکہ اپنا دشمن میں خود ہوں تو جب تک میری جان میں جان ہے میں بھاگتا رہوں گا لیکن اپنے آپ سے گریز بہت مشکل ہے۔

۳ آنکہ: دوسرے سے بھاگنے میں قرار ممکن ہے جب وہ دور ہو جائے تو ٹھہر سکتا ہے لیکن چونکہ میں خود اپنا دشمن ہوں تو میرا کام ہر وقت دشمن سے بھاگتے رہنا ہے۔ نے بہند: نہ میرے لئے ہندوستان میں قرار ممکن ہے نہ ختن میں کیونکہ میرا دشمن سایہ کی طرح میرے ساتھ ہے۔

شرح الغرض! جب طاؤس نے ناصح کی یہ نصیحت سُنی تو اس نے منہ اٹھا کر ناصح پر ایک نظر ڈالی اور اس کے بعد اُس نے رونا شروع کیا اس کی دراز اور درد سے بھری ہوئی نالہ وزاری نے جس قدر لوگ وہاں موجود تھے سب کو رُلا دیا۔ اور جس نے سوال کیا تھا کہ تو پر کیوں اکھیڑتا ہے وہ بدوں جواب ہی کے پشیمان تھا کہ میں نے خواہ مخواہ اس سے کیوں پوچھا یہ تو خود ہی غم سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے اُسے ناحق جوش دلایا اور بھڑکایا۔

القصہ! مور کی تیز آنکھ سے زمین پر آنسو گر رہے تھے اور اسکے ایک ایک آنسو میں اس سوال کے سوسو جواب موجود تھے۔ اور اس کے آنسو اس قدر کثرت سے گر رہے تھے کہ ان سے زمین میں کیچڑ ہو رہا تھا۔ اس کے رونے کا اثر دوسروں پر کیوں تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ گریہ سوزش درد سے ناشی تھا۔

اب تم سمجھو کہ جو لوگ خدا کے لیے صدق دل سے روتے ہیں اُن کا اثر دوسروں پر بھی ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کا رونا آسمان اور عرش کو رُلا دیتا ہے لیکن اگر وہ رونا خلوص اور سوز دل سے نہیں ہوتا تو محض بے اثر ہوتا ہے اور شیطان اسکی اس سعی لاحاصل پر ہنستا ہے اور جو رونا سچے دل سے نہیں ہوتا اس میں نور و برکت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں چھاچھ کی طرح دُہنیتِ معنویہ نہیں ہوتی جو سبب ہے تنور معنوی کا۔

اچھا اب تم اس شبہ کا جواب سُنو! جو بادی النظر ہیں اس مقام پر پیدا ہوتا ہے تقریر شبہ یہ ہے کہ عقل و دل تو لطائف غیبیہ نہیں پھر ان میں عدم خلوص کیونکر آیا۔ اور ان کے گریہ میں تکدر کیسے پیدا ہوا اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ عقل و دل بے شک لطائف غیبیہ ہیں مگر وہ نور غیبی الٰہی سے محجوب ہو کر مصروف تعیش ہیں اسلئے وہ اپنے صرافت پر باقی نہیں رہیں اور

ان کے اقتضارات اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہے۔ یہ وجہ ہے انکے عدم خلوص کی اور یہ باعث ہے ان کے گریہ کے تکدر کا۔ اس مقام پر چونکہ مجوبیت عقل و دل کا ذکر آگیا۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے اسکے متعلق کسی قدر مفصل مضمون بیان کر دیا جائے۔ سنو! یہ دونوں فی نفسہٖ پاک اور مقدس لطیفے ہاروت و ماروت کی طرح عالمِ ناسوت کے ہولناک کنوئیں میں مقید ہیں اور عالم سفلی... و شہوانی کے اندر موجود ہیں اور بجرم عبدیت اس کنوئیں میں مقید ہیں (عبدیت کو جرم عــہ مجازاً و تشبیہاً کہا گیا ہے۔ جس طرح کہ عالم کو کنواں اور دنیا میں پہنچنے کو قید کرنا تشبیہاً کہا گیا ہے۔ اور ولی محمدلے جرم کی تفسیر تعشق بر نفس و متابعت ہوی سے کی ہے مگر یہ تفسیر صحیح نہیں کیونکہ جرم جلس سے پیشتر صادر نہ ہوا تھا۔ بلکہ جلس کے بعد ہوا ہے۔ پس یہ جرم جلس کا سبب نہیں ہو سکتا۔ اور یہ دونوں اس کنوئیں میں محبوس ہو کر اچھی بری باتیں لوگوں کو سکھلاتے ہیں لیکن اول سیکھنے والے کو حالاً نصیحت کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ تم ہم سے بری باتیں نہ سیکھو اور یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ اگر ان کا سیکھنا برا ہے تو تم سکھاتے کیوں ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم آزمائش اور امتحان کے لئے سکھلاتے ہیں۔ کیونکہ امتحان کے لیے اختیار شرط ہے اور اختیار بے قدرت کے ممکن نہیں کیونکہ رغبات جو کہ منشا ہیں صدور افعال اختیاریہ کا۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے سوئے ہوئے کتے۔ اور ان کے اندر بھلائیاں اور برائیاں مخفی ہیں پس جبکہ قدرت نہیں ہوتی تو یہ سوئے رہتے ہیں اور ایسے ہوتے ہیں جیسے لکڑی کے کندے اور خاموش ہوتے ہیں اسلئے وہ بھلائیاں اور برائیاں جو ان میں مخفی تھیں ظاہر نہیں ہو سکتیں تا آنکہ کوئی مردار ان کے درمیان

عــہ کما قیل وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب ۱۲ منہ

آجاتا ہے یعنی کسی مطلوب پر ان کو قدرت حاصل ہو جاتی ہے اس وقت حرص صور پھونک کر ان کو جگاتی ہے اور جبکہ گلے میں کوئی گدھا مر جاتا ہے تو سینکڑوں کتے اس سے جاگ جاتے ہیں۔ اور ان کی حرصیں جو پردہ غیب میں مستور تھیں اس وقت حملہ آور ہوتی ہیں اور اس پردہ سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کتوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کا بال بال اس مردار کے کھانے کے لیے دانت ہوتا ہے اور حیلہ کے لیے دم ہلاتا ہے اور ان کا نیچے ... کا حصہ سراسر حیلہ ہوتا ہے اور اوپر کا غضب اور اس طرح وہ سراسر حیلہ و غضب کے پتلے ہوتے ہیں ۔ اور ان کی حالت مارے غصہ کے یہ ہوتی ہے جیسے کم زور آگ کو ایندھن مل جائے اور اس کے شعلے غیب سے ظاہر ہو رہے ہوں اور اس کا دھواں اور شعلے آسمان تک پہنچ رہے ہوں۔

الغرض؛ ایسے سینکڑوں کتے (رغبات) بدن کے اندر سوئے ہیں۔ اور چونکہ شکار (مطلوب) نہیں ہے اسلئے چھپے ہوئے ہیں لیکن جب شکار ہاتھ آجاتا ہے اور مطلوب پر دسترس ہوتی ہے اس وقت ان کا ظہور ہوتا ہے یا بہ تبدیل عبارت یوں کہو کہ رغبات کی حالت ایسی ہے جیسے آنکھیں سیئے ہوئے باز جو کہ شکار کے عشق میں بھُن رہے ہیں ۔ یہانتک کہ ان کی آنکھوں سے ٹوپی اٹھا دی جاتی ہے اور وہ شکار کو دیکھ لیتے ہیں اس وقت تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ پہاڑوں کا چکر لگاتے ہیں اور شکار کو گرفتار کرنے کے لیے امکانی جد و جہد کرتے ہیں یا یوں کہو کہ رغبات کی مثال بیمار کی سی ہے کہ بیماری کی حالت میں اسکی خواہشات بالکل دبی ہوئی ہوتی ہیں اور اسکی طبیعت سراسر صحت کی طرف متوجہ ہوتی ہے ۔ مگر جب وہ روٹی، سیب، خربوزہ وغیرہ ماکولات دیکھتا ہے تو اسوقت خواہش کو حرکت ہوتی ہے اور خواہش تلذذ اور خوف بدپرہیزی و نفس

کی آپس میں جنگ ہوتی ہے پس اگر بیمار صاحب ہمت ہو اور اپنے کو بد...
پرہیزی سے روک سکتا ہے تو اس کو ان کے دیکھنے میں فائدہ ہے کیونکہ اس سے
طبیعت میں انتعاش پیدا ہوتا ہے اور اس سے اسکو قوت حاصل ہوتی ہے۔
اور اگر تحمل کی قوت کمزور ہے تو اس کا نہ دیکھنا ہی اسکے لیے بہتر ہے جس طرح
کہ بے زرہ شخص سے تیر کا دور رہنا اچھا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس:
جس وقت مرغوبات نا قابل حصول ہوتی ہیں اس وقت رغبات کو سکون ہوتا ہے
اور جس وقت وہ قابل حصول ہوتی ہیں اس وقت ان میں حرکت پیدا ہوتی ہے
اب اگر مرغوبات منہی عنہ ہوں اور قوت صبر ہی ہو تو ان کا موجود ہونا اس کے
لئے نافع ہے کیونکہ اس سے کف عن المعاصی متحقق ہونگے اور وہ اجر کا مستحق
ہوگا۔ اور قوت صبر کو ترقی ہوگی ــــ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس قوت سے کام
لیا جاتا ہے اسکو قوت ہوتی ہے اور اگر قوت تحمل ضعیف ہے تو اس کا نہ ہونا
ہی اسکے لیے بہتر ہے کیونکہ اگر اس صورت میں اجر کا مستحق نہ ہوگا تو معصیت
کا مرتکب بھی نہ ہوگا۔

(فائدہ) اس مقام پر یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ مولانا نے جو
معاصی کی موجودگی کو صابر کے حق میں مفید بتلایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بلا
اختیار ایسی صورت پیش آجائے کہ اس میں وہ معصیت کا ارتکاب کر سکے
اور ایسی صورت میں وہ تحمل سے کام لے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں بہتر ہوگا
اور اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ آدمی قدرت علی المعصیت حاصل کرنے کی
کوشش کرے تاکہ قادر ہو کر اس سے بچے ــــ مثلاً کسی عورت کو زنا پر اس
غرض سے رضامند کرے کہ جب یہ رضامندی ہو جائیگی اور مجھے پوری قدرت
حاصل ہو جائے گی تو میں باختیار خود اس سے بچوں گا اور اجر حاصل کروں گا کیونکہ ایسا

کرنے کی نہ اجازت ہے اور نہ یہ مفید ہے بلکہ یہ ایک شیطانی فریب ہے جس سے وہ دینداروں کو دھوکہ دیکر معاصی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

خوب یاد رکھو! خیر! اب لوٹنا چاہیئے اور حکایت کو ختم کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ طاؤس نے جواب میں کیا کہا ــــــ اچھا اب طاؤس کا جواب سنو! تاکہ تم کو وہ کلام معلوم ہو جو ہر قسم کی بھلائی کو متضمن ہے۔

شرح جب وہ رونے سے فارغ ہوا تو اُس نے کہا کہ جائیے اپنا کام کیجئے آپ حقیقت شناس نہیں بلکہ صرف رنگ و بو میں .. محبوس ہیں اور انہی کو آپ قابل قدر سمجھتے ہیں آپ یہ تو دیکھ رہے ہیں کہ میرا حسن مٹ رہا ہے مگر یہ نہیں دیکھ سکتے کہ سینکڑوں بلائیں مجھ پر انہی پروں کے سبب سے نازل ہوتی ہیں۔ بہت سے بے رحم انہی پروں کے لیے ہر طرف میرے لئے جال بچھاتے ہیں اور کتنے ہی تیر انداز انہی پروں کے سبب مجھ پر تیر چلاتے ہیں۔ پس جبکہ میں ان تقدیرات اور مصائب و فتن سے بچنے کی قدرت اور تحمل نہیں رکھتا تو یہی بہتر ہے کہ میں بدصورت ہو جاؤں تاکہ میں اس جنگل اور کہسار میں مامون ہو جاؤں اور میں اپنے پر ایک ایک کر کے اکھیڑتا ہوں تاکہ نالائق لوگ مجھے جال میں نہ پھانسیں۔ کیونکہ میرے نزدیک جان پر و بال سے بہتر ہے کیونکہ جان تو باقی رہنے والی شے ہے اور جسم تو بگڑے ہی گا آج نہ بگڑے گا۔ کل بگڑیگا۔ اسلیے جان کا بچانا ضروری ہے۔

اب میں اس کا راز بتلاتا ہوں کہ پروں کی بدولت مجھ پر آفت کیوں آتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ذریعہ ہیں میرے عجب اور خود بینی کا اور خود بینی خود ... بینوں کے لیے سینکڑوں بلائیں کھینچ لاتی ہے۔ کیونکہ خود بینی خود نمائی پر آمادہ کرتی ہے اور خود نمائی یا لوگوں کے اندر حرص پیدا کرتی ہے یا حسد۔ اور حرص و حسد

دونوں سے آدمی کو ضرر پہنچتا ہے۔ اسلئے خود بینی سے خود بین کو نقصان پہنچتا ہے
بنا بریں مجھے بھی ضرر ہوتا ہے کیونکہ میری خود بینی سے خود نمائی پیدا ہوتی ہے اور
خود نمائی سے لوگوں کو حرص ہوتی ہے اور وہ میرے درپے ہوتے ہیں۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح اس مور کے لیے پَر
موجب ہلاکت تھے یوں ہی ناقصین کے لیے کمال علمی وعملی مالی وجاہی موجب
ہلاکت ہے کیونکہ وہ منافع کی خاطر مضار کو نظر انداز کر دیتے ہے اور گو وہ کمال
شرط اعتبار ہے اور اختیار محمود ہے اسلئے بھی محمود ہے ـــــ مگر مقدمہ محمودیت
اختیار علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ اختیار اسی کے لیے محمود ہے جو تقوٰے کے بارے
میں ضابط ہو۔ اور تجنب عن المعاصی پر قدرت رکھتا ہو لیکن جبکہ حفظ نفس اور
تقوٰی نہ ہو اس وقت اختیار محمود نہیں ہے لہٰذا سامان معاصی کو دور کرنا چاہیئے
اور اختیار کو ساقط کرنا چاہیئے۔

شرح ہاں! طاؤس نے کہا کہ میرے اختیار یہ عجب کا منشا اور محل ظہور
میرے پَر ہیں اسلئے میں ان کو اکھیڑتا ہوں کیونکہ یہ تو میری
جان کے درپے ہیں ـــــ ہاں جو اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہے اسکو یہ مُضر
نہیں کیونکہ وہ انہیں کالعدم سمجھے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پَر اس کو خرابی
(عُجب) میں مبتلا نہ کریں گے پس اس کے لیے ان کا ہونا کچھ مضر نہیں اس سے
کہنا چاہیئے کہ تو پَر مت اکھیڑ۔ کیونکہ اسکے پاس تیر بلا کے رکنے کی ڈھال یعنی صبر و
تحمل موجود ہے پس اگر کوئی تیر آئے گا تو وہ ڈھال پر روک لے گا لیکن میرے
لیے یہ عمدہ پَر دشمن ہیں کیونکہ میں اسکو جلوہ گری سے روکنے پر قادر نہیں۔ اسی
لیے کہیں جلوہ گری کرتا ہوں اور لوگ مجھے دیکھ کر للچاتے ہیں اور میرے درپے ہوتے
ہیں ـــــ ہاں اگر صبر اور نگہداشت طبیعت پر مجھے قدرت ہوتی تو اس اختیار سے

جوکہ مجھے عجب کے متعلق حاصل ہے میرے لئے شان و شوکت حاصل ہوتی۔
کیونکہ حفاظت جان کے ساتھ حُسن بھی محفوظ رہتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ
میری حالت ایسی ہے جیسے لڑکا۔ یا مست جوکہ اپنی بے عقلی کے سبب فتنوں میں
پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں تیغ اختیار میرے ہاتھ میں مناسب نہیں
ہے۔ ہاں! اگر مجھے عجب سے باز رہنے والی عقل حاصل ہوتی تو تلوار میرے
ہاتھ میں موجب فتح ہوتی۔ القصہ! تلوار کو صحیح طور پر کام میں لانے کے
لئے ضرورت ہے ایسے عقل کی جو آفتاب کی طرح روشن ہو جوکہ مجھے حاصل
نہیں۔ تو جبکہ مجھے عقل روشن اور وصف راستی حاصل نہیں۔ ایسی
حالت میں مجھے تلوار (اختیار) کیوں رکھنی چاہیئے اور کیوں نہ کنوئیں میں ڈال
دینی چاہیئے۔ پس اب میں ڈھال سنوار کر کنوئیں میں ڈالتا ہوں۔ کیونکہ اگر
ایسا نہ کروں گا تو ایک روز یہ میرے دشمن کے ہتھیار ہو جائیں گے۔

اور جبکہ میں قوتِ صبر اور مدد عقل اور عقل حامی نہیں رکھتا تو وہ مجھ
سے تلوار لے لیگا اور میرے مارے گا ــــــ خلاصہ یہ کہ میرا اختیار متعلق بہ عجب
میرے دشمن کا معین ہوکر مجھے ضرر پہنچائے گا۔ اسلئے اس اختیار کو فنا
کر دینا لازم ہے پس میں اس بے حیا نفس کی خواہش کے خلاف جوکہ منہ کو نہیں
چھپا سکتا منہ نوچتا ہوں تاکہ میرا جمال و کمال کم ہو جائے اور جب وہ نہ رہے
تو اسکی بدولت میں مصیبت میں نہ پڑوں پس جبکہ میں اس نیت سے منہ..
نوچتا ہوں تو کچھ گناہ نہیں کیونکہ مقصود اس سے تغیر خلق اللہ نہیں۔ بلکہ منہ کا چھپانا
مقصود ہے ــــــ ہاں اگر میرا دل کمال کو چھپانے کی خصلت رکھتا تو میرا روئے
خوب صفائی بڑھاتا۔ لیکن جب میں اپنے اندر قوت صبر اور عقل و صلاح نہ دیکھی
اور دشمن کو دیکھا تو میں نے مجبوراً ہتھیار توڑ ڈالے تاکہ میری تلوار اس کےلیے کمال نہ ہو جائے

اور تاکہ میرا خنجر میرے لیے وبال نہ ہو جائے پس چونکہ میرا نفس میرا

دشمن ہے اسلئے جب تک میں زندہ رہوں گا اس سے بھاگتا رہوں گا یعنی اس

سے بچنے کی تدبیریں کرتا رہوں گا کیونکہ خود اپنے سے بھاگنا کچھ آسان نہیں۔

بلکہ سخت مشکل ہے اسلئے کہ جس کا دشمن اس کا غیر ہو اور اس سے وہ بھاگتا ہو۔

اسکی تو یہ حالت ہے کہ جب اس سے جدا ہو گیا سکون ہو گیا۔ اور بھاگنے کی ضرورت

نہ رہی۔ مگر جبکہ میرا نفس ہی دشمن ہے اور میں ہی بھاگ رہا ہوں تو یہ زحمت

تو ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور ہمیشہ مجھے بھاگنا پڑے گا کیونکہ جس شخص کا

دشمن خود اس کا سایہ ہو اسکو نہ ہند میں چین مل سکتا ہے نہ ختن میں نہ

کہیں اور۔ اسلئے اسے ہمیشہ بھاگتے رہنے کی ضرورت ہے۔

درصفتِ[1] آں بیخوداں کہ از شرِ خود و ہنرِ خود ایمن شدہ اند
اُن بیخودوں کا بیان جو اپنے شر اور ہنر سے محفوظ ہو گئے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالٰے

کہ فانی اند در بقائے حق سُبحانہٗ ہمچوں ستارگاں کہ فانی
کی بقا میں فانی ہو گئے جس طرح کہ ستارے دن میں سورج کی روشنی

اند بروز در نورِ آفتاب وفانی را خوفِ آفت و خطر نباشد
میں فانی ہیں اور فانی کے لئے آفت کا خوف اور خطرہ نہیں ہوتا ہے

چوں فناش از فقر پیرایہ شود
جبکہ اُس کی فنا، فقر سے آراستہ ہو جائے

اُو محمد وار بے سایہ شود
وہ محمدؐ کی طرح بغیر سایہ کا ہو جاتا ہے

فقرِ فخری[2] را فنا پیرایہ شُد
"فقر میرا فخر ہے" کے لئے فنا زینت بنی

چوں زبانہ شمع اُو بے سایہ شُد
شمع کے شعلے کی طرح وہ بے سایہ ہو گیا

شمع چوں گردد زبانہ پا و سر
شمع جبکہ سر سے پاؤں تک شعلہ بن گئی

سایہ را نبود بگردِ اُو گذر
اُس کے گرد سایہ کا گذر نہ ہوگا

موم از خویش و ز سایہ در گریخت
موم ہستی اور سایہ سے چلا گیا

در شعاع از بہرِ اُو کہ شمع ریخت
شعاعوں میں اُس کیلئے جس نے شمع بنائی تھی

[1] درصفت۔ وہ بیخود اپنے ہنر اور شر سے مطمئن ہیں جنھوں نے اپنا وجود وجودِ حق میں اس طرح فنا کر دیا ہے جس طرح ستارے دن کے وقت سورج کے نور میں فنا ہو جاتے ہیں۔ چوں فنا۔ جب فنا فی الحق حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اسی طرح بے سایہ ہو جاتا ہے جس طرح آنحضورؐ تھے۔

[2] فقر فخری۔ چونکہ آنحضورؐ اپنی صفات، صفاتِ حق میں فنا کر چکے تھے لہذا اپنی صفات کے اعتبار سے آنحضورؐ کو فقر حاصل تھا جو حضورؐ کے لئے باعث فخر تھا تو پھر آنحضورؐ کی شمع وجود، شعلہ شمع کی طرح بے سایہ تھی۔ شمع۔ جب شمع مجسم شعلہ بن جائے تو اس کا سایہ نہیں رہتا ہے۔ موم۔ شمع کا موم اور سایہ اس ذات کی شعاعوں میں گم ہو گیا جس نے شمع بنائی تھی۔

گفت از بہرِ فنایت ریختیم
اس نے کہا میں نے تجھے فنا کیلئے بنایا ہے
گفت من ہم در فنا بگریختم
اس نے کہا میں بھی فنا میں دوڑ گیا

ایں شعاعِ باقی آمد مفترض
یہ باقی (باللہ) شعاع واقعی ہے
نے شعاعِ شمعِ فانیِ عرض
نہ کہ فانی ناپائیدار شمع کی شعاع

شمع چوں در نار شد کلی فنا
شمع جب آگ میں بالکل فنا ہوگئی
نے اثر بینی ز شمع و نے ضیا
تو نہ شمع کا نشان دیکھے گا نہ روشنی

ہست اندر دفعِ ظلمت آشکار
تاریکی کو رفع کرنے میں واضح ہے
آتشِ صورت بمومے پائدار
کہ یہ آگ موم کی صورت سے پائیدار ہے

برخلافِ مومِ شمعِ جسم کاں
جسم کی شمع کے موم کے برخلاف کیونکہ وہ
تا شود کم گردد افزوں نورِ جاں
جس قدر گھٹے گا، جاں کا نور بڑھے گا

ایں شعاعِ باقی و آں فانیست
یہ شعاع باقی رہنے والی ہے اور وہ فانی ہے
شمعِ جاں را شعلۂ ربانیست
جان کی شمع کا شعلہ خدائی ہے

ایں زبانہ آتشے چوں نور بود
کیونکہ یہ آگ کا شعلہ نور ہے
سایۂ فانی شدن زو دور بود
فانی ہونے کا سایہ اس سے دور ہے

ابر را سایہ بیفتد بر زمیں
زمین پر ابر کا سایہ پڑتا ہے
ماہ را سایہ نباشد ہمنشیں
سایہ چاند کا ہمنشین نہیں ہوتا ہے

بیخودی بے ابریست اے نیک خواہ
اے نیک خواہ! بیخودی بے ابر کے ہوجانا ہے
باشی اندر بیخودی چوں قرصِ ماہ
تو بے خودی میں چاند کی طرح ہوگا

باز چوں ابرے بیاید راندہ
پھر جب کوئی چلتا پھرتا ابر آجاتا ہے
رفت نور از مہ خیالے ماندہ
چاند کا نور چلا جاتا ہے (اسکا) ایک خیال رہجاتا ہے

از حجابِ ابر نورش شد ضعیف
اس (چاند) کا نور ابر کے پردے کی وجہ سے کمزور ہوگیا
چوں ہلالے گشت آں بدرِ شریف
وہ چودھویں کا بزرگ چاند پہلی رات کے چاند کی طرح ہوگیا

مہ خیالے می نماید ز ابر و گرد
ابر اور گرد کی وجہ سے چاند ایک خیال معلوم ہونے لگتا ہے
ابرِ تن ما را خیال اندیش کرد
جسم کے ابر نے ہمیں خیال کرنے والا بنادیا

درجہ جان اسیقدر بڑھیگا جس قدر اسکی شمع یعنی جسم گھٹے گا۔ ایں شعاع۔ نورِ جان کی شعاع باقی اور نورِ شمع فانی ہے نورِ جان ربانی شعلہ سے منور ہے جو قائم و دائم ہے۔

گفت۔ شمع ساز نے شمع سے کہا کہ میں نے تجھے فنا کے لئے بنایا تھا اس نے کہا کہ اسی لئے میں فنا ہوگئی ہوں۔ ایں شعاع۔ یہ خدائی شعاع حقیقی شعاع ہے عارضی اور فانی شعاع حقیقی نہیں ہے۔ شمع چوں۔ شمع جب اپنے آپ کو آگ میں فنا کر دیتی ہے تو اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا یہی حال فانی فی اللہ کا ہے۔ ہست۔ نورِ جان اور نورِ شمع میں یہ فرق ہے، شمع کا نور شمع کے وجود سے وابستہ ہے

ایں زبانہ۔ جس طرح نور ہونے کے وقت آگ کے شعلہ سے فنا کا سایہ دور ہو جاتا ہے اسی طرح جب جان میں نورِ حق ہو جاتی ہے تو فنا کا سایہ اس سے دور ہو جاتا ہے۔ ابر۔ ابر چونکہ کثیف ہے اس کا سایہ ہوتا ہے چاند نورِ خالص ہے اس کے ساتھ سایہ نہیں ہوتا ہے۔ بیخودی۔ جب جان مقامِ فنا حاصل کر لیتی ہے تو اس کی کثافت دور ہو جاتی ہے اور وہ چاند کی طرح ہو جاتی ہے۔ باز۔ اگر روح میں کسی وقت خودی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس میں ابر جیسی کثافت پیدا ہو جاتی ہے نور جاتا رہتا ہے اور اس نور کا محض ایک خیالی وجود رہ جاتا ہے۔

از حجابِ ابر۔ جس طرح چاند کا نور ابر کی وجہ سے کمزور پڑجاتا ہے اور چودھویں کا چاند پہلی رات کا سا چاند نظر آنے لگتا ہے۔ بس خودی کی صورت میں نورِ جان کی کیفیت ہوجاتی

لطفِ مہ بنگر کہ اینہم لطفِ اُوست ‌ ‌ ‌ کہ بگفت اُو ابرہا ما را عدوست

چاند کی مہربانی دیکھو، یہ بھی اُس کی مہربانی ہے ‌ ‌ ‌ کہ اُس نے کہہ دیا کہ ابر ہمارے دشمن ہیں

مہ فراغت دارد از ابر و غبار ‌ ‌ ‌ بر فرازِ چرخ دارد مہ مدار

چاند ابر اور غبار سے پاک ہے ‌ ‌ ‌ چاند کا محور آسمان کی بلندی پر ہے

ابر[٥٣] ما را شد عدو و خصمِ جاں ‌ ‌ ‌ کہ کند مہ را ز چشمِ ما نہاں

ابر ہماری جان کا دشمن اور مخالف ہے ‌ ‌ ‌ کیونکہ وہ چاند کو ہماری نظر سے چھپا دیتا ہے

حور را ایں پردہ زالے میکند ‌ ‌ ‌ بدر را کم از ہلالے می کند

یہ پردہ حور کو بوڑھی عورت بنا دیتا ہے ‌ ‌ ‌ چودھویں کے چاند کو پہلی رات کے چاند سے کمتر کر دیتا ہے

ماہ ما را در کنارِ عز نشاند ‌ ‌ ‌ دشمنِ ما را عدوئے خویش خواند

چاند نے ہمیں عزت کے پہلو میں بٹھا دیا ‌ ‌ ‌ ہمارے دشمن کو اپنا دشمن کہہ دیا

ابر را تابے اگر ہست از مہ است ‌ ‌ ‌ ہر کہ مہ خواند ابر را اُو گمرہ است

ابر میں اگر کوئی روشنی ہے تو وہ چاند کی وجہ سے ہے ‌ ‌ ‌ جو ابر کو چاند کہے، وہ گمراہ ہے

نورِ[٥٤] مہ بر ابر چوں منزل شدست ‌ ‌ ‌ روئے تاریکش ز مہ مبدل شدست

چاند کا نور چونکہ ابر پر پڑ گیا ہے ‌ ‌ ‌ اُس کا تاریک چہرہ چاند کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہے

گرچہ ہمرنگِ مہ است و دولتی ست ‌ ‌ ‌ اندر ابر آں نورِ مہ عاریتی ست

(ابر) اگرچہ چاند کا ہمرنگ ہے اور صاحبِ دولت ہے ‌ ‌ ‌ (لیکن) ابر میں چاند کا نور عارضی ہے

در قیامت مہر و مہ معزول شد ‌ ‌ ‌ چشم در اصلِ ضیا مشغول شد

قیامت میں چاند اور سورج معزول ہو گئے ‌ ‌ ‌ آنکھ اصل روشنی میں مشغول ہو گئی

تا بداند ملک را از مستعار ‌ ‌ ‌ ویں رباطِ فانی از دار القرار

تاکہ ملکیت کی چیز کو مانگی ہوئی سے ممتاز کر لے ‌ ‌ ‌ اور اس فانی سرائے کو ہمیشگی کے گھر سے

دایہ[٥٥] عاریت بود در روزِ سہ چار ‌ ‌ ‌ مادرا ما را تو گیر اندر کنار

دایہ تین چار روز کے لئے عارضی ہوتی ہے ‌ ‌ ‌ اے اماں! تو ہمیں گود میں لے لے

پرِ من ابر ست و پردست و کثیف ‌ ‌ ‌ ز انعکاسِ لطفِ حق شد او لطیف

میرے پر ابر ہیں اور پردہ اور غلیظ ہیں ‌ ‌ ‌ اللہ کے لطف کے منعکس ہونے سے وہ لطیف بن گئے ہیں

بر کنم پر را و لطفش را ز راہ ‌ ‌ ‌ تا بہ بینم حسنِ مہ را ہم ز ماہ

میں پر اور اُس کے لطف کو راستے سے ہٹاتا ہوں ‌ ‌ ‌ تاکہ میں چاند کا حسن چاند سے دیکھوں

---

[٥٣] ابر۔ ابر دیکھنے والے کا دشمن ہے کیونکہ اُسکی نگاہ سے چاند کو چھپا دیتا ہے۔ حور را۔ یہ ابر ہماری نظر میں ایک خوبصورت چیز کو بدنما بنا تا ہے اِس چاند کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے۔ زال۔ بڑھیا۔ ماہ۔ خدا نے ہمارے دشمن کو اپنا دشمن قرار دیکر ہماری عزت افزائی کی ہے۔ ابررا۔ تعینات میں جو ہے۔ بجز۔ ابر اور گرد کے حجاب کی وجہ سے چاند کی ایک خیالی صورت رہ جاتی ہے سچا ل جسم کے ابر کی وجہ سے نور بنا کا ہے۔ لطف۔ یہ اللہ تعالی کا کرم ہے کہ حق پروردوں کو اُس نے اپنا دشمن قرار دیا حالانکہ اُن کے خدا کے دشمن ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں کیونکہ اُنکی خدا سے دشمنی متصور نہیں ہو سکتی وہ تو مومنین کے دشمن ہیں۔ مہ۔ چاند پر گرد و غبار کا کوئی اثر نہیں ہے وہ نور دیکھنے والوں کی آڑ ہے۔

[٥٤] نورِ مہ۔ تعینات کا وجود وجودِ مطلق کا سایہ اور عکس ہے۔ گرچہ۔ ابر کو اگرچہ چاند کی ہمرنگی حاصل ہو گئی ہے لیکن یہ عارضی ہے۔ در قیامت۔ جب صرف ذاتِ حق باقی رہ جائے گی تب سب کو یقین آ جائے گا کہ دوسری چیزوں کا وجود محض عارضی تھا۔ رباط۔ سرائے یعنی دنیا۔ دار القرار۔ عالمِ آخرت۔

[٥٥] دایہ۔ وہ چیزیں جن ہو دنیا میں انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ مادرا۔ یعنی حضرت حق تعالی جس کی ہر حالت میں معیت حاصل ہے۔ پرِ من۔ یہ مورد کا مقولہ ہے یعنی دنیاوی ہزار صوری صفات میرے لئے بمنزلہ ابر کے بن گئی ہیں اُن کو دور کر کے میں چاند کے حسن کا براہِ راست مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ من نخواہم۔ یہ عارضی صورتیں مجھے درکار نہیں ہیں میں موسیٰ صفت ہوں میں دایہ کا خواہشمند نہیں ہوں براہِ راست ماں سے مستفید ہونا چاہتا ہوں من نخواہم۔ میں مظاہر کے ذریعہ ظاہر کا جلوہ نہیں چاہتا

من نخواہم دایہ مادر خوشترست ۔۔۔ موسیم من دایۂ من مادرست
میں دایہ نہیں چاہتا، ماں بہتر ہے ۔۔۔ میں ہرنی ہوں، میری دایہ ماں ہے

من نخواہم لطفِ مہ از واسطہ ۔۔۔ کہ ہلاکِ خلق شد ایں رابطہ
میں چاند کا لطف بالواسطہ نہیں چاہتا ہوں ۔۔۔ کیونکہ یہ واسطہ لوگوں کیلئے ہلاکت کا سبب بنا ہے

یا[۱۳] مگر ابرے بگیرد خوی ماہ ۔۔۔ تا نگردد او حجابِ روی ماہ
یا ابر، چاند کی خصلت حاصل کرلے ۔۔۔ تاکہ وہ چاند کے چہرے کا پردہ نہ بنے

صورتش بنماید او در وصفِ لا ۔۔۔ ہمچو جسمِ انبیا و اولیا
وہ اپنی صورت "لا" کی صفت میں دکھائے ۔۔۔ جس طرح کہ انبیاء اور اولیاء کا جسم ہے

آں چناں ابرے نباشد پردہ بند ۔۔۔ پردہ در باشد بمعنی سود مند
ایسا ابر حجاب نہیں بنتا ہے ۔۔۔ حقیقتاً پردے کو چاک کرنے والا (اور) مفید ہوتا ہے

آں[۱۴] چناں کاندر صباحِ روشنی ۔۔۔ قطرہ می بارید و بالا ابر نی
جس طرح کہ روشنی کی صبح میں ۔۔۔ بارش ہو اور اوپر ابر نہ ہو

معجزِ پیغمبری بود آں سقا ۔۔۔ گشتہ ابر از محو ہم رنگِ سما
وہ سیرابی پیغمبر کا معجزہ تھی ۔۔۔ فنا کی وجہ سے ابر آسمان کا ہم رنگ ہو گیا تھا

گشتہ ریزاں قطرہ قطرہ از سما ۔۔۔ گفتہ آمد شرحِ آں در ماجرا
بوندیں آسمان سے ٹپکیں ۔۔۔ اس کی تشریح پہلے گذر چکی ہے

بود ابر و رفتہ از وے خوی ابر ۔۔۔ ایں چنیں گردد تنِ عاشق بصبر
ابر تھا لیکن اس سے ابر کی صفت جاتی رہی ۔۔۔ عاشق کا جسم صبر کے ذریعہ ایسا ہی ہو جاتا ہے

تن بود اما تنی گم گشت ازو ۔۔۔ گشتہ مبدل رفتہ از وے رنگ و بو
جسم ہوتا ہے لیکن جسمیت اس سے فنا ہو جاتی ہے ۔۔۔ وہ تبدیل ہو گیا اس کا رنگ و بو جاتا رہا

پر[۱۵] پئے غیر ست سر از بہرِ من ۔۔۔ خانۂ سمع و بصر استونِ تن
پر غیر کے لئے ہیں، سر میرے لئے ہے ۔۔۔ (وہ سر) سمع اور بصر کا خانہ ہے (اور) جسم کا ستون ہے

جاں فدا کردن برائے صیدِ غیر ۔۔۔ کفرِ مطلق داں و نومیدی ز خیر
دوسرے کے شکار کے لئے جان قربان کرنا ۔۔۔ پورا کفر سمجھ اور خیر سے ناامیدی

ہیں مشو چوں قند پیشِ طوطیاں ۔۔۔ بلکہ زہرے شو شو ایمن از زیاں
خبردار! ایسا نہ بن جیسے کہ طوطیوں کے سامنے شکر ۔۔۔ بلکہ زہر بن جا، نقصان سے محفوظ ہو جا

یا پئے احسنت و شاباش و خطا ۔۔۔ خویشتن مردار کن پیشِ کلاب
یا احسنت اور شاباش اور خطاب کے لئے ۔۔۔ اپنے آپ کو کتوں کے سامنے مردار بنا دے

جیسے انبیاء اور اولیاء ہوتے ہیں۔ آنحضرت۔ ایسی شخصیت پردہ نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ پردے کو چاک کرنے والی ہوتی ہے۔

ہوں براہِ راست اس کو جلوہ چاہتا ہوں، مظاہر میں پھنس کر لوگ تباہ ہوئے ہیں۔

۱۳ یا مگر۔ اگر ذاتِ حق سے بواسطہ استفادہ ہو تو ایسے شیخ کے ذریعہ ہو جو باقی باللہ ہو تاکہ وہ حجاب نہ بن سکے۔ تصور تفس اس کا وجود باقی باللہ ہو اور اپنی ذات کے اعتبار سے فانی ہو۔

۱۴ آں چناں۔ شیخ کامل ابر ہے لیکن ایسا ابر ہے جو آسمان کے ہم رنگ ہو چکا تھا بارش برستی نظر آرہی تھی اور ابر نظروں سے غائب تھا جیسا کہ آنحضورؐ کے اس معجزہ میں ہو چکا ہے جو پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔ تو۔ اس معجزہ میں ابر تھا لیکن اس میں ابر کی صفات باقی نہ تھیں جب عاشق صبر کرلیتا ہے تو اس کے جسم کی بھی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ بظاہر جسم ہے لیکن اس میں جسمانیت نہیں ہے۔

۱۵ پر۔ یہ بھی مور کا مقولہ ہے کہ میرے لئے پر عزیز نہیں ہیں سر عزیز ہے کیونکہ پروں سے غیر لطف اندوز ہوتے ہیں اور سر سے میری بینائی اور سماعت اور وجود کا تعلق ہے۔ جاں فدا کردن۔ دوسروں کے لطف کی خاطر جان قربان کرنا بیوقوفی ہے۔ ہیں۔ دنیا داروں کیلئے شکر نہ بن بلکہ زہر بن۔ یا پئے۔ اگر لوگوں کی تحسین و آفرین چاہتا ہے تو ان دنیا داروں کی خاطر اپنے آپ کو مردار بنا لے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

پس خضر کشتی برائے آں شکست | تاکہ آں کشتی زغاصب باز رست
خضر نے کشتی اس لئے توڑی | کہ وہ غاصب (بادشاہ) سے بچ گئی

نقر فخری بہر آں آمد سنی | تا زطماعاں گریزم در غنی
فقر میرا فخر ہے، اسی لئے بہتر بنا | تاکہ لالچیوں سے (اور) غنی کی جانب گریز کروں

گنجہا را در خرابی زاں نہند | تا زحرص اہل عمراں وا رہند
خزانوں کو ویرانے میں اسی لئے رکھتے ہیں | تاکہ آبادی والوں کی حرص سے نجات پا جائیں

پر نتانی کند رو خلوت گزین | تا نگردی جملہ خرج آن و این
تو پر نہیں اکھاڑ سکتا ہے، جا خلوت اختیار کرے | تاکہ تو اِس اور اُس کا خرچہ نہ بنے

زانکہ تو ہم لقمۂ ہم لقمہ خوار | آکل و ماکولی اے جان ہشدار
کیونکہ تو لقمہ بھی ہے اور لقمہ کھانیوالا بھی ہے | اے پیارے ہوش کر: تو کھانے والا اور غذا ہے

ے و پس۔ حضرت خضر نے سالم کشتی کو اسی لئے عیبدار بنا دیا تھا کہ وہ دنیادار ظالموں کی دست برد سے محفوظ رہے انسان لالچی چوروں سے محفوظ رہتا ہے۔

شرح اوپر مولانا نے سایہ کو دشمن فرمایا تھا اور دشمنی سے مراد دشمنی نفس تھی جو سایہ کی طرح غیر منفک ہے۔ اب اس دشمن سے نجات پانے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس وقت آدمی ترک جاہ کر کے تذلل و تمسکن اختیار کرتا ہے اور اس سے اس کا جسم فنا فی الروح سے مزین ہوتا ہے اور غلبہ روحانیت سے اقتضاءات روح حاصل کر لیتا ہے تو وہ یوں ہی سایہ مذکور سے جدا ہو جاتا ہے جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سایہ معروف ہے کما ہو المشہور ـــــ اور جسوقت آدمی کا وہ فقر جسکو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا فخر فرمایا ہے زیور فنا سے آراستہ ہو جاتا ہے تو آدمی سایہ مذکور.. سے جدا ہو جاتا ہے۔ جیسے شعلہ شمع سایہ معروف ہے۔

ان دونوں تشبیہوں میں تو مشبہ بہ ابتداءً ہی بے سایہ ہے اب ہم اس مضمون کو ایسی تشبیہ سے سمجھاتے ہیں جسمیں مشبہ بہ اول باسایہ ہو اور پھر فنا ہو کر بے سایہ ہو گیا ہو اور کہتے ہیں دیکھو جسوقت موم سر پاؤں تک شعلہ بن جاتا ہے تو اب وہ بے سایہ ہو جاتا ہے اور سایہ اسکی پاس بھی نہیں بھٹک سکتا اس شخص کی خاطر جس نے شمع بنائی تھی۔ اپنی ہستی اور سایہ کو چھوڑ کر ـــــــــــ

شعاع کے اندر پناہ لیتا ہے اور جس وقت کہ شمع گر بزبانِ حال کہتا ہے کہ میں نے تجھے فنا کے لئے بنایا تھا تو وہ بزبانِ حال جواب دیتا ہے کہ میں نے بھی فنا ہونے میں کمی نہیں کی - بلکہ میں نے خودی سے بھاگ کر فنا میں پناہ لی ہے - پس یہی حالت شمع جسم کی شعلہ روح کے نسبت ہوتی ہے - بلکہ اس میں یہ حالت بالاولیٰ ہوتی ہے کیونکہ شعاع روحانی مفروض شعاع باقی ہے نہ کہ شعاع شمع فانی و مثل عرض فی عدم البقار - پس جبکہ شعاع فانی میں یہ خاصیت ہے تو شعاع باقی میں تو بالاولیٰ ہوگی -

ہم نے شعلہ شمع کو فانی اور نور روح کو باقی اسلئے کہا کہ جب شمع آگ میں بالکل حل ہوجاتی ہے تو نہ شمع کا ہی نشان رہتا ہے نہ نور کا - کیونکہ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ آتش ظاہر ہے موم کے ساتھ قائم ہوکر دفع ظلمت کرتی ہے پس جب موم ہی نہ رہے گا تو آگ ہی باقی نہ رہے گی - برخلاف موم شمع جسم کے کہ وہ جس قدر کم ہوتا ہے اور اسکے اقتضامات جس قدر مغلوب ہوتے ہیں اتنی ہی نور روح کو ترقی ہوتی ہے پس نور روح شعلہ باقی ہے اور نور شمع شعلہ فانی - اور شمع روح کا شعلہ باقی کیوں نہ ہو وہ تو نور ربانی سے مشتعل ہے جس کے لیے فنا ہی نہیں پس جبکہ یہ شعلہ آتش روحانی نور حق سبحانہٗ ہے تو لامحالہ سایہ فنا اس سے دُور ہوگا اور وُہ گُم ہونے سے مامون ہوگا -

اب ہم اصل مقصد کو دوسرے عنوان سے سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اَبر کے لیے سایہ ہوتا ہے چاند کے لیے سایہ نہیں ہوتا - جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ خودی اَبر ہے اور بےخودی و فنا ... عدمِ ابر - پس جب تم بے خود اور فانی ہوجاؤ گے تو اس وقت تم بے اَبر چاند ہوں گے - اور اس وقت تمہارا سایہ .. (یعنی نفس) نہ ہوگا جو تمہارا دشمن ہے پس تم خودی کو چھوڑ کر اس دشمن سے

پہنچ سکتے ہو۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مفید باتیں استطراداً بتلا دی جائیں۔ سو کہا جاتا ہے کہ جب چاند پر ابر آجاتا ہے تو چاند کا نور غائب ہوجاتا ہے اور چاند بمنزلہ خیالی چیز کے ہوجاتا ہے اور پردۂ ابر سے اس کا نور مضمحل ہوجاتا ہے اور بدر بوجہ اضمحلال نور کے بمنزلہ ہلال کے ہوجاتا ہے۔

اور اس ابر و گرد کے سبب وہ بمنزلہ ایک خیال کے ہوجاتا ہے جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ ابرِ تن یعنی غلبہ جسمانیت نے ہم سے ماہتاب حقیقی کو چھپا دیا۔ اور اسکو ہماری نظر میں ایسا کردیا جیسا خیال۔ مگر ماہتاب حقیقی کی عنایت دیکھو۔ کہ وہ ہم مجوبین سے اپنا کس درجہ ارتباط ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابر ہائے اجسام ہمارے دشمن ہیں۔ حالانکہ وہ ابر و غبار سے فارغ ہے اور ہماری ربوبیت پر اس کا دورہ ہے جہاں تک ان ابروں کی رسائی نہیں ہوسکتی اور اسلئے وہ انکی دشمنی سے غیر متاثر ہے۔ بلکہ ابر مذکور ہمارا دشمن جانی ہے کہ ماہتاب حقیقی کو ہم سے پوشیدہ کرتا ہے اور اس حور کی طرح حسین کو ہماری نظر میں بڑھیا کیطرح کریہہ الشکل بنا دیتا ہے اور اس بدر کو ہلال سے بھی کم کردیتا ہے لیکن ماہتاب حقیقی نے ہم کو آغوشِ عزت میں بٹھلایا۔ اور ہم کو سرفرازی بخشی کہ ہمارے دشمن کو اپنا دشمن کہا جو کہ اسکے کمال کی ذرہ نوازی ہے۔

اس مقام پر یہ بھی بتلا دینا مناسب ہے کہ ممکنات میں جو کچھ بھی کمال ہے وہ پرتو ہے حق سبحانہٗ کا۔ اور وہ کمال اس کا ذاتی نہیں ہے اسلئے جو کوئی کسی ممکن کو خدا سمجھ جائے وہ گمراہ ہے جیسے آتش پرست، ستارہ پرست وغیرہ کیونکہ ممکنات بمنزلہ ابر کے ہیں اور حق سبحانہٗ بمنزلہ ماہ کے۔ اور ابر میں جو کچھ روشنی ہوتی ہے وہ اسکی ذاتی نہیں ہوتی بلکہ پرتو ہوتا ہے چاند کا۔

ایسی صورت میں اگر کوئی ابر کو چاند کہے اسکی غلطی ہے کیونکہ چاند کا نور ابر پر

پڑتا ہے اس سے اس کا ئنات تاریک منور ہو گیا ہے ۔ پس گو وہ برنگ ماہ اور دولت نور سے مالا مال ہو گیا ہے مگر با ایں ہمہ وہ نور اس کا ذاتی نہیں ہے ۔ بلکہ مستعار اور ماہ سے ماخوذ ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں چاند اور سورج سے نور نہیں لیا جائے گا ۔ اور آنکھ منبع ضیاء یعنی حق سبحانہ، کا نظارہ کریگی تاکہ اسکو معلوم ہو جائے کہ یہ نور ان کی ملک نہ تھا بلکہ مستعار تھا اور وہ معلوم کرلے کہ دُنیا سرائے فانی تھی اور آخرت دار البقاء ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ دُنیا محل نور مستعار تھی اور آخرت مقام نور اصلی ہے ۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ اشیاء عام کا حسن عاریتی ہے اور حق سبحانہ کا اصلی ۔ پس سالک کی وہ تربیت جو ان اشیاء کے آیات اللہ ہونیکی وجہ سے ہو گی وہ بمنزلہ اس تربیت کے ہو گی جو بذریعہ دایہ کے ہو اور حق سبحانہ، کی تربیت بلاواسطہ بمنزلہ اس تربیت کے ہو گی جو بذریعہ ماں کے ہو ۔۔۔ تو اب مولانا مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دایہ تو دو چار روز کے لیے عاریت ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لیے تو ماں ہی ہوتی ہے اسلئے میں کہتا ہوں کہ اے ماں ! تو مجھے گود میں لیلے اور دایہ کو چھوڑتا ہوں ۔

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں (ویمکن ان یکون انتقالاً الی قصۃ الطاؤس الاول اقرب بالنظر الی المعنی والثانی اقرب بالنظر الی اللفظ) اور کہتے ہیں کہ بیان بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہمارے کمالات مستحسنہ عند الخلائق جو کہ بمنزلہ پرِ طاؤس کے ہیں ۔ فی نفسہ اَبر اور پردۂ حق سبحانہ، اور کثیف ہیں اور حق سبحانہ، کے لطف کے عکس سے لطیف اور پاکیزہ ہو گئے ہیں پس ہمیں ان پردوں کو اور ان کے لطف کو رستہ سے ہٹانا چاہیئے تاکہ ہم ماہتابِ حقیقی سے براہِ راست حسن کا مشاہدہ کر سکیں ہمیں اس دایہ کی ضرورت نہیں ۔ ہمارے لیے تو ماں ہی اچھی ہے کیونکہ ہم بمنزلہ موسےٰ کے ہیں جن کے لیے ماں ہی

دایہ تھی اسلئے ہماری دایہ بھی ماں ہی ہے۔ ہم لطف ماہ حقیقی کو اَبر کے توسط سے نہیں دیکھنا چاہتے کیونکہ وسائط نہایت خطرناک ہیں کہ یہ بہت سے لوگوں کے لئے راہزن ہوگئے ہیں اور وہ انہی وسائط میں مشغول ہوکر رہ گئے ہیں۔

اب مولانا محابیب وحضرات انبیار واولیار کے شبہ کو دفع کرتے ہیں۔ جو اس کلام سے پیدا ہوتا ہے اور کہتے ہیں۔ لیکن وہ ابر جو ماہ کے رنگ میں رنگا گیا ہو تاآنکہ اس سے صفت حجابیت سلوب ہوگئی ہوا اور وہ اس ماہ کے لیے پردہ نہ بنتا ہو۔ اور صورت اسکی قائم ہو۔ مگر اوصاف معدوم ہوں جیسے انبیار واولیار کے اجسام۔ اب اَبر اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ماہتاب حقیقی کا پردہ نہیں بنتا۔ بلکہ حقیقت میں وہ مُظہر ماہ اور نافع ہے ـــــ اُس اَبر کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے روزِ روشن میں آسمان سے مینہ برستا تھا اور اَبر نہ دِکھلائی دیتا تھا۔ یہ بارش پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھی اور ان کے معجزہ سے اَبر برنگ آسمان ہوگیا تھا۔ اسلئے وہ واقع میں موجود تھا مگر کالمعدوم تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے پانی برس رہا ہے۔

اسکی تفصیل دفتر اوّل داستان سوال عائشہؓ وآنحضرتؐ میں (کماقال بحرالعلوم) یا دفتر سوم غلام حبشی میں (کماقال ولی محمد) میں بھی گذر چکی ہے۔ سو یہ ابر واقع میں موجود تھا۔ مگر صفت ابریت اس سے سلب ہوگئی تھی۔ کیونکہ وُہ آسمان کو چھپاتا نہ تھا بلکہ آسمان اسکے ہوتے ہوئے بھی یونہی ظاہر تھا جیسے اسکے عدم کی صورت میں بس یہی حالت عُشّاق خداوندی کے اجسام کے مجاہدات کی بدولت ہوجاتی ہے کہ وہ جسم ہوتے ہیں مگر صفات وخصائص جسمیہ ان سے جاتی ... رہتی ہے اور وہ بالکل بدل جلتے ہیں اور اوصاف جسمانیہ ان میں جاتے نہیں رہتے ایسے اجسام راہزن نہیں ہیں۔

یہ مضمون استطرادی ختم ہوا تو پھر مضمون ارشادی شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ کمالات تو اوروں کے لئے ہیں کہ ان سے انہی کو فائدہ ہوتا ہے اور سر خود اپنے لیے۔ کیونکہ وہ گھر ہے سمع و بصر کا اور ستون ہے جسم کا۔ یعنی کمالات جو مدارِ حیات روحانی و منافع روحانی ہیں ان کا نفع خود اپنی طرف راجع ہے پس دوسروں کے مقصود کے لیے اپنی جان دیدینا اور کمالات روحانیہ کو کمالات نفسانیہ پر قربان کردینا سراسر ناشکری اور ہر قسم کی بھلائی سے مایوسی کا سبب ہے۔

پس تم کو طوطیوں کے سامنے قند یعنی مرغوب و مطلوب خلائق نہ بننا چاہیئے بلکہ زہر اور نامرغوب ہونا چاہیئے۔ اور اس طرح نقصان سے بے کھٹکے ہو جانا چاہیئے اور اگر تم ایسا نہ کرو اور آفریں و شاباش اور خطاب عزت کے لیے اپنے کو ان کتوں کے سامنے مردار بناؤ۔ یعنی نام کے لیے اپنے کو لوگوں کے اغراض کے لیے وقف کردو تو تمہیں اختیار ہے۔ ہاں اگر بچنا چاہو۔ تو اسکی صورت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ اپنے کو نامرغوب اور قابلِ نفرت خلائق بناؤ۔

دیکھو! خضر علیہ السلام نے کشتی کو اسلئے توڑ ڈالا تھا کہ وہ نامرغوب ہو جائے اور بادشاہ غاصب کے پنجہ سے چھوٹ جائے۔ اور بقولے حدیثِ نبوی الفقر فخری فقر ہمارے لیے موجب فخر اس لئے ہے کہ ہم طامعین سے چھوٹ کر غنی (حق سبحانہٗ) کی پناہ میں چلے جائیں اور خزانوں کو غیر معروف اور اجاڑ مقامات پر اسی لیے رکھتے ہیں کہ آبادی کے لوگوں کی دست بردی سے بچ جائے اور اگر تم پر نہیں اکھیڑ سکتے اور فقر و تذلل و تمسکن اختیار نہیں کر سکتے اور اپنے کو نامرغوب خلائق نہیں بنا سکتے تو خلوت اختیار کرو اور لوگوں سے اختلاط کم کرو۔ تاکہ لوگ تمہیں بالکل نہ کھا جائیں ـــــ کیونکہ جس طرح تم کھانے والے ہو یونہی دوسروں کی غذا بھی ہو۔ پس تم آکل و ماکول دونوں ہو۔ اسلیئے تم کو ہوشیار رہنا چاہیئے

ایسا نہ ہو کہ لوگ تمہیں کھا جائیں اور تم انہی کی اغراض و فوائد کے لئے اپنی جان دیدو

دربیان آنکہ ماسوائے اللہ تعالیٰ ہر چیزے آکل و ماکول است

اِس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کھانے والی اور غذا ہے

ہمچو آں مرغے کہ قصدِ صیدِ ملخ میکرد و بصیدِ ملخ مشغول بود

اُس پرند کی طرح جو ٹِڈی کے شکار کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور ٹِڈی کے شکار میں مشغول ہوتا ہے

و غافل بود از باز گرسنہ کہ از پسِ قفایِ او قصدِ صیدِ او

اور اُس بھوکے باز سے غافل ہوتا ہے جو اُس کے پسِ پشت اُس کے شکار کر لینے کا

داشت اکنوں اے آدمی صیادِ آکل از صیاد و آکلِ خود

ارادہ رکھتا ہے، اب اے کھانیوالے شکاری انسان اپنے شکاری اور کھانیوالے سے مطمئن نہ

ایمن مباش کہ اگرچہ نمی بینی اش بنظرِ چشم بنظرِ دلیل و

بن کیونکہ اگرچہ تو اُس کو آنکھ کی نگاہ سے نہیں دیکھتا ہے دلیل اور عبرت کی

عبرتش می بین تا چشمِ تیرہ باز شود انشاء اللہ تعالیٰ

نظر سے دیکھ لے تاکہ تیری بے نور آنکھ کھل جائے اگر خدا چاہے

مُرغکے اندر شکارِ کِرم بُود
ایک چھوٹا سا پرند کیڑے کے شکار میں مصروف تھا

گربہ فرصت یافت اُو را دَر ربُود
بلی کو موقع ملا وہ اُس کو اُچک لے گئی

آکل و ماکول بود اُو بے خبر
وہ کھانے والا اور لقمہ تھا اور بے خبر تھا

در شکارِ خود زِ صیادِ دگر
اپنے شکار میں، دوسرے شکاری سے

دُزد گرچہ در شکارِ کالہ ست
چور اگرچہ سامان کے شکار میں مصروف ہے

شحنہ با خصمانش در دُنبالہ ست
کوتوال مع اسکے دشمنوں کے (اُنکے) درپے ہے

عقلِ اُو مشغولِ رخت و قفلِ در
اُس کی عقل، سامان اور دروازے کے قفل میں مشغول ہے

غافل از شحنہ ست و از آہِ سحر
وہ کوتوال اور صبح کی آہ سے بے خبر ہے

اُو چناں غرق ست در سودائے خود
وہ اپنی دُھن میں ایسا غرق ہے

غافل ست از طالب و جویائے خود
کہ اپنے طالب اور جویا سے غافل ہے

گر حشیش آبِ زلالے میخورد
اگر گھاس نیر پانی پیتی ہے

معدۂ حیوانش در پے میچرد
بعد میں اُس کو حیوان کا معدہ چر لیتا ہے

آکل و ماکول آمد آں گیاہ
وہ گھاس، کھانے والی اور غذا بن گئی

ہمچنیں ہر ہستیِ غیر الٰہ
خدا کے سوا ہر موجود ایسا ہی ہے

لہ پرِ تن نی کند۔ اگر مور اپنے پرنہ اکھاڑ سکے تو بجز خلوت اختیار کرے تاکہ جلوہ سانی کا موقع ہی نہ رہے اور دوسرے ہضم نہ کر جائیں۔ تانَد۔ جو انسان دوسروں کو پھنساتا ہے وہ خود بھی پھنس جاتا ہے دنیا کی ہر چیز دوسرے کا لقمہ اور دوسرے کو لقمہ بنانے والی ہے۔

کہ دربیان۔ تمام کائنات میں تنازع للبقاء ہے ہر چیز دوسری چیز کو کھاتی ہے اور پھر کھانے والی چیز دوسری چیز کی غذا بن جاتی ہے ایک چڑیا کیڑے کا شکار کرتی ہے اور اس سے غافل ہے کہ باز اُس کا شکار کرنے کی فکر میں ہے جو انسان شکاری دوسرے کو کھانے والا ہے اُس کو اپنے کھانے والے سے بے فکر نہ ہونا چاہئیے خود اُس کو کھانے والا اگرچہ نظر نہیں آتا ہے لیکن اُس کو عقل کی آنکھ سے دیکھنا چاہئیے۔ کِرم۔ کیڑا۔

سہ آکل۔ پرند کیڑے کو کھا رہا تھا لیکن وہ خود بلی کی خوراک تھا جس سے وہ غافل تھا۔ دُزد۔ چور سامان کے درپے ہے اور کوتوال چور کے درپے ہے شحنہ۔ کوتوال۔ آہِ سحر۔ یعنی مظلوم کی صبح کی بددعا۔ اُو چناں۔ چور اپنی دھن میں اس قدر منہمک ہے کہ اپنے دشمن سے بالکل غافل ہے۔

لہ گر حشیش۔ اگر گھاس پانی کو ہضم کرتی ہے تو حیوان کا معدہ اُس کو ہضم کر ڈالتا ہے۔

وَھُوَ یُطْعِمُکُمْ وَلَا یُطْعَمْ چو اُوست
نیست حق ماکول و آکل لحم و پوست

چونکہ وہ تمہیں کھلاتا ہے اور کھلایا نہیں جاتا ہے
تو اللہ (تعالیٰ) غذا اور گوشت پوست کھانیوالا نہیں ہے

آکل و ماکول کے ایمن بود
زآکلے کاندر کمیں ساکن بود

کھانیوالا اور غذا بنجانے والا کب مطمئن ہو سکتا ہے؟
اُس کھانیوالے سے جو گھات میں بیٹھا ہوا ہے

اَمنِ ماکولاں جذوبِ ماتم ست
رو بداں درگاہ کو لا یُطعَم ست

کھائے جانیوالوں کا اطمینان رنج کا سبب ہے
اُس درگاہ میں جا جو کھلایا نہیں جاتا ہے

ہر خیالے را خیالے میخورد
فکرِ آں فکرِ دگر را می چرد

ہر خیال کو ایک خیال کھا جاتا ہے
اُس کو فکر دوسرے فکر کو چر جاتا ہے

تو نتانی کز خیالے وارہی[۱۲]
یا بخسپی تا ازاں بیروں جہی

تو نہیں کر سکتا کہ خیال سے نجات پا جائے
یا سو جائے، تاکہ اُس سے باہر نکل جائے

فکر زنبورست و آں خواب تو آب
چوں شوی بیدار باز آید ذباب

تیرا خیال شہد کی مکھی ہے اور نیند، پانی ہے
جب تو جاگے گا پھر مکھی آجائے گی

چند زنبورِ خیالی در پرد
میکشد ایں سو و آنسو می برد

خیال کی بہت سی مکھیاں اڑتی ہیں
اِدھر کھینچتی ہیں اور اُدھر لے جاتی ہیں

کمترین[۱۳] آکلانست ایں خیال
واں دگر ہا را شناسد ذوالجلال

یہ خیال کھا جانے والوں میں سے سب سے چھوٹا ہے
دوسرے (کھانے والوں) کو خدا جانتا ہے

ہیں گریز از جوقِ آکالِ غلیظ
سوئے اُو کہ گفت ماتیمت حفیظ

خبردار! بھاری زیادہ کھانیوالوں کی جماعت سے بھاگ
اُس کی جانب جس نے فرمایا ہم تیری حفاظت کرنیوالے ہیں

یا بسوئے آنکہ اُو ایں حفظ یافت
گر نتانی سوئے آں حافظ شتافت

یا اُس کی جانب جس نے یہ حفاظت حاصل کرلی ہو
اگر تو اُس حفاظت کرنیوالے کی جانب نہیں دوڑ سکتا ہو

دست[۱۴] را مسپار جز در دستِ پیر
حق شدست آں دست اُو را دستگیر

شیخ کے ہاتھ کے سوا کسی کا ہاتھ نہ پکڑ
اُس کے ہاتھ کا اللہ تعالیٰ ہاتھ پکڑنے والا بنگیا ہے

پیرِ عقلت کودکے خو کردہ است
از جوارِ نفس کاندر پردہ است

تیری عقل کے پیر نے بچکانہ عادت ڈال لی ہے
اُس نفس کے پڑوس کی وجہ سے جو پردے میں ہے

عقلِ کامل را قریں کن باخرد
تاکہ باز آید خرد زاں خوئے بد

عقل کامل کو عقل کا ساتھی بنالے
تاکہ عقل، اُس بری عادت سے باز آجائے

• کمتر درجہ کی چیزیں جب اُن کا یہ حال ہے تو بڑی چیزوں کی حالت خدا ہی کو معلوم ہے۔ ہیں۔ انسان کو اِن تباہ کن چیزوں سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ یا بسوئے۔ اگر تم اپنا رابطہ براہِ راست خدا سے نہیں قائم کرسکتے ہو تو کسی برگزیدہ شیخ کو واسطہ بنالو۔

عبرا آکل۔ خدا کے علاوہ ہر چیز دوسرے کو فنا کرتی ہے اور اُس کو دوسری چیز فنا کر ڈالتی ہے۔ وَھُوَ یُطْعِمُکُم۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ دوسروں کو غذا عطا کرتا ہے خود غذا سے بے نیاز ہے۔ آکل و ماکول۔ دنیا کی کوئی چیز اپنے نگل جانے والے سے مطمئن نہیں ہو سکتی ہے۔ امن۔ اِن فانی چیزوں کا اپنی فنا سے مطمئن رہنا بڑی مصیبت ناک چیز ہے اِس معاملہ میں اللہ کی جانب رجوع ضروری ہے۔ ہر خیالے۔ یہ بات صرف مادیات میں ہی نہیں ہے بلکہ ایک خیال دوسرے خیال کو کھا جاتا ہے۔

[۱۲] تو نتانی۔ انسان تصورات اور خیالات سے کسی طرح نجات نہیں پاتا ہے اگر انسان خیالات کو ختم کرنے کے لئے سو بھی جاتا ہے تو وہ خیالات اُن شہد کی مکھیوں کی طرح باقی رہتے ہیں جو کسی غوطہ خور کی فکر میں باہر اُڑ رہی ہیں تاکہ اُس کے پانی سے باہر نکلنے پر اُس کو چمٹ جائیں۔ چند زنبور۔ انسان خیالات کی خلش میں مبتلا رہتا ہے ایک خیال اُس کو ایک جانب کھینچتا ہے تو دوسرا خیال اُس کو دوسری جانب کھینچتا ہے۔

[۱۳] کمترین۔ انسان کو کھانے والی چیزوں میں سے خیالات •

[۱۴] دستے مسپار۔ لیکن اپنا ہاتھ حقیقی شیخ کے ہاتھ میں پکڑاؤ کیونکہ اُس کے ہاتھ کو اللہ کی دستگیری حاصل ہے۔ پیرِ عقلت۔ تیری عقل بچکانہ عادت رکھتی ہے کیونکہ وہ پوشیدہ نفس کے پڑوس میں

چونکہ دستِ خود بدستِ او نہی ‌ ‌ ‌ پس زدستِ آکلاں بیروں جہی

جبکہ تو اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دے گا ‌ ‌ ‌ تو کھانے والوں کے ہاتھ سے باہر نکل جائے گا

دستِ تو از اہلِ آں بیعت شود ‌ ‌ ‌ کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ بُوَد

تیرا ہاتھ اُن بیعت کرنیوالوں میں سے ہو جائیگا ‌ ‌ ‌ کہ جن کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے

چوں[۱۲] بدادی دستِ خود در دستِ پیر ‌ ‌ ‌ پیرِ حکمت کو علیم ست و خبیر

جب تو نے اپنا ہاتھ شیخ کے ہاتھ میں پکڑا دیا ‌ ‌ ‌ وہ پیر حکمت ہے کیونکہ وہ دانا اور باخبر ہے

کو نبیِ وقتِ خویش ست اے مرید ‌ ‌ ‌ زانکہ زو نورِ نبی آید پدید

اے مرید: وہ اپنے وقت کا نبی ہے ‌ ‌ ‌ کیونکہ اُس سے نبی کا نور جھلکتا ہے

در حدیبیہ شدی حاضر بدیں ‌ ‌ ‌ واں صحابہ بیعتی را ہم قریں

تو اِس وجہ سے حدیبیہ میں پہنچ گیا ‌ ‌ ‌ اور اُن بیعت کرنے والے صحابہ کا ساتھی بھی بن گیا

پس زدہ[۱۳] یارِ مبشر آمدی ‌ ‌ ‌ ہمچو زرِ دہ دہی خالص شدی

تو تو "عشرہ مبشرہ" صحابہ میں سے ہو گیا ‌ ‌ ‌ خالص سونے کی طرح تو خالص بن گیا

تا معیت راست آید زانکہ مرد ‌ ‌ ‌ با کسے جفت ست کورا دوست کرد

تاکہ (خدا کی) معیت حاصل ہو جائے کیونکہ انسان ‌ ‌ ‌ اُس کا ساتھی ہے جس کو اُس نے دوست بنایا ہو

ایں جہان و آں جہاں با او بود ‌ ‌ ‌ ویں حدیثِ احمدِ خوش خو بود

یہ جہان اور وہ جہان اسکے ساتھ ہوگا ‌ ‌ ‌ یہ خوش خلق احمدؐ کی حدیث ہے

گفت اَلْمَرْءُ مَعْ مَحْبُوْبِہٖ ‌ ‌ ‌ لَا یُفَکُّ الْقَلْبُ مِنْ مَطْلُوْبِہٖ

فرمایا۔ "انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہے" ‌ ‌ ‌ قلب اپنے مطلوب سے جدا نہیں ہوتا ہے

ہر کجا دام ست و دانہ کم نشیں ‌ ‌ ‌ رو[۱۴] زبوں گیر از زبوں گیراں ببیں

جہاں کہیں دانہ اور جال ہے، نہ بیٹھ ‌ ‌ ‌ جا عاجزوں کو پھنسانیوالوں میں سے کسی عاجز کو پھنسانیوالے کو دیکھ

اے زبوں گیرِ زبوناں ایں بداں ‌ ‌ ‌ دستِ ہم بالای دست ست اے جواں

اے عاجزوں پر ظلم کرنے والے، یہ سمجھ لے ‌ ‌ ‌ کہ تیرے ہاتھ کے اوپر بھی ہاتھ ہے اے جوان!

بگسل آں حبلے کہ حرص ست و حسد ‌ ‌ ‌ یاد کن فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَد

اُس رسّی کو توڑ دے جو حرص اور حسد ہے ‌ ‌ ‌ "اُسکے گلے میں مونج کی رسّی ہے" کو یاد کرلے

دل فراز از دام واجب دیدہ است ‌ ‌ ‌ دامِ تو خود بر پرت چفسیدہ است

دل نے جال سے علیحدگی ضروری سمجھی ہے ‌ ‌ ‌ تیرا جال خود تیرے پروں پر چپساں ہے

تو زبونی یا زبوں گیر اے عجب ‌ ‌ ‌ باش تو ترساں و لرزاں در طلب

تعجب ہے تو عاجز ہے یا عاجز پر ظلم کرنیوالا ‌ ‌ ‌ تو طلب میں ترساں اور لرزاں رہا کر

ہے عقلِ کامل۔ تو اپنی عقل کو شیخ کی عقل سے وابستہ کردے وہ بچکانہ عادت چھڑا دے گا چونکہ جب تو شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیگا وہ تجھے برباد کرنے والی چیزوں سے بچا دے گا۔

[۱۲] چوں بدادی۔ جب تو شیخ کی ہدایت کا پابند ہوگا تب تجھے تجربہ ہوگا وہ بجربکار ہے۔ کو۔ شیخ وقت کو نبی کا پرتو حاصل ہوتا ہے۔ در حدیبیہ۔ حدیبیہ کے مقام پر آنحضورؐ نے بیعت الرضوان لی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا شیخ سے بیعت کرنے کے بعد تجھے بھی ویسی ہی فضیلت حاصل ہو جائے گی جیسی بیعت الرضوان کرنے والوں کو حاصل ہوئی تھی۔ [۱۳] دہ یار مبشر عشرہ مبشرہ وہ دس صحابہ جن کو آنحضورؐ نے اُنکی زندگی میں جنت کی بشارت دیدی تھی۔ چاروں خلیفہ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت ابو عبیدہؓ حضرت سعدؓ بن وقاص حضرت سعیدؓ بن زید دہ دہی۔ وہ خالص سونا ہوتا ہے جو دنیا نے سے اُسی وزن کا

[۱۴] رو۔ دنیا میں کمزوروں پر ظلم کرنیوالوں کا حال دیکھ لے۔ اے زبوں۔ کمزوروں پر ظلم کرنے والوں کو یہ جان لینا چاہیئے کہ کوئی نہ کوئی اُس سے بھی زیادہ طاقتور ہوگا۔ بگسل۔ مولانا نے ابولہب کی بیوی کے گلے کی رسّی کو حرص اور حسد کی رسّی قرار دیا ہے۔ دل فراز۔ جبکہ عقلاً جال سے جدائی ضروری ہو

رہے جس وزن کا وہ تھا۔ گفت۔ حدیث شریف ہے "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ" انسان اُس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے" یہ حکم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ہے۔

آکل و ماکولی اے مرغِ عجب | ہم تو صید و صید گیر اندر طلب
اے عجیب پرندہ! تو کھانیوالا اور کھایا ہوا ہے | تو طلب میں شکار بھی ہے اور شکاری بھی

حرصِ صیادی ز صیدے مُغفِل است | دلبری میکند کو بیدل است
شکاری پن کی حرص شکار بن جانے سے غافل کرنیوالی ہو | وہ دلبری کر رہا ہے جو خود بیدل ہے

بَیْنَ اَیْدِیْ خَلْفَہُمْ سَدًّا مباش | کہ نہ بینی خصم را واں خصم فاش
ان میں سے نہ بن جن کے آگے اور پیچھے دیوار ہے | کیونکہ تو دشمن کو نہیں دیکھتا ہے اور وہ دشمن ظاہر ہے

تو کم از مرغے مباش اندر نشید | بین ایدی خلف عصفورے بدید
تو سیٹی سننے میں پرندے سے کم نہ بن | چڑیا آگے اور پیچھے دیکھتی ہے

کم ز عصفورے مبین بنگر کہ آں | بین ایدی خلف چوں بیند عیاں
تو چڑیا سے کم نہیں ہے، دیکھ وہ | آگے اور پیچھے کھلا دیکھ لیتی ہے

چوں بنزدِ دانہ آید پیش و پس | چند گرداند سر و رو آں نفس
جب دانہ کے پاس آتی ہے آگے اور پیچھے | اُس وقت سر اور چہرے کو کس قدر گھماتی ہو

کاے عجب پیش و پسم صیاد ہست | تا کشم از بیمِ اُو زیں لقمہ دست
کہ کہیں میرے آگے اور پیچھے شکاری تو نہیں ہے؟ | تاکہ اُس کے ڈر سے اِس لقمہ سے ہاتھ کھینچ لوں

تو بہ بیں پس قصۂ فجار را | پیش بنگر مرگِ یار و جار را
تو بدکاروں کے قصہ کو پیچھے دیکھ لے | آگے یار اور پڑوسی کے مرنے کو دیکھ لے

کہ ہلاکت دادشاں بے آلتے | اُو قرینِ تست در ہر حالتے
کہ انکو (اللہ تعالیٰ) نے بلا آلہ کے ہلاک کر دیا | وہ ہر حالت میں تیرے ساتھ ہے

حق شکنجہ کرد و گرز و دست نیست | پس بدان بے دست حق داور کنیست
اللہ (تعالیٰ) نے شکنجہ میں کس دیا اور گرز اور ہاتھ نہیں ہے | تو سمجھ لے اللہ (تعالیٰ) بغیر ہاتھ کے سزا دینے والا ہو

آنکہ میگفتے اگر حق ہست کو | در شکنجہ اُو مُقِر می شد کہ ہُو
وہ جو کہتا تھا کہ اگر اللہ ہے تو کہاں ہے؟ | شکنجہ میں وہ مُقر ہو گیا کہ وہ ہے

وآنکہ میگفت ایں بعید است و عجیب | اشک میراند و میگفت اے قریب
وہ جو کہتا تھا کہ یہ بعید اور عجیب ہے | وہ آنسو بہاتا ہے اور کہتا ہے اے نزدیک!

آنکہ جز انکارِ حق کارش نبود | برد حسرت عاقبت بے ہیچ سود
وہ جس کا کام سوائے اللہ (تعالیٰ) کے انکار کے کچھ نہ تھا | انجام کار بلا فائدہ اُس نے حسرت کی

در نگر احوالِ فرعون و ثمود | قومِ لوطؑ و قومِ صالحؑ قومِ ہودؑ
فرعون اور ثمود کے احوال دیکھ لے | قومِ لوطؑ اور قومِ صالحؑ اور قومِ ہودؑ کے

حالِ نمرودِ ستمگر در نگر | در مآلِ قومِ نوحؑ افگن نظر
ظالم نمرود کی حالت دیکھ لے | قومِ نوحؑ کے انجام پر نگاہ ڈال لے

انسان کو پچھلے بدکاروں کے انجام اور سامنے سے دوستوں کی موت کو دیکھ لینا چاہیے۔

تو تیرا جال خود تیرے پر ہی سے چپکا ہوا ہے۔

ے تو زبونی۔ ہر انسان کو احتیاط کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ وہ معلوم ہے یا عالم آکل و ماکول۔ ہر انسان کھانے والا اور دوسرے کی خوراک ہے لہٰذا وہ خود شکار بھی ہو اور شکاری بھی ہے۔ حرص۔ انسان کی شکاری پن کی عادت اُس کو خود شکار بن جانے سے غافل بنائے ہوئے ہے وہ دوسروں کا دل بھرتا ہے اور خود اُس کا دل چوری ہو چکا ہے۔ بَیْنَ اَیْدِیْ۔ انسان کو ایسا غافل نہ ہونا چاہیے کہ اُس کے سامنے غفلت کی ایسی دیوار ہو جو کھلے ہوئے دشمن کو بھی نہ دیکھنے دے۔

ے تو کم۔ چڑیا اپنے پھنسنے کے خوف سے اِدھر اُدھر کو دیکھ لیتی ہے۔ کم ز عصفورے۔ چڑیا آگا پیچھا دیکھ لیتی ہے تو چڑیا سے کم نہ بن۔ کاے عجب۔ وہ چڑیا اسلئے اِدھر اُدھر دیکھتی ہو کہ کوئی شکاری تو نہیں ہے تاکہ دانہ سے قطع نظر کروں۔ تو بہ بین۔

لہ کہ ہلاکت۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بدکاروں کو بغیر کسی ظاہری آلہ کے ہلاک کر دیا۔ حق۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بغیر گرز اور ہاتھ کے سزا دیدی تجھے یقین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بغیر ظاہری ہاتھ کے سزا دیدیتا ہو۔ آنکہ۔ منکرِ خدا بھی سزا کے وقت خدا کا اقرار کر لیتا ہے۔ وآنکہ۔ جو منکر خدا کا وجود عقل سے دور سمجھتا تھا عذاب کے وقت اُس کو یا قریب کہہ کر پکارتا ہے۔ کارش نبود۔ خدا کے منکروں کا انجام کار حسرت

تابدانی حق سمیع ست و علیم
تاکہ تو جان لے کہ اللہ (تعالیٰ) سمیع اور علیم ہے

فارغ ست از ترس و پاک از باک و بیم
وہ خوف سے بے نیاز ہے اور ڈر اور پروا سے پاک ہے

بر کنم من میخ ایں منحوس دام
میں اس منحوس جال کی کھونٹی اکھاڑ رہا ہوں

از پئے کامے نباشم تلخ کام
مقصد کے لئے (تاکہ) میں ناکام نہ بنوں

در خورِ عقل تو گفتم ایں جواب
تیری عقل کے مناسب میں نے یہ جواب دیدیا

فہم کن وز جستجو رو بر متاب
سمجھ لے اور جستجو سے منہ نہ موڑ

اُٹھانا پڑے گی۔
لے تا دانی۔ جن منکروں کو انجام کار حسرت اُٹھانی پڑی اُن کو شمار کیا گیا ہے۔ تابدانی۔ اُن لوگوں اور قوموں کے انجام سے تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ حق تعالیٰ مظلوموں کی فریاد سنتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے اور ظالموں کو تباہ کرنے میں اس کو کوئی باک نہیں ہے۔ بر کنم۔ یہ بھی مور کا مقولہ ہے کہ یہ پر بمنزلہ جال کے ہیں لہٰذا میں انکو مقصد باری کے لئے اکھاڑ رہا ہوں۔
سلہ قدخود۔ مور نے ناصح حکیم سے کہا کہ تیری عقل کے مناسب میں نے یہ جواب دے دیا ہے۔ اب تو اس کو خوب سمجھ لے۔ ہتب کشتن۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو کوّے کو ہلاک کیا تو وہ کونسی انسانی بری صفت کے ازالہ کی طرف اشارہ تھا۔ لے خلیل۔ حضرت ابراہیم آپ فرمائیں کہ کوّے کو ہلاک کرنے میں کیا حکمت پنہاں ہے۔

شرح

دیکھو! ایک جانور ایک کیڑے کے شکار میں مشغول تھا کہ بلی کو موقع ملا اور اُسے اڑا لے گئی وہ جانور آکل بھی تھا اور ماکول بھی۔ مگر اپنے شکار کے شغل میں اپنے شکار سے غافل تھا۔

علیٰ ھٰذا چور اگر سامان کے شکار کے دَرپے ہوتا ہے تو کوتوال دیگر۔۔ دشمنوں سمیت اس کے دَرپے ہوتا ہے مگر اس کی عقل سامان کے حاصل کرنے اور تالے توڑنے کی فکر میں مشغول ہو کر کوتوال اور مظلوم کی آہ سحر سے غافل ہوتا ہے اور وہ اپنے خیال میں یوں مستغرق ہوتا ہے کہ اسے اسکی فکر نہیں ہوتی کہ کوئی میرے بھی دَرپے ہے ——— اسی طرح گھاس آبِ شیریں پیتا ہے مگر بعد کو جانور اسے چر لیتے ہیں لہٰذا گھاس آکل بھی ہے اور ماکول بھی۔

القصہ! حق سبحانہ کے خلاف جتنی موجودات ہیں سب آکل بھی ہیں اور ماکول بھی لیکن خدا تعالیٰ چونکہ مصداق یطعمکم ولا یطعم ہے لہٰذا وہ .. ماکول و آکل اور لحم و پوست جسم اور جسمانی نہیں ہے ——— جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو! کہ جو چیز آکل بھی ہے اور ماکول بھی وہ اُس آکل سے بے خوف۔۔۔

نہیں ہوسکتی جو اسکی گھات میں لگا ہوا ہے کیونکہ وہ اگر بے خوف ہوگی تو لامحالہ اس پر تباہی آئے گی پس اگر تم کو ماکولیت سے بے خوفی کی ضرورت ہے تو درگاہ خداوندی میں پناہ لو - جو کہ آکل نہیں ہے - اسی طرح تم ماکولیت سے بے خوف ہوسکتے ہو ------- منجملہ کھانے والوں کے ایک خیال بھی ہے کیونکہ ایک خیال دوسرے خیال کو کھا جاتا ہے اور ایک فکر دوسرے فکر کو چٹ کر جاتا ہے -

اب سنو! کہ تم سے نہیں ہوسکتا کہ تم خیال سے بالکل چھوٹ جاؤ اور نہ یہ ہی ہوسکتا ہے کہ جب تک اس خیال سے جدا نہ ہوجاؤ اسوقت تک سوجاؤ - ہاں جب وہ خیال جاتا رہے گا اسوقت تم کو نیند آسکتی ہے لیکن سو کر ہی تم اس سے بالکل نجات نہیں پاسکتے کیونکہ وہ بمنزلہ شہد کی مکھی کے ہے اور نیند بمنزلہ پانی کے اسلئے وہ صرف اس وقت تک جدا رہے گا جب تک نیند باقی رہے اور جس وقت نیند جاتی رہی اور تم جاگ گئے پھر فوراً آموجود ہوگا -

غرضکہ یہ خیال کی مکھی ہمیشہ اُڑتی رہتی ہے اور کبھی تمہیں اِدھر لیجاتی ہے اور کبھی اُدھر - پس وہ ہمیشہ اس طرح تم کو کھاتی رہتی ہے اور خیال تو ادنےٰ درجہ کا آکل ہے اور آکل اس سے بھی بڑے ہیں جس کو خدائے ذوالجلال جانتا ہے - پس ہم کو چاہیئے کہ اس زبردست کھانے والی جماعت سے بھاگو - اور اس کے پاس پناہ لو - جو تمہاری حفاظت کی ذمہ داری کرتا ہے یعنی حق سبحانہٗ کے پاس اور ماسوی اللہ کو چھوڑکر بلا واسطہ حق سبحانہٗ سے تعلق پیدا کرلو ------ اور اگر تم سے یہ نہیں ہوسکتا تو اس شخص کے پاس پناہ لو جسنے حفاظت حق سبحانہٗ سے حاصل کرلی ہے اور اسکی حفاظت سے محفوظ ہوگیا ہے - یعنی شیخ کامل اور شیخ کامل کے علاوہ اپنے کو کسی کے سپرد نہ کرو - کیونکہ اسکے سوا جتنے ہیں... سب کھانے والے ہیں اور صرف وہ ہے جو حفاظت کرنے والا ہے کیونکہ حق سبحانہٗ

ہی اسکے ممدو معاون ہیں جوکہ اسکو حفاظت میں مدد دیتے ہیں۔

تم نے اپنی عقل کو شیخ بنا رکھا ہے مگر یاد رکھو! کہ وہ طفلانہ حرکات کی خوگر ہے اور یہ بے ہودہ حرکات کرتی ہے اسلئے شیخیت اسکو شایاں نہیں ہے پس تم اپنی عقل کے ساتھ عقل کامل یعنی عقلِ شیخ کو ملاؤ تاکہ تمہاری عقل اسکی صحبت سے خوئے بد یعنی طفلانہ خصائل سے باز آئے ــــــــ دیکھو جبکہ تم اپنے کو شیخ کے سپرد کردوگے اس وقت تم مردم خواروں سے بچ جاؤگے۔ اور تمہارا ہاتھ ان مبایعین میں شمار ہوگا جس کی نسبت ید اللہ فوق ایدیھم وارد ہوا ہے اور جبکہ تم اپنے ہاتھ اس شیخ کے ہاتھ میں دیدوگے جوکہ دانا ہے اور جو کہ بمنزلہ نبیؑ وقت کے ہے کیونکہ بوجہ نیابت نبی کے نور نبی یعنی نورِ ہدایت اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس ذریعے سے تم حدیبیہ میں حاضر ہوجاؤگے اور صحابہ مبایعین کے ساتھ ہوجاؤگے۔ اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہوجاؤگے اور کُندن بن جاؤگے۔ حتٰی کہ تمہاری صحابہ مذکورین کے ساتھ معیت درست ہوجائے گی کیونکہ ایسا کرنے سے تمہارے اندر ان صحابہ کی محبت پیدا ہوگی اور قاعدہ ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوتا ہے اِس جہاں میں بھی اور اُس جہاں میں بھی ــ اور یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ حدیث نبوی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ چنانچہ آپنے فرمایا کہ المرء مع من احبہ یعنی آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح کہ دل اپنے مطلوب کے ساتھ ہوتا ہے اور اس سے جُدا نہیں ہوتا اس بنار پر تم ان صحابہ کے ساتھ ہوئے۔

القصہ جہاں کہیں دام ودانہ اور سامان حرص ہو تم وہاں نہ بیٹھنا کیونکہ وہاں کوئی صیاد ضرور چھپا ہوگا۔ تم جاکر دیکھ لینا۔ ضرور تم کو ملے گا اور گو تم صیاد ہو ــــ مگر تم کو واضح ہو کہ تمہارا بھی کوئی صیاد ہے اور تم سے

بھی زیادہ کوئی زبردست ہے پس تم دامِ حرص وحسد کو توڑ دو ۔ ورنہ تم بھی پھندے میں آجاؤ گے یا ورنہ ہو تو فِی جِیۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ کو پڑھ لو ۔ اور سمجھ لو کہ تم بھی کسی کے پھندے میں ہو ۔

اہلِ دل تمہارے دام سے اوپر حق سبحانہٗ کو دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کا دام تمہارے پَرِ دل سے لپٹا ہوا ہے اور تم اسکے قبضہ میں ہو پس تم فکرِ صید کو چھوڑ دو اور دامِ حرص و ہوا کو توڑ و کیونکہ تم جس طرح صیاد ہو یوں ہی صید بھی ہو ۔ پس تمہیں طلبِ صید میں نہایت احتیاط چاہیئے ۔ اور ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے اور ایسا شکار نہ کرنا چاہیئے جس سے تم خود پھنس جاؤ ۔ دیکھو تم تو آکل بھی ہو اور ماکول بھی اور صید بھی ہو اور صیاد بھی ۔ مگر صیادی کی حرص نے تمہیں اپنے صید ہونے سے غافل کر رکھا ہے کیونکہ حرص صیادیت صیدیت سے غافل کر دیتی ہے ـــــ بنا بریں وہ دلیری کرتا اور لوگوں کو اپنے دام میں لاتا ہے ۔ حالانکہ وہ خود بے دل اور دوسرے کے دام میں ہے پس تم ایسا نہ کرو ۔ اور وجعلنا من بین ایدیھم سدًّا ومن خلفھم سدًّا ۔ کا مصداق نہ ہو ۔ کہ باوجود دشمن کے ظاہر ہونے کے اسے نہ دیکھ سکو ۔ آخر تو طلب میں جانور سے تو کم نہ ہو ۔ دیکھ تو سہی کہ چڑیا بھی آگے پیچھے دیکھ لیتی ہے یونہی تو بھی دیکھ لیا کر ۔ اور غور تو کر کہ چڑیا بھی آگے پیچھے دیکھتی ہے اور جب وہ دانہ کے قریب آتی ہے تو کیونکر اس وقت آگے پیچھے سر ہلاتی ہے کہ میرے آگے یا پیچھے کوئی صیاد تو نہیں ۔ تاکہ اگر ہو تو میں دانہ سے دست کش ہو جاؤں پس تو چڑیا سے کم نہیں ہے تو بھی آگے پیچھے دیکھ ! یعنی پیچھے قصہ فجار کو دیکھ کہ اس حرص و ہوا کے سبب ان کی کیا گت بنی ۔ اور آگے اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کی موت دیکھ اور جان لے کہ حق تعالٰے نے ان کو بدوں آلہ کے مار ڈالا یونہی وہ حالت

میں تجھ سے بہی مقارن ہے اور تجھے بھی ایک روز یوں ہی مار ڈالے گا

خلاصہ یہ کہ تم دنیا میں یوں منہمک نہ ہو کہ تم کو اپنے ضرر کا بھی خیال نہ رہے اور تم خدا سے بھی غافل ہو جاؤ۔ بلکہ تم کو اس سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے تاکہ وہ تم کو نفع پہنچائے تم یہ خیال نہ کرنا کہ وہ بدون ہاتھ اور آلہ کے کیسے نفع پہنچا سکتا ہے کیونکہ جس طرح حق سبحانہ نے ان کو بے ہاتھ اور بے آلہ سزا دی ہے یوں ہی وہ بدون ہاتھ اور آلہ کے نفع بھی پہنچا سکتا ہے۔

پس نہ اسے نفع پہنچانے کے لئے ضرورت ہے آلہ کی اور نہ نقصان پہنچانے کے لیے۔ اور یہ بھی نہ کہنا کہ خدا کا وجود کہاں ہے جس سے تعلق پیدا کیا جائے کیونکہ جو لوگ خدا کے منکر تھے اور کہا کرتے تھے کہ خدا کہاں ہے جب وہ شکنجہ میں آئے اس وقت ان کو اقرار کرنا پڑا کہ بے شک وہ ہے اور جو کہتے تھے کہ یہ بات بعید از عقل ہے کہ خدا ہو۔

اور ایک عجیب بات ہے وہ شکنجہ میں آکر روتے تھے اور کہتے تھے کہ ارے وہ تو بہت قریب ہے اور جن لوگوں کا کام انکار خدا کے سوا کچھ نہ تھا اسکو انجام کار حسرت ہوئی مگر بالکل بے سود ـــــ تم فرعون اور قوم ثمود اور قوم لوط اور قوم صالح اور قوم ھود کے حالات میں غور کرو۔ اور نمرود کی حالت کو دیکھو اور قوم نوح کے انجام پر نظر ڈالو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ خدا سمیع بھی ہے اور علیم بھی اور وہ اس قدر زبردست ہے کہ اسے نہ کسی کا ڈر ہے نہ کسی کا خوف۔ کیونکہ جب اس نے زبردست بدکاروں کو سزا دی ہے تو لازم ہے کہ وہ ان کے افعال بد کو دیکھتا ہے اور اقوال ناشائستہ کو سنتا ہے اور ان سے بھی زبردست ہو۔

خیر! تو طاؤس نے کہا کہ میں پروں کو جو کہ میرے لیے منحوس حال ہیں جڑ سے اکھیڑتا ہوں کیونکہ ایک مقصد یعنی حسن کے لیے میں اپنی زندگی کو تلخ

نہیں کرسکتا- یہ جواب میں نے تیری عقل کے مطابق دیا ہے تو اسکو سمجھ لے۔ اور سبب دقیق کا جویاں رہ۔ جس کو میں نے بیان نہیں کیا ہے اور اس سے اعراض مت کر (فائدہ: ولی محمد نے کہا ہے کہ سبب دقیق یہ ہے کہ میں بے حجاب جمال حق کا مشاہدہ چاہتا ہوں۔ واللہ اعلم)

سببِ کشتنِ ابراہیم علیہ السلام زاغ را کہ آں اشارہ بقمعِ کدام صفت بود از صفاتِ مذمومۂ مُہلکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوّے کو مارنے کا سبب کہ وہ مہلک صفات میں سے کونسی صفت کو زائل کرنے کی طرف اشارہ تھا

ایں سخن را نیست پایان و فراغ
اس بات کا خاتمہ اور فراغ نہیں ہے

اے خلیلِ حق چرا کشتی تو زاغ
اے اللہ کے خلیلؑ! آپ نے کوّے کو کیوں مارا؟

بہرِ فرماں حکمتِ فرماں چہ بود؟
حکم کی وجہ سے، حکم کی حکمت کیا تھی؟

اندکے ز اسرارِ آں باید نمود
اس کے رازوں میں سے تھوڑا سا ظاہر کر دیجئے

کاغ کاغ[1] و نعرۂ زاغِ سیاہ
کالے کوّے کی کائیں کائیں اور شور

دائما باشد بدن را عمر خواہ
ہمیشہ، جسم کی عمر کا خواہاں ہے

ہمچو ابلیس از خدائے پاک و فرد
جس طرح شیطان نے خدائے قدوس واحد سے

تا قیامت عمرِ تن درخواست کرد
قیامت تک کے لئے جسم کی عمر کی درخواست کی

گفت اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ الجزا
اس نے کہا مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے

کاشکے گفتے کہ تُبْنَا رَبَّنَا
کاش، وہ کہتا کہ اے ہمارے رب ہماری توبہ قبول کرلے

زندگی بے دوست جاں فرسود نیست
بغیر دوست کے زندگی، جان کی تباہی ہے

مرگِ حاضر غائب از حق بود نیست
(اللہ تعالیٰ) سے غائب ہونا، فوری موت ہے

عمر و مرگ[2] ایں ہر دو با حق خوش بود
زندگی اور موت، دونوں خدا کیسا تھ اچھی ہیں

بے خدا آبِ حیات آتش بود
بغیر خدا کے آبِ حیات، آگ ہے

آں ہم از تاثیرِ لعنت بود کو
یہ بھی لعنت کی تاثیر تھی کہ وہ

در چناں حضرت ہمی شد عمر جو
ایسے دربار میں عمر کا خواہاں بنا

از خدا غیرِ خدا را خواستن
خدا سے غیر خدا کو مانگنا

ظنِ افزونی ست کُلّی کاستن
بڑھوتری کا گمان اور بالکلیہ گھاٹا ہے

[1] کاغ: حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ کوّے کی کائیں کائیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی عمر کی درازی کا خواہاں ہے۔ ہمچو ابلیس۔ قرآن پاک میں مذکور ہے اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ یعنی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی مجھے قیامت تک کی عمر دیدے۔ تُبْنَا۔ حضرت آدمؑ نے توبہ کی دعا کی تھی۔ زندگی۔ شیطان نے زندگی کی دعا مانگی لیکن وہ زندگی جو بغیر دوست کے ہو محض جان کو گھلانا ہے اور اللہ تعالیٰ سے غفلت فوری موت ہے۔

[2] عمر و مرگ۔ موت ہو یا زندگی جو اللہ کے ساتھ بنے ہی بہتر ہے خدا کو چھوڑ کر آبحیات بھی آگ کا کام کرتا ہے۔ آں ہم۔ شیطان کی درازی عمر کی تمنا بھی اس کے ملعون ہونے کا اثر تھی۔ از خدا۔ خدا سے غیر خدا کا مانگنا تباہی ہے۔ خاص طور پر وہ عمر جس میں خدا کی رضا حاصل نہ ہو محض مکاری ہے۔

خاصہ عمرے غرق در بیگانگی | در حضورِ شیر روبہ شانگی
خصوصاً وہ عمر جو غیریت میں غرق ہو | شیر کے سامنے لومڑی بن بے

عمر بیشم دہ کہ تا پس تر روم | مُہلتم افزوں دہ کہ تا کمتر شوم
مجھے زیادہ عمر دے تاکہ زیادہ پیچھے کو جاؤں | مجھے زیادہ مُہلت دے تاکہ کمتر ہو جاؤں

تاکہ لعنت را نشانہ او بود | بد کسے باشد کہ لعنت جُو بود
تاکہ وہ لعنت کا نشانہ بنے | بدکار وہ ہے جو کہ لعنت کا جویاں ہو

عمرِ خوش در قربِ جاں پروردنست | عمرِ زاغ از بہرِ سرگیں خوردنست
اچھی عمر قربِ خداوندی میں جان کی پرورش ہے | کوّے کی عمر گوبر کھانے کے لئے ہے

عمر بیشم دہ کہ تا گُہ می خورم | دائم اینم دہ کہ بس بدگوہرم
مجھے زیادہ عمر دے تاکہ گُو کھاؤں | مجھے ہمیشہ یہ دے کیونکہ میں بہت بداصل ہوں

گرنہ گُہ خوارست آں گندہ دہاں | گویدے کز زاغیم تو وارہاں
اگر وہ گندہ دہن گُو کھانے والا نہ ہوتا | تو کہتا، مجھے کوّے پن سے نجات دیدے

مناجات

دُعا

اے مُبدّل کردہ خاکے را بزر | خاکِ دیگر را بکردہ بُوالبشر
اے وہ جس نے مٹی کو سونا بنایا | دوسری مٹی کو ابوالبشر بنایا

کارِ تو تبدیلِ اعیان و عطا | کارِ من سہوست و نسیان و خطا
تیرا کام موجودات کو تبدیل کرنا اور عطا ہے | میرا کام سہو اور بھول اور خطا ہے

سہو و نسیاں را مُبدّل کُن بعلم | من ہمہ حِلمم مرا کُن صبر و حلم
میرے سہو اور بھول کو علم سے تبدیل کر دے | میں مجسّم غصہ ہوں، مجھے صبر اور حلم بنا دے

اے کہ خاکِ شورہ را تو ناں کُنی | وے کہ نانِ مُردہ را تو جاں کُنی
اے وہ کہ تو شوریلی زمین کو روٹی بنا دیتا ہے | اے وہ کہ تو مُردہ روٹی کو جان بنا دیتا ہے

اے کہ جانِ خیرہ را رہبر کُنی | وے کہ بے رہ را تو پیغمبر کُنی
اے وہ کہ تو بےراہ گمراہ کو رہبر بنا دیتا ہے | اے وہ کہ تو راستہ نہ دیکھے ہوئے کو پیغمبر بنا دیتا ہے

اے کہ خاکِ تیرہ را تو جاں دہی | عقل و حِس و روزی و ایماں دہی
اے وہ کہ تو تاریک مٹی کو جان عطا کرتا ہے | عقل اور حس اور روزی اور ایمان دیدیتا ہے

شکر از نے میوہ از چوب آوری | از منی مُردہ بتِ خوب آوری
نے سے شکر اور لکڑی سے پھل پیدا کرتا ہے | مُردہ منی سے حسین معشوق پیدا کر دیتا ہے

عمر بیشم دہ۔ شیطان کی دُعا تو یہ تھی کہ خدا اس کو زیادہ عمر اسلئے دیدے تاکہ وہ اور قعرِ ذلت میں گرے اور خدا کی لعنت کا نشانہ بنے تو ایسے شخص سے زیادہ بُرا اور کون ہوگا جو لعنتِ خداوندی کا جویاں ہو۔ عمرِ خوش۔ اچھی زندگی تو وہ ہے جس میں قربِ الٰہی میں جان کی پرورش ہو سکے۔ کوّے کی دراز عمر گوبر کھانے کے لئے ہے۔ عمر بیشم۔ کوّے کی عمر کی زیادتی تمنا تو گوبر کھانے کیلئے ہے۔

گرنہ۔ اگر وہ گوبر کھانے والا نہ ہوتا تو یہ دعا کرتا کہ مجھے کوّے پن سے نجات دیدے۔

اے حضرت حق تعالٰی کی قدرت ہے کہ اُس نے مٹی سے سونا بنا دیا اور مٹی سے حضرت آدم ابوالبشر کو پیدا کر دیا۔ کارِ تو۔ اللہ تعالٰی کا کام تبدیل کرنا اور انسان کا کام بھول اور غلطی ہے۔ سہو۔ لیکن اللہ تعالٰی میں قدرت ہے کہ وہ ہماری بھول کو علم سے تبدیل کر دے اور ہمارے غصہ کو بردباری سے بدل دے۔ اے کہ خاکِ شورہ۔ اللہ تعالٰی کی قدرت ہے کہ شور زمین سے بھی وہ غلّہ اُگا دیتا ہے جس سے روٹی تیار ہوتی ہے اور مُردہ روٹی کو انسان کی جان میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اے کہ۔ خدا کو وہ قدرت ہے کہ گمراہ کو راہبر بنا دیتا ہے اور راستہ نہ دیکھے ہوئے کو پیغمبر بنا دیتا ہے۔ خاکِ تیرہ۔ انسان مٹی سے بنا ہے اور قدرت نے پھر اُس کو دولتِ ایمان سے بہرہ ور بنا دیا ہے۔ از نے۔

۱۶۳ گل ز گل صفوت دل پیدا کنی	پیہ را بخشی ضیاؤ روشنی
مٹی سے پھول، دل میں اخلاص پیدا کر دیتا ہے	چربی کو نور اور روشنی بخش دیتا ہے
میکنی جزوِ زمیں را آسماں	میفزائی در زمیں از اختراں
تو زمین کے جزو کو آسمان بنا دیتا ہے	ستاروں سے زمین میں افزائش کر دیتا ہے

اس سے مراد یا وہ انبیاء ہیں جو زمین سے پیدا ہوئے اور پھر انکو آسمان پر اٹھا لیا گیا یا انکو معراج کرادی گئی یا یہ مقصد ہے کہ وہ بخارات جو زمین سے اٹھے انسے آسمان پیدا فرمایا۔ میفزائی۔ ستاروں کی تاثیر سے زمین میں پیداوار لگتی ہے۔ ہر کہ۔ جو شخص زیادی زندگی کو سنبھالے رہا سمجھتا ہے اس کی موت سب سے پہلے آجاتی ہے۔

نے میں سے شکر پیدا کر دینا اور شاخ میں سے پھل پیدا کر دینا۔ نطفے سے حسین معشوق پیدا کرنا قدرتِ خداوندی ہی کا کام ہے۔ ۱۶۳ گل زگل خدا کی قدرت ہے کہ وہ مٹی سے حسین پھول اور دل سے خلوص پیدا کر دیتا ہے اور آنکھ کی چربی میں روشنی اور چمک پیدا کر دیتا ہے جو نور ہیں۔

شرح

اچھا یہ گفتگو تو منتہی اور ختم نہ ہوگی۔ اب پوچھنا چاہیئے کہ اے خلیل حق! ابراہیم علیہ السلام آپنے کوّے کو کیوں ذبح کیا تھا اس کا جواب آپ یہ ہی دیں گے کہ بحکمِ حق سبحانہٗ ایسا کیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ حق سبحانہٗ کی اس تخصیص میں حکمت کیا تھی۔ ذرا اس تخصیص کے اسرار بیان فرما دیجئے ـــــ اچھا سنو! وجہ اسکی یہ تھی کہ اس کالے کوّے کی کائیں کائیں اور شور و غوغا درخواست ہوتی ہے اس امر کی کہ اسکو عمر دراز عطا کی جائے جس طرح ابلیس نے خدائے پاک وحدہٗ لاشریک سے قیامت تک حیات جسمانی کی درخواست کی تھی اور کہا تھا کہ مجھے قیامت تک مہلت دیجئے پس چونکہ یہ صفت ابلیسی طول امل رکھتا ہے اسلیے قابل کشتن ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں۔ اے کاش! ابلیس حیات جسمانی کی درخواست نہ کرتا اور بجائے اسکے اپنے قصور کی معافی چاہتا اور توبہ کرتا کیونکہ دوست کے بغیر زندہ رہنا تو مصیبت میں پڑنا ہے اور خدا سے جدا ہو جانا تو فی الحال مرنا ہے

اور اگر حق سبحانہٗ کے ساتھ تعلق ہو تو موت اور زیست دونوں برابر ہیں۔ اور اگر اس سے تعلق نہ ہو تو آبِ حیات بھی آگ کی طرح مہلک ہے پھر خدا سے قطع تعلق کرکے حیاتِ جسمانی چاہتا جو کہ حکم میں موت کے ہے سراسر حماقت ہے لیکن یہ

اثر تھا اس لعنت کا جو اس پر کی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ ان علیک لعنتی الی یوم الدین کہ وہ حق سبحانہ، جیسے منعم کی جناب میں حیات جسمانی کی درخواست کرتا تھا کیونکہ خدا سے غیر خدا کو مانگنا گو بظاہر طلب زیادتی و نفع ہو مگر حقیقت میں طلب نقصان و ضرر ہے مگر اسے اس لعنت کے اثر سے جو غلط بیں کر دیتی ہے۔ محسوس یہ ہوا کہ اول تو مطلق غیر خدا کو مانگنے کی یہ حالت ہے۔ بالخصوص وہ حیات جو حق سبحانہ، سے قطع تعلق کے ساتھ ہو اس کو مانگنا اور شیر کے سامنے لومڑی پن کرنا جیسا کہ ابلیس نے کیا یہ تو بالاولی نقصان اور ضرر ہے۔

پس اس نے جو کہا تھا کہ مجھے زیادہ عمر دے یہ درخواست اسلئے تھی کہ وہ جلدی موت روحانی میں مبتلا ہو جائے ـــــ اور یہ جو کہا تھا کہ مجھے زیادہ مہلت دے اسکے یہ معنی تھے کہ مجھے حیات روحانی کے لحاظ سے قلیل المہلت کر دے اور یہ معاندانہ درخواست اسلئے تھی کہ وہ لعنت کا نشانہ بنے۔

اس سے تم سمجھ لو کہ جو حق سبحانہ، سے قطع تعلق کر کے حیات جُو ہو اور اس طرح طالب لعنت ہو وہ بہت بُرا شخص ہے کیونکہ عمدہ زندگی تو یہ ہے کہ حق سُبحانہ، کے قرُب میں جان کو پرورش کرے اور عمر زاغ حیاتِ جسمانی محضہ تو گند کھانے کے لیئے ہے۔ کوّا جو کہتا ہے کہ مجھے عمر زیادہ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں گند کھاتا رہوں اور وہ کہتا ہے کہ تو مجھے ہمیشہ گوہ دیئے جا۔ کیونکہ میں بذات ہوں اور اسی کے قابل ہوں کیونکہ اگر وہ گند خوار اور گندہ ذہن نہ ہوتا تو بجائے زیادتی عمر کی درخواست کے جو مآلاً گند کھانے کی درخواست ہے وہ یوں کہتا کہ اے اللہ! تو مجھے صفت زاغی اور طول اَمل و گندخواری سے نجات دے۔

اب مولانا مناجات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ ذات! جس نے خاک

کے ایک حِصّہ کو سونا بنایا اور دوسرے حصہ کو آدم بنایا ـــ لے وہ قادر! جو خاک شور کو روٹی بناتا ہے ۔ اور اے وہ قادر! جو کہ بے جان روٹی کو جان عطا کرتا ہے اور اے وہ قادر! جوکہ جان نابینا کو رہبر بناتا ہے ۔ اور اے وہ قادر! جو کہ گم گشتہ کو پیغمبر بناتا ہے اور کہتا ہے ووجدک ضالاً فھدٰی ۔ اور اے وہ قادر! جو خاک تیرہ کو جان عطا کرتا ہے اور اسے عقل اور حُسن اور روزی اور ایمان عطا کرتا ہے اور گنے سے شکر ۔ اور لکڑی سے میوہ پیدا کرتا ہے اور بے جان منی سے خوب صورت معشوق بناتا ہے اور مٹی سے پھول اور دل سے صفا پیدا کرتا ہے اور پھر چشم کو روشنی بخشتا ہے اور جُزو زمین کو آسمان کرتا ہے ـــ بایں طور کہ زمین سے دھوُاں اُٹھاکر اسکو ایک حد خاص پر قائم کر کے متکاثف بنا دیتا ہے اور وہ آسماں میں جاتا ہے ۔ کما قال الشیخ الاکبر علیٰ ما نقلہ بحر العلوم ۔

اور ستاروں کے اثر سے زمین زیادتی کرتی ہے بایں معنیٰ کہ نباتات وغیرہ اُگاتا ہے (یا یوں کہو کہ آسمان میں ستارے پیدا کرتا ہے اور آسمان کو زمین کہنا اس بنا پر ہے کہ وہ فانی اور جُزوِ زمین ہے کما قال ولی محمد) ـــ تیرا کام تبدیلی اعیان اور بخشش ہے اور میرا کام سہو و نسیان اور غلطی ہے تو میرے سہو و نسیان کو علم سے بدل دے اور میں سراسر غیظ و غضب ہوں تو مجھے سراپا حلم بنا دے ۔

ہر کہ سازد زیں جہاں آبِ حیات — زود ترش از دیگراں آید ممات
جو اس دنیا کو آبِ حیات بناتا ہے — اُس کو دوسروں سے پہلے موت آجاتی ہے

دیدۂ[1] دل کو بگردوں بنگریست — دیدہ کانجا ہر دمے مینا گریست
جس دل کی آنکھ نے آسمانوں کو دیکھا — اُس نے دیکھا ہے کہ وہاں ہر وقت نشا می ہے

قلبِ اعیان ست و اکسیرِ محیط — ایتلافِ خرقۂ تن بے مخیط
موجودات کی تبدیلی ہے اور عالمگیر اکسیر ہے — جسم کے چیتھڑوں کو بغیر دھاگے کے سینا ہے

تو ازاں روزے کہ در ہست آمدی — آتشے یا خاکے یا بادے بُدی
تو جس دن سے وجود میں آیا ہے — آگ یا خاک یا ہوا تھا

گر بداں حالت ترا بودے بقا — کے رسیدے مر ترا ایں ارتقا
اگر اُسی حالت پر تیرا بقا ہوتا — تجھے یہ ترقی کب حاصل ہوتی؟

از مبدِّل ہستیِ اوّل نماند — ہستیِ دیگر بجائے اُو نشاند
تبدیل کرنیوالے کی وجہ سے پہلا وجود نہ رہا — اس نے دوسرا وجود اس کی بجائے قائم کر دیا

ہمچنیں[2] تا صد ہزاراں ہستہا — بعد یک دیگر دوم بہ زابتدا
اسی طرح لاکھوں وجود تک — ایک دوسرے کے بعد، دوسرا پہلے سے بہتر

آں مبدِّل بیں وسائط را بماں — کز وسائط دور گردی ز اصل آں
اُس تبدیل کرنیوالے کو دیکھ، واسطوں کو چھوڑ — کیونکہ واسطوں سے تو اصل سے دُور جائے گا

واسطہ ہر جا فزوں شد وصل جست — واسطہ کم ذوقِ وصل افزوں تر است
جہاں واسطے زیادہ ہوئے، وصل جاتا رہا — واسطے کم ہوں تو وصل کا ذوق زیادہ ہوتا ہے

از سبب دانی شود کم حیرتت — حیرتے کہ رہ دہد در حضرتت
اسباب کے جاننے سے تیری حیرت کم ہو جائیگی — وہ حیرت جو دربار تک تیری رہنما ہے

ایں[3] بقاہا از فناہا یافتی — از فنایش رُو چرا برتافتی
تونے یہ بقائیں فناؤں سے حاصل کی ہیں — اُس کی فنا سے تونے کیوں مُنہ موڑا ہے

زاں فناہا چہ زیاں بودت کہ تا — بر بقا چفسیدۂ اے بینوا
اُن فناؤں سے تجھے کیا نقصان پہنچا کہ — تو اے بینوا! بقا سے چمٹا ہوا ہے

چوں دوم از اوّلینت بہتر است — پس فنا جوی و مبدِّل را پرست
جبکہ دوسرا (وجود) تیرے پہلے سے بہتر ہے — تو فنا کی جستجو کر اور تبدیل کرنیوالے کی عبادت کر

[1] دیدۂ دل۔ جو شخص قلبی بصیرت سے آسمان کو دیکھیگا اُس کو نظر آئے گا کہ وہاں ہر وقت قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قلبِ اعیان۔ عالمِ بالا کے تصرفات میں اجسام کی تبدیلی ہے اور ایک عالمگیر کیمیا گری ہے۔ تو ازاں۔ اس تبدیلی کی دلیل یہ ہے کہ انسان ابتدا میں عناصرِ اربعہ میں سے کوئی عنصر تھا اگر وہ اسی حالت میں رہتا تو اُس کو اسی تقدیم کا ارتقائی رتبہ کیسے ملتا۔ از مبدِّل۔ اللہ تعالےٰ نے اُسکے پہلے وجود کو بدل کر دوسرا وجود عنایت کر دیا۔

[2] ہمچنیں۔ وجود کی تبدیلی کے لاکھوں رتبے ہیں۔ آں مبدِّل۔ انسان کی توحید کا تقاضہ ہے کہ وہ تبدیل کرنے والی ذات پر نظر رکھے تبدیلی کے درمیانی واسطوں پر نظر رکھنا انسان کو اُس ذات سے دُور کر دیتا ہے۔ واسطہ۔ محبوب سے ملاقات میں جس قدر وسائل کا اضافہ ہوتا ہے ذوقِ وصل میں کمی آجاتی ہے۔ از سبب۔ اسباب اور علل معلوم کرنے سے وہ حیرت کم ہو جاتی ہے جو انسان کو بارگاہِ خداوندی میں پہنچاتی ہے۔

[3] ایں بقاہا۔ جبکہ ان مراتب میں فنا کے بعد ارتقائی وجود حاصل ہوا ہے تو انسان کو فنا سے نہ گھبرانا چاہیئے۔ زاں۔ پہلے مراتب کے فنا سے اور ارتقا حاصل ہوا لہٰذا بقا سے چمٹا رہنا عقلمندی نہیں ہے۔ چوں دوم۔ جبکہ تبدیلی کے بعد دوسرا وجود پہلے وجود سے بہتر ملا ہے تو انسان کو فنا کی جستجو کرنی چاہیئے اور تبدیل کرنے والے کا شکر گزار رہنا چاہیئے۔

صد[1] ہزاراں حشر دیدی اے عنود
اے سرکش: تونے لاکھوں حشر دیکھے ہیں

تاکنوں ہر لحظہ از بدوِ وجود
ہر لمحہ وجود کی ابتداء سے اب تک

از جمادی بے خبر سوئے نما
بے خبری میں جمادیت سے نشوونما کی جانب

وز نما سوئے حیات و ابتلا
اور نما سے زندگی اور آزمائش کی جانب

باز سوئے عقل و تمیزاتِ خوش
پھر اچھی عقل اور تمیز کی جانب

باز سوی خارج ایں پنج و شش
پھر ان (حواس خمسہ اور شش جہات) سے باہر کی جانب

تالبِ[2] بحر ایں نشانِ پایہاست
یہ پاؤں کے نشان سمندر کے کنارے تک ہیں

پس نشانِ پا درونِ بحر لاست
پھر سمندر کے اندر پاؤں کے نشان معدوم ہیں

زانکہ منزلہائے خشکی زاحتیاط
کیونکہ خشکی کے مقامات احاطہ بندی کی وجہ سے

ہست دہ ہا و وطنہا و رباط
دیہات اور وطن اور سرائے ہیں

باز منزلہائے دریا در وقوف
پھر دریائی مکانات، ٹھکانے میں

وقتِ موجش نے جدار و سقوف
اسکے تموج کے وقت نہ دیوار ہے نہ چھتیں

نیست پیدا اندراں رہ پا و گام
اس راستہ میں نہ پاؤں اور نہ قدم نظر آتے ہیں

نے نشانست آں منازل را نہ نام
ان گھروں کا نہ نشان ہے، نہ نام ہے

ہست[3] صد چنداں میانِ منزلین
دونوں منزلوں کے درمیان سو گنا فاصلہ ہے

آں طرف کز ایں تا بالائے ایں
اس جانب مکان سے (لا) مکان کے اوپر تک

در فنا ہا ایں بقا ہا دیدہ
فناؤں میں تونے بقائیں دیکھی ہیں

بر بقائے جسم چوں چفسیدہ
جسم کے بقا پر تو کیوں چپک گیا ہے؟

ہیں بدہ اے زاغ ایں جاں باز باش
ہاں! او کوّے یہ جان دیدے، باز بن جا

پیشِ تبدیلِ خدا جانباز باش
خدائی تبدیلی کے سامنے جانباز بن جا

تازہ میگیر و کہن را می سپار
تازہ بن جا، پُرانے کو دے دے

کہ ہر امسالت فزونست از سہ پار
کیونکہ تیرا یہ سال گزشتہ تین سالوں سے بڑھا ہوا ہے

گر نباشی نخل وار ایثار کن
اگر تو کھجور کی طرح ایثار کرنیوالا نہیں ہے

کہنہ بر کہنہ نہ و انبار کن
پُرانے پر پُرانا رکھتا رہ اور جمع کرلے

کہنہ[4] و گندیدہ و پوسیدہ را
پُرانے اور گندہ اور سڑے ہوئے کا

تحفہ میبر بہر ہر نا دیدہ را
ہر ندیدے کے لئے تحفہ لے جا

---

[1] صد ہزاراں۔ انسان کے لاکھوں مراتب ایسے ہیں جو فنا ہو چکے ہیں۔ آز جمادی۔ انسان اپنے جمادی وجود سے نباتی وجود کی طرف منتقل ہو گیا اور اس سے وہ لاعلم ہے پھر نباتی وجود سے اٹھ کر حیوانی وجود اور پھر عقل کی بنیاد پر اس کو وہ وجود ملا جس میں وہ احکام کا مکلف بنا۔ خارج۔ یعنی پھر اس کا ارتقاء عالمِ ارواح کی جانب ہوا جو حواس خمسہ اور جہات ستّہ سے بالاتر ہے۔

[2] تالب بحر۔ ان مراتب وجود کے نشانات اس وقت تک ہیں جب تک کہ اس کا وجود، وجودِ مطلق سے وابستہ نہیں ہوا اور جب اس سمندر میں پہنچ گیا تو پھر ان وجودات کے نشانات غائب ہو جاتے ہیں۔ زانکہ۔ اس مسئلہ کو اس طرح سمجھو کہ خشکی کے منازل کے نشانات ہوتے ہیں انھیں نشانات کے ذریعہ گاؤں اور سرائے اور وطن بنتا ہے لیکن دریا کے منازل کا کوئی نشان نہیں ہوتا ہے دریا کی منزل کی نہ چھت ہوتی ہے نہ دیوار نہ وہاں چلنے کے نشانات پیدا ہوتے ہیں۔

[3] ہست۔ عالم مکان اور عالم لامکان دونوں منزلوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ آنطرف۔ مکان۔ بالائے ایں لامکان۔ در فنا ہا۔ جبکہ پہلے مراتب کے فنا کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے تو پھر جسم کی بقا ... سے انسان کو چمٹنا چاہیئے۔ جیں۔ جو شخص عمر کی درازی کا متمنی ہے اس کو اس تبدیل میں جان کی بازی لگانی چاہیئے۔ تازہ۔ تو انسان کو تازہ وجود حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ اس کو ہر مرتبہ پہلے مرتبہ سے افضل حاصل ہوا ہے۔ گر نباشی۔ کھجور اپنا پھل دوسروں کو دے دیتی ہے تو اس کو قدرت نیا پھل عطا کر دیتی ہے۔

[4] کہنہ۔ اگر پُرانا پھل نہ جھڑے تو وہ بوسیدہ اور

آنکہ نو دید اُو خریدارِ تو نیست
جس نے نیا دیکھا ہے وہ تیرا خریدار نہیں ہے

صیدِ حق ست اُو گرفتارِ تو نیست
وہ اللہ (تعالیٰ) کا شکار ہے وہ تجھ میں پھنسا ہوا نہیں ہے

ہر کجا باشند جوقِ مرغِ کور
جہاں کہیں اندھے پرندوں کا جمگھٹ ہو

بر تو جمع آیند اے سیلابِ شور
اے کھاری پانی! تجھ پر جمع ہو جائے گا

تا فزاید کوری از شورابہا
تاکہ کھاری پانیوں سے اندھا پن بڑھے

زانکہ آبِ شور افزاید عمیٰ
کیونکہ کھارا پانی اندھا پن بڑھاتا ہے

اہلِ دنیا زاں سبب اعمیٰ دل اند
دنیادار اسی وجہ سے اندھے دل والے ہیں

شاربِ شورابۂ آب و گِل اند
کیونکہ وہ آب و گِل کا کھاری پانی پینے والے ہیں

شور میخور کور می چر در جہاں
دنیا میں کھاری پانی پی، اندھے پن سے چر

چوں نداری آبِ حیواں در نہاں
جبکہ تو اندر آبِ حیات نہیں رکھتا ہے

باچنیں حالت بقا خواہی و زیاد
اس حالت میں تو بقا اور زیادتی چاہتا ہے

ہمچو زنگی در سیہ روئی تو شاد
تو حبشی کی طرح کالا منہ ہونے پر خوش ہے

در سیاہی رنگ ازاں آسودہ ست
وہ رنگ کے کالے پن پر اس لیے مطمئن ہے

کو ز زاد و اصل زنگی بودہ است
کیونکہ وہ پیدائش اور اصل سے حبشی ہے

آنکہ زاول شاہد و خوش رو بود
وہ جو شروع سے معشوق اور خوبصورت ہو

گر سیہ گردد تدارک جو بود
اگر وہ کالا بن جائے تو تدارک کا طالب ہوگا

مرغِ پرندہ چو ماند بر زمیں
اُڑنے والا پرندہ جب زمین پر رہ جائے

باشد اندر غصہ و درد و حنیں
وہ رنج اور درد اور نقصان میں ہوگا

مرغِ خانہ بر زمیں خوش میرود
پالتو پرندہ زمین پر خوشی سے چلتا ہے

دانہ چین و شاد و شاطر میدود
دانہ چگتا ہوا اور خوش اور چالاکی سے دوڑتا ہے

زانکہ او از اصل بے پرواز بود
کیونکہ وہ اصل سے بغیر اُڑان کے تھا

واں دگر پرندہ و پرباز بود
وہ دوسرا اُڑنے والا اور کھلے پروں کا تھا

اُس کو کبھی آزادی نصیب نہیں ہوئی تھی اور اُڑنے والا پرندہ آزاد تھا۔

گندہ ہو جائے گا۔ آنکہ جس نے نیا وجود حاصل کر لیا ہے وہ پُرانے وجود کا خریدار نہ بنے گا۔ صیدِ حق۔ وہ ذاتِ حق میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے۔ ہر کجا۔ تیرے خریدار اندھے ہیں اندھے پرند کھارے پانی پر جمع ہوتے ہیں جو اُن کو اور اندھا بنا رہتا ہے۔

اہلِ دنیا۔ اہلِ دنیا چونکہ پُرانے وجود سے چمٹے ہوئے ہیں تو وہ بھی شور کھاری پانی کے پرندوں کی طرح اندھے دلوں والے ہیں۔ شور۔ اگر انسان کے دل میں آبِ حیات جاری نہیں ہے تو وہ کھاری پانی پینے والا اور اندھا دھند کھانے والا ہے۔ باچنیں۔ اگر اس بُری حالت میں تو عُمر کی زیادتی کا خواہاں ہے تو تیری مثال اُس حبشی کی سی ہے جو اپنی سیاہ روئی پر مطمئن اور خوش ہو۔ آنکہ۔ اگر کوئی شروع میں خوش رنگ ہو اور پھر وہ سیاہ رُو بن جائے تو وہ اِس حالت میں مطمئن نہیں ہو سکتا ہے۔

مرغ۔ اگر اُڑنے والا پرندہ پنجرے میں پھنس جائے تو وہ غم و غصہ میں رہتا ہے۔ مرغِ خانہ۔ پالتو پرندہ پنجرے میں بھی خوش رہتا ہے کیونکہ

شرح

اب مولانا مناجات سے فارغ ہو کر مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص اس جہاں کو آبِ حیات کی طرح مرغوب سمجھ لے گا اور اسی کی زندگی کو زندگی ملنے گا جیسا کہ ابلیس نے کیا

وہ اوروں سے پہلے مرے گا کیونکہ وہ حالت حیات جسمانی میں بموت روحانی مر جائے گا۔ پس تم کو حیات دنیوی کو مطمح نظر نہ بنانا چاہیئے کیونکہ یہ کوئی قابل قدر نہیں ہے بلکہ عالم غیب کو مطمح نظر بنانا چاہیئے۔ اسلیئے جو لوگ چشم بصیرت رکھتے ہیں جب وہ لوگ اپنی چشم قلب سے اس عالم کو دیکھتے ہیں تو وہاں انکو عجیب کاریگری نظر آتی ہے اور دیکھتے ہیں کہ وہاں تبدیل ماہیت ہوتی ہے اور اکسیر عام موجود ہے جو قلب ماہیت کرتی ہے اور شگاف تن کو بدوں سیئے ہوئے جوڑا جاتا ہے پس جبکہ یہ عالم ایسا عجیب وغریب ہے تو یہ دل لگانے کے قابل ہے نہ کہ عالم ناسوت۔

تم کو فنا سے کیوں نفرت ہے اور تم کیوں حیات کو پسند کرتے ہو۔ دیکھو جب تم اولاً وجود میں آئے ہو تو اس وقت تم خاک تھے یا باد یا آتش یا آب۔ پس اگر تم کو فنا حاصل نہ ہوتی اور تم اسی حالت پر باقی رہتے۔ تو اس معراج ترقی پر کیونکر پہنچ سکتے تھے جو آج تم کو حاصل ہے کہ انسان ہو۔

پس ثابت ہوا کہ فنا قابل نفرت نہیں۔ بلکہ قابل رغبت ہے۔ قابل نفرت تو اسوقت تھی جبکہ اسکے بعد بقا نہ ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ جب مبدل کے ہستی اول نہیں رہتی تو حق سبحانہٗ تعالےٰ بجائے اسکے اسے دوسری ہستی عطا فرماتے ہیں اور اس طرح سینکڑوں ہستیاں عطا فرماتے ہیں جس میں سے ہر ایک ہستی سابق سے بہتر ہوتی ہے پس تم کو فنا سے نفرت نہ چاہیئے اور ہستیوں میں دل نہ لگانا چاہیئے اور حق سبحانہٗ سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے مگر تم کو حق سبحانہٗ سے تعلق نہیں ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ تم ان تغیرات کو اسباب کا نتیجہ سمجھتے ہو لیکن یہ تمہاری غلطی ہے۔ ہم کو مبدل حقیقی پر نظر کرنی چاہیئے اور اسباب کو چھوڑنا چاہیئے۔

کیونکہ وسائط میں دل لگانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ان وسائط کے سبب اصل مطلوب سے جدا ہو جاؤ گے۔ اسلئے قاعدہ ہے کہ جتنے وسائط زیادہ ہوں گے

اسی قدر اصل مطلوب ہاتھ سے جائے گا۔ اور جس قدر کم ہوں گے اسی قدر لطفِ وصل زیادہ ہوگا اور جب بالکل نہ ہوں گے تو لذت وصل تام ہوگی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تم اسباب میں پھنس جاؤ گے اور ان تغیرات کو اسباب کا نتیجہ سمجھو گے تو اس سے تمہاری حیرت کہ مبدل کون ہے جاتی رہے گی اور حیرت ہی تم کو حق سبحانہٗ تک پہنچا سکتی تھی لہٰذا تم وصول الی الحق سے محروم ہو جاؤ گے پس تم ان اسباب و وسائط کو چھوڑ دو تاکہ تم حیرت میں رہو اور وہ حیرت تمہیں حق سبحانہٗ تک پہنچا دے ہاں تو ہم کو کہنا یہ ہے کہ جب تم کو بہت سی بقائیں فنا کی بدولت حاصل ہو چکی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ تم فنا فی الحق نہیں چاہتے اور بقا جسم پر عاشق ہو۔

آخر اتم سوچو تو کہ تم کو جو پیشتر بہت سی فنائیں حاصل ہو چکی ہیں جس کی تفصیل عنقریب آنے والی ہے ان سے تم کو کیا ضرر ہوا جو تم کو فنا کے نام سے وحشت ہوتی ہے اور بقا کو لپٹ کر رہ گئے ہو جبکہ کوئی ضرر نہ ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا کہ بقائے اوّل سے بہتر بقا حاصل ہوئی۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا تو ہم کو ہرگز وحشت نہ چاہیئے بلکہ طالب فنا ہونا چاہیئے۔ اور اس مبدل کی پرستش کرنا چاہیئے جو اس قدر منعم ہے کہ بلا استحقاق تم کو یہ نعمتیں دیتا ہے۔

دیکھو! جب سے تم وجود میں آئے ہو اس وقت سے لاکھوں مرتبہ فنا ہو کر بقا حاصل کر چکے ہو۔ مثلاً اوّل تم جماد تھے جب تمہاری جمادیت فنا ہوئی تو نما حاصل ہوئی اور نمائی صرف فنا ہوئی تو حیوانیت حاصل ہوئی حیوانیت محضہ گئی تو عقل و تمیز حاصل ہوئی اور تم انسان بنے اب اگر تم انسانیت صرفہ سے فنا ہو گئے تو تم کو مزید ترقی ہوگی اور تم لامکان سے وابستہ ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد ہم نہیں کہہ سکتے کہ تم کو کیا کیا ترقیاں ہوں گی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ لب دریا تک تو پاؤں کے نشان ملتے ہیں مگر دریا میں پاؤں کے نشان نہیں ہوتے۔ نیز خشکی میں تو بنا بر احتیاط گاؤں، شہر اور سرائیں، منزلیں ہوتی ہیں اور دریا میں منزلیں

نہیں بن سکتیں ۔کیونکہ اگر کوئی دریا میں مکان بنانا چاہے تو جس وقت موج آئیگی نہ دیواریں رہیں گی نہ چھتیں ۔ پس سے دریا میں نہ نشان قدم ہوتے ہیں اور نہ منزلوں کا کا نام و نشان ہوتا ہے ہاں اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اسکی منزلوں میں اتنا فصل ہے جتنا کہ مکان اور لامکان میں ۔خیر؛ تو جب تم کو فنا ہائے سابق سے ایسی ایسی بقائیں حاصل ہوتی ہیں جن کا ابھی ذکر کیا جا چکا ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ تم بقائے جسم کو کیوں لپیٹ کر رہ گئے ۔ اور فنا فی مرضیات الحق کیوں نہیں طلب کرتے پس اے زاغ وش اور طالب حیات جسمانی؛ تو اپنی جان حق سبحانہٗ کے نذر کر دے اور اسکی تبدیلی کے آگے سر جھکا دے اور باز کی طرح مقرب بن جا۔ تو بقائے کہنہ کو اسکے حوالہ کر کے اس سے حیات تازہ لیلے اسلیئے کہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر جدید حیات گذشتہ حیات سے بہتر ہے ۔

اور اگر تو نخل کی طرح ایثار نہیں کرنا چاہتا تو تو جان؛ پرانے پر پرانے لادتا ہے اور ان کا ڈھیر لگالے اور جو حیات تازہ سے واقف نہ ہو اسکے سامنے وہ بوسیدہ اور سڑی ہوئی اور پرانی تمام بقائے جا اور ان سے کہہ کہ میری اتنی عمر ہے اور اتنی ہے وہی اسکی قدر کریں گے۔

رہے وہ لوگ جن کو حیات تازہ حاصل ہے تو وہ تیری کچھ بھی قدر نہ کریں گے اور تیرے معتقد و مرید نہ ہوں گے ۔ اسلیے کہ وہ تو حق سبحانہٗ کے دام کے شکار ہیں اور جہاں کہیں اندھے جانور جمع ہوں گے ۔ اے سیلاب شور وہی تیری وقعت و قدر کریں گے ۔ اور تیرے گرد جمع ہوں گے تاکہ تیرے کھاری پانی سے ان کا اندھاپن اور بڑھے اور تیری طول عمر سے انکو اور طولِ عمر کی حرص ہو۔کیونکہ آبِ شور سے تو اندھاپن بڑھتا ہے ۔اہلِ دنیا اسی وجہ سے دل کے اندھے ہیں کہ وہ ناسوت کا کھارا پانی پیتے ہیں یعنی اشیائے ناسوتیہ سے ناجائز طور پر متمتع ہیں ۔ہم ہی ان سے کہتے ہیں کہ

کم بختو! تم کو آب حیوان عالم غیب تو میسّر ہی نہیں تم شور آب ہی پیو۔ اور غذائے شور ہی کھاؤ۔ یہ تو تمہاری حالت ہے کہ کھانے کو غذائے شور ملتی ہے اور پینے کو آبِ شور۔ جس سے تمہاری نابینائی بڑھتی ہے مگر اس پر بھی تم یہیں رہنا چاہتے ہو؟ اور زنگی کی طرح سیاہ روئی میں خوش ہو۔ مگر تم بھی معذور ہو کیونکہ تم نے عالم غیب کی لذیذ نعمتیں دیکھی نہیں تم ان کو طلب کیسے کر سکتے ہو۔ اور اغذیہ ناسوتیہ کو بُرا کیونکر سمجھ سکتے ہو۔ ان کو تو بُرا وہی سمجھ سکتا ہے جس نے وہ نعمتیں دیکھی ہوں اور پھر اتفاق سے وہ محروم ہو گیا ہو۔ مثلاً زنگی سیاہی میں ہی خوش ہوتا ہے اور اسے اس سیاہی کو دور کرنے کی فکر نہیں ہوتی کیونکہ وہ ابتدا ہی سے سیاہ ہوتا ہے برخلاف ایک حسین معشوق کے کہ اگر اس کے دھبہ بھی لگ جاتا ہے تو اسے دُور کرنیکی فکر ہوتی ہے۔

نیز پرندہ اگر زمین میں محبوس ہو جاتا ہے تو محزون و مغموم ہوتا ہے اور روتا پیٹتا ہے لیکن مرغی کو زمین سے کوئی وحشت نہیں ہوتی اور وہ مزہ سے چُست و چالاک اور خوش و خرم دانہ چُگتی رہتی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ یہ ابتدا ہی سے بے پرواز ہے اسلیئے پرواز کی قدر نہیں جانتی اور سابق الذکر رکھنے والا تھا اسلیے کہ وہ اسکی قدر جانتا تھا۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِرْحَمُوْا ثَلَاثًا عَزِیْزَ قَوْمٍ
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے تین شخصوں پر رحم کرو کسی قوم کا باعزت

ذُلَّ ، وَغَنِیَّ قَوْمٍ اِفْتَقَرَ ، وَعَالِمًا یَلْعَبُ بِہِ الْجُھَّالُ
جو ذلیل ہو گیا ہو، کسی قوم کا مالدار جو محتاج ہو گیا ہو، وہ عالم جس کا جاہل مذاق اڑائیں

گفت پیغمبر کہ رحم آرید بر | حالِ مَنْ کَانَ غَنِیًّا فَافْتَقَرْ
پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ رحم کرو اوپر | اُس شخص کے جو مالدار تھا پھر فقیر ہو گیا

لے قال النبیؐ۔ مولانا کا مقصد یہ ہے کہ اچھی حالت کے بعد جب بُری حالت ہوتی ہے تو وہ انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مَنْ کَانَ۔ جو شروع سے مُفلس ہو وہ اس قدر قابلِ رحم نہیں ہے جیسا کہ وہ شخص جو مالداری کے بعد مُفلس ہو گیا ہو۔ عزیز اجو

وَالَّذِی کَانَ عَزِیْزًا فَاحْتَقِر — اَوْصَفِیًّا عَالِمًا بَیْنَ الْمُصِرّ
اور اُس پر جو باعزت تھا پھر حقیر ہوگیا ہو — یا منتخب عالم تُرش رُوئی کے درمیان

گفت پیغمبرؐ کہ بر ایں سہ گروہ — رحم آرید ار ز سنگید و زکوہ
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ان تین قسموں پر — رحم کرو خواہ تم پتھر کے ہو یا پہاڑ کے

آنکہ[2] اُو بعد از عزیزی خوار شد — واں توانگر ہم کہ بے دینار شُد
وہ جو عزت کے بعد ذلیل ہوگیا ہو — وہ مالدار بھی جو بے زر ہوگیا ہو

واں سوم آں عالمے کاندر جہاں — مُبتلا گردد میانِ اَبلہاں
تیسرے وہ عالم جو دنیا میں — بے وقوفوں میں مبتلا ہوجائے

زانکہ از عزت بخواری آمدن — ہمچو قطعِ عضو باشد از بدن
کیونکہ عزت سے ذلت میں آجانا — جسم سے عضو کٹ جانے کی طرح ہے

عضو گردد مُردہ کز تن وا بُرید — نو بریدہ جُنبد اما نے مَدید
جو عضو بدن سے کٹ گیا وہ مُردہ ہوجاتا ہے — نیا کٹا ہوا تڑپتا ہے لیکن زیادہ دیر نہیں

ہرکہ[3] از جامِ اَلست اُو خورد پار — ہستش امسال آفتِ رنج و خمار
جس نے گذشتہ سال، جام الست سے پیا ہو — اسکو اس سال رنج اور اعضاء شکنی کی مصیبت ہوگی

وانکہ چوں سگ ز اصل گہدائی بُود — کے مراو را حرصِ سلطانی بُود
وہ جو کتے کی طرح اصل شناس کا ہو — اُس کو بادشاہت کا لالچ کب ہوتا ہے؟

توبہ اُو جوید کہ کردہ ست اُو گناہ — آہ اُو گوید کہ گم کردہ است راہ
توبہ وہ کرتا ہے جس نے گناہ کیا ہو — آہ وہ کرتا ہے جس نے راستہ گم کردیا ہو

شخص پہلے باعزت تھا پھر ذلیل ہوگیا ہو وہ بہت زیادہ قابلِ رحم ہے۔ عالماً۔ وہ عالم جو جاہلوں میں پھنس گیا ہو بہت زیادہ قابلِ رحم ہے۔ ار ز سنگید۔ خواہ تم پتھر کے بنے ہوئے ہو۔
[2] آنکہ۔ یہ تینوں شخص بہت زیادہ قابلِ رحم ہیں، کیونکہ عزت کے بعد ذلت میں مبتلا ہوجانے سے وہی تکلیف پہنچتی ہے جو بدن کا کوئی عضو کٹنے سے۔ بے عضو۔ بدن سے کوئی عضو کٹنے کے بعد مُردہ ہوجاتا ہے تھوڑی دیر وہ تڑپتا ہے اور پھر اُس پر مُردنی چھا جاتی ہے۔
[3] ہرکہ۔ جو شخص ایک بار کسی چیز کی لذت حاصل کرچکا ہے اس کی یاد اُس کو ستاتی ہے۔ وانکہ۔ جس شخص نے کبھی سلطنت کا مزانہ چکھا ہو وہ سلطانی کی حرص سے محروم ہوتا ہے۔ توبہ۔ وہ شخص توبہ کرتا ہے جس کو اپنے گناہ کا احساس ہوتا ہے اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہی آہ کرتا ہے۔

شرح

اچھا اب بیان بالا کی مزید تائید سنو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ارحموا من کان غنیا فافتقر والذی کان عزیزا فاحتقر وصفیا عالما بین المصر (یہ مضمون ہے حدیث کا) جس کے معنی یہ ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم پتھر اور پہاڑ کے بنے ہوئے ہی ہو۔ تو بھی ان تین شخصوں پر رحم کرو اول وہ جو عزت کے بعد ذلیل ہوا ہو۔ دوسرے وہ جو دولت مندی کے بعد مفلس

ہوگیا ہو۔ تیسرے وہ عالم برگزیدہ۔ جو احمقوں میں پھنس گیا ہو۔ سو آپ نے اُس شخص پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جو عزت کے بعد ذلیل ہوا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ عزت کے بعد ذلت ایسی ہے جیسے کسی عضو کا بدن سے جدا ہو جانا۔ کیونکہ جو عضو تن سے جدا ہو جاتا ہے وہ ہی عزت کے بعد ذلیل ہوتا ہے کہ مردار ہوتا ہے

پس جس طرح وہ عضو جو اپنے تن سے جدا ہوتا ہے اس سے جُدا ہو کر تڑپتا ہے۔ مگر جب دیر ہو جاتی ہے تو ٹھنڈا ہو جاتا ہے یوں ہی جو شخص عزت کے بعد ذلیل ہوا ہے وہ بھی مضطرب ہوتا ہے مگر ایک عرصہ کے بعد وہ ذلت سے خوگر ہو جاتا ہے اور لطف عزت کو بھول جاتا ہے اور اسے سکون ہو جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص شراب عشق الٰہی پیتا ہے اور پھر ایک وقت میں وہ شراب اسے نہیں ملتی وہ ہی بے قرار ہوتا ہے۔ برخلاف اس مجوب کے۔ جو ابتداء ہی ناسوتی اغذیہ کھاتا ہو۔ وہ کیا بادشاہی معنوی اور قرب حق سبحانہٗ کی آرزو کریگا اور اسکے نہ ہونے سے اسے کیا تکلیف ہوگی۔ نیز توبہ وہی کریگا جس نے گناہ کیا ہو۔ اور گناہ کے سبب وہ ذوقِ طاعت سے محروم ہوگیا ہوا ور جو ذوقِ طاعت کو چاہتا ہی نہیں وہ کیا توبہ کریگا ــــــ علیٰ ہٰذا۔ آہ وہی کریگا جس نے راستہ گم کیا ہو۔ اور جو سرے سے بے راہ ہے اور بے راہی کو راہ جانتا ہے وہ کیا آہ کریگا۔

الغرض: عمدہ حالت کی وہی قدر کر سکتا ہے جو اس سے آشنا رہا ہو۔ اور جو اس حالت سے آشنا ہی نہ ہو وہ اسکی قدر نہیں کر سکتا۔

قصۂ[1] محبوس شدنِ آں آہو بچہ در آخُرِ خراں و طعنۂ آں خراں بر آں غریب گاہ بجنگ گاہ بہ تسخر و مُبتلا شدنِ اُو بکاہِ خشک کہ غذائے اُو نیست و ایں صفت بندۂ خاصِ خدا ای ست عزّ و جلّ میانِ اہلِ دنیا و اہلِ شہوت کہ اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

ہرن کے بچے کا گدھوں کے اصطبل میں قیدی ہونے کا قصہ اور اُس پردیسی پر اُن گدھوں کی طعنہ زنی کبھی لڑائی سے کبھی مذاق سے، اور اُس کا خشک گھاس میں مبتلا ہونا کیونکہ وہ اُسکی غذا نہیں ہے اور یہی حالت خدائے عزّوجل کے خاص بندے کی دنیا داروں اور شہوت پرستوں میں ہے کیونکہ اسلام اجنبی بن کر شروع ہوا اور عنقریب اجنبی بنجائیگا جیسا کہ شروع ہوا تو اجنبیوں کیلئے خوشخبری ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے

آہوئے را کرد صیادے شکار ۔۔۔ اندر آخُر کردش آں بے زینہار
ایک ہرن کا ایک[1] شکاری نے شکار کر لیا ۔۔۔ اُس بے امان کو اصطبل میں کر دیا

آخرے را پُر ز گاوان و خراں ۔۔۔ حبس آہو کرد چوں اِستمگراں
اُس اصطبل کو جو بیلوں اور گدھوں سے بھرا ہوا تھا ۔۔۔ ظالموں کی طرح ہرن کا قید خانہ بنا دیا

آہو از وحشت بہر سُو میگریخت ۔۔۔ اُو[2] بہ پیشِ آں خراں شب کاہ ریخت
ہرن، وحشت سے ہر جانب کو بھاگتا تھا ۔۔۔ اُس (شکاری) نے رات کو گدھوں کے سامنے گھاس ڈالدی

از مجاعت و اِشتہا ہر گاؤ و خر ۔۔۔ کاہ را میخورد خوشتر از شکر
بھوک اور خواہش سے ہر بیل اور گدھا ۔۔۔ گھاس کو شکر سے بھی زیادہ خوشی سے کھاتا تھا

گاہ آہو می دمید از سُو بسُو ۔۔۔ گہ ز دود و گرد کہ میتافت رُو
ہرن، کبھی اِدھر اُدھر دوڑتا تھا ۔۔۔ کبھی دھویں اور گھاس کی گرد سے منہ موڑتا تھا

ہر کرا با ضدِّ خود بگذاشتند ۔۔۔ آں عقوبت را چو مرگ انگاشتند
جس کو اُس کی ضد کے ساتھ چھوڑ دیا ہے ۔۔۔ اِس سزا کو اُس نے موت خیال کیا ہے

تا[3] سلیمانؑ گفت کاں ہُدہُد اگر ۔۔۔ ہجر را عذرے نگوید معتبر
یہانتک کہ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ اگر وہ ہُدہُد ۔۔۔ جدائی کا معتبر عذر نہ بیان کرے

بکشمش یا خود دہم اُو را عذاب ۔۔۔ یک عذابِ سخت بیرون از حساب
میں اُس کو مار ڈالوں گا یا خود اُس کو سزا دونگا ۔۔۔ ایک سخت سزا جو اَن گنت ہے

ہاں کدام ست آں عذاب اے معتمد ۔۔۔ در قفس بودن بغیر جنسِ خود
اے معتمد! ہاں وہ سزا کون سی ہے؟ ۔۔۔ پنجرے میں غیر جنس کے ساتھ رہنا

---

[1] قصہ۔ اس قصہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ ہرن کا بچہ چونکہ آزادی کے لطف اٹھائے ہوئے تھا اس لئے اس کے نہ ہونے کا اسکو افسوس تھا گدھے اس سے محروم تھے۔ وایں صفت۔ جس طرح یہ ہرن کا بچہ گدھوں میں آکر پریشان ہوا ایسی حال عالم کا جاہلوں میں ہوتا ہے۔۔۔۔ الاسلام۔ جس وقت اسلام کی ابتداء ہوئی تب بھی وہ لوگوں کے لئے اجنبی تھا اور عنقریب پھر اجنبی بن جائیگا۔ ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو صلاح ہونے کی وجہ سے اجنبی ہیں۔ آخُر۔ اصطبل۔ زینہار۔ پناہ۔ استمگراں۔ ستمگراں۔

[2] اُو۔ یعنی شکاری۔ مجاعت۔ بھوک۔ ہرکرا۔ سزا یہی اگر کسی چیز کو اُس کے مخالف سے وابستہ کر دیا جائے تو یہ سزا موت ہے۔

[3] تا سلیمانؑ۔ حضرت سلیمانؑ نے ہُدہُد کو جو سخت عذاب دینے کو کہا تھا وہ یہی تھا کہ اس کو ناجنس کے ساتھ پنجرے میں بند کر دیتے۔

زیں[1] بدن اندر عذابی اے پسر
اے بیٹا: اِس جسم سے تو بھی عذاب میں ہے

مُرغ رُوحت بستہ با جنسِ دگر
تیری روح کا پرندہ دوسری جنس سے وابستہ ہے

روح بازست وطبائع زاغہا
روح باز ہے اور مزاج کوّے ہیں

دارد از زاغانِ تن بس داغہا
وہ جسم کے کوّوں کی وجہ سے بہت زخمی ہے

اُو بماندہ درمیان شاں زار زار
وہ اُن کے درمیان تباہ حال ہے

ہمچو بُوبکرے بشہر سبزوار
جس طرح کوئی ابوبکر سبزوار شہر میں

[1] زیں بدن - انسان کے لئے یہی عذاب ہے کہ اس کی روح کو غیر جنس یعنی جسم کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے۔ ترجمہ - رُوح باز ہے اور بدن کی طبیعت کوّا ہے۔ بوبکرے۔ یعنی ابوبکر نامی شخص سبزوار۔ ایران کا مشہور شہر ہے جس کے باشندے سخت رافضی تھے

شرح اس قصہ میں چند احتمال ہیں اول یہ کہ اس سے مقصود اہلِ دنیا کی حالت کے مقابلہ میں جو کہ اب تک بیان کی گئی تھی اہل اللہ کی حالت دکھلانا ہو اور ظاہر کرنا ہو کہ اہلِ دنیا تو دنیا پر عاشق ہیں مگر اہل اللہ اس سے متوحش ہیں۔ اور دوم یہ کہ یہ تمثیل ہو اس عالم کی جو نا اہلوں میں پھنس گیا ہے۔

جب یہ امر معلوم ہوگیا۔ تو اب حل سُنو! ایک ہرن کو کسی شکاری نے گرفتار کیا اور اس بے اماں نے اس کو آخور میں باندھ دیا۔ وہ آخور جو بیلوں اور گدھوں سے پُر تھی اسکو ظالمانہ طور پر اس ہرن کا جیل خانہ بنا دیا جب ہرن وہاں بندھا تو گھبرا کر ہر طرف بھاگنے لگا۔ شکاری نے گدھوں وغیرہ کے سامنے رات کو گھاس ڈالا تو مارے بھوک کے تمام گدھے اور بیل اسکو مزہ لے لیکر کھانے لگے۔ مگر ہرن کی یہ حالت تھی کہ وہ ادھر اُدھر بھاگتا تھا اور گھاس کے گرد اور اسکی بو سے ادھر نہ مُڑتا تھا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ جس کو نا جنسوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اسکو موت کی مانند سخت سزا دینی مقصود ہوتی ہے کیونکہ اس سزا کو موت کی مانند سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ سلیمان علیہ السلام نے

فرمایا تھا کہ اگر ھُدھُد نے اپنی غیبت کا معقول عذر نہ بیان کیا تو یا میں اُسے مار ڈالوں گا یا ایسی سخت سزا دوں گا جو بیان سے باہر ہے۔ وہ سزا کون سی ہے ؟ پنجرے میں غیر جنس کے ساتھ محبوس ہونا ـــــ تو سلیمان علیہ السلام کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اسے غیر جنس کے ساتھ مقید کر دونگا۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ غیر جنس کے ساتھ محبوس ہونا موت کی مانند سخت ہے۔ تو تم عبرت پکڑو! اور سمجھو کہ تم اس بدن کی بدولت سخت تر من عذاب میں ہو کیونکہ تمہاری روح غیر جنس کے ساتھ محبوس ہے، اسلئے کہ رُوح تو باز اور مقربِ بادشاہِ حقیقی ہے اور نفوس کوّے (پابندِ اَمل) اور وہ ان کوّوں کی صحبت سے بہت کوفت اٹھا رہی ہے اور ان کے درمیان یوں زار و نزار ہے جیسے شہر سبزوار میں ابوبکر۔ قصہ اس کا حسبِ ذیل ہے۔

حکایت سلطان محمد خوارزم شاہ کہ شہرِ سبزوار را کہ ہمہ اہلِ اُو
سلطان محمد خوارزم شاہ کی حکایت جس نے سبزوار شہر کو جس کے تمام باشندے
رافضی باشند بجنگ بگرفت ایشاں از کشتن امان
رافضی تھے جنگ کرکے لے لیا اُن لوگوں نے قتل سے امان چاہی اُس
خواستند گفت آنگہ اماں دہم کہ پیشِ من ازیں شہر یک
نے کہا میں امان جب دوں گا جبکہ اس شہر میں سے ایک ابوبکر
ابوبکر نامی بیاورید
نامی شخص لے آؤ

شد محمد اَلپ[52] اُلُغ خوارزم شاہ
بہادر محمد خوارزم شاہ لگا
در قتالِ سبزوارِ پُر تباہ
تباہی بھرے سبزوار (شہر) کے قتال میں
تنگ شاں آورد لشکرہائے اُو
اُس کے لشکروں نے اُن کا محاصرہ کر لیا
اسپہش افتاد در قتلِ عدو
اُس کے سپاہی دشمن کے قتل میں لگ گئے
سجدہ آوردند[53] پیشش کالاَماں
انھوں نے اُس کے سامنے سجدہ کیا کہ امن دے
حلقہ ماں در گوش کُن و ابخش جاں
ہمیں حلقہ بگوش بنالے، جان بخش دے

[52] اَلپ۔ بہادر۔ اُلُغ۔ بزرگ۔ خوارزم شاہ۔ یہ ایران کا بادشاہ تھا خراسان سے عراق تک اُس کی خلافت تھی یہ مولانائے روم کے والد خواجہ بہاء الدین محمد کا ماموں تھا۔

[53] سجدہ آوردند۔ سبزوار کے باشندے مُطیع ہوگئے اور انھوں نے جان و مال کی امان چاہی۔ بر خراج۔ سبزواریوں نے کہا کہ جو ٹیکس ہم پر لگایا جائیگا ہم ہر فصل میں بڑھا کر ادا کریں گے۔

ہر خراج و ہر صلہ کہ بایدت
جو خراج اور جو بدلہ تجھے چاہیئے

آں زما ہر موسمے افزایدت
وہ ہر موسم میں ہماری جانب سے تیرے لئے زیادہ ہوگا

جانِ ما آنِ تو ہست اے شیر خو
اے شیر دل! ہماری جان تیری ملکیت ہے

پیشِ ما چندے امانت باش گو
کہہ دے، ہمارے پاس کچھ دن امانت میں رہے

گفت نرہانید از من جانِ خویش
اُس نے کہا تم اپنی جان مجھ سے نہیں چھڑا سکتے ہو

تا نیارید ام ابوبکرے بہ پیش
جب تک کہ ایک ابوبکر میرے سامنے حاضر نہ کردو

تا مرا ابوبکر[۵۱] نام از شہرِتاں
جب تک کہ ابوبکر نام کا اپنے شہر سے میرے پاس

ہدیہ نارید اے رمیدہ اُمتاں
ہدیہ نہ لاؤگے، اے بگڑی ہوئی قوم!

بدروم تاں ہمچو کشت اے قومِ دوں
اے کمینہ قوم: میں کھیتی کی طرح تمہیں کاٹونگا

نے خراج استانم و نے ہم فسوں
نہ خراج لوں گا اور نہ ہی چکنی چپڑی باتیں سنونگا

پس جوالِ زر کشیدندش براہ
تو انھوں نے اشرفیوں کا بورا اسکے سامنے لا ڈالا

کز چنیں شہرے ابوبکرے مخواہ
کہ ایسے شہر سے ابوبکر نہ مانگ

کے[۵۲] بود بوبکر اندر سبزوار
ابوبکر، سبزوار میں کہاں ہوسکتا ہے؟

یا کلوخِ خشک اندر جوئبار۔
یا خشک ڈھیلا نہر میں

رو بتابید از زر و گفت اے مُغاں
اشرفیوں سے مُنہ پھیر لیا اور کہا اے کافرو!

تا نیارید ام ابوبکر ارمغاں
جب تک کہ تم ابوبکر کا تحفہ میرے پاس لاؤگے

ہیچ سودے نیست کودک نیستم
کوئی فائدہ نہیں ہے، میں بچہ نہیں ہوں

تا بزر و سیم حیراں بیستم
کہ سونے اور چاندی سے حیران رہ جاؤں

تا نیاری سجدہ نرہی اے زبوں
اے حقیر! جب تک تو سجدہ نہ کریگا (فرض ہے) نہ چھٹے گا

گر بہ پیمائی تو مسجد را بکوں
خواہ تو مقعد سے (ساری) مسجد کو ناپ ڈالے

مُنہیاں[۵۳] انگیختند از چپ و راست
انھوں نے دائیں بائیں جانب جاسوس دوڑائے

کاندریں ویرانہ بوبکرے کجاست
کہ اس ویرانہ میں کوئی ابوبکر کہاں ہے؟

بعد سہ روز و سہ شب کاشتافتند
تین دن اور تین راتوں کے بعد جبکہ وہ دوڑے پھرے

یک ابوبکرے نزارے یافتند
انھوں نے ایک لاغر ابوبکر پایا

رہگذر بود و بماندہ از مرض
مسافر تھا اور مرض کی وجہ سے پڑا رہ گیا تھا

در یکے گوشہ خرابے پُر حرض
مریض ہوکر، وہ بازو ویرانے کے ایک گوشہ میں

گوہرے اندر خرابہ بے عرض
ویرانہ میں موتی، بے سروسامان

خونِ دل بر رُخ فشاندہ از مرض
مرض کی وجہ سے دل کا خون چہرے پر چھڑکے ہوئے

خفتہ بود او در یکے کُنجے خراب
وہ ایک اُجڑے ہوئے گوشہ میں سو رہا تھا

چوں بدیدندش بگفتندش شتاب
جب انھوں نے اسکو دیکھا فوراً اُس سے کہا

---

۵۱ ابوبکر۔ خوارزم شاہ نے کہا امان کی شرط یہ ہے کہ اپنی آبادی میں سے ابوبکر نام کا کوئی شخص لاکر پیش کرو۔ بلکہ اگر یہ شرط پوری نہ کروگے تو میں سب کو قتل کرادونگا۔
پس جوال۔ ان لوگوں نے اشرفیوں کا بورا سامنے لاکر ڈال دیا کہ یہ قبول کر لیجئے اور ابوبکر نامی شخص کے لانے کی شرط ختم کر دیجئے۔

۵۲ کے بود۔ سبزوار میں کسی ابوبکر کی تلاش ایسی ہی ہے جیسے کوئی دریا میں خشک ڈھیلا تلاش کرے۔ مغاں۔ اُن لوگوں کو رفض کی وجہ سے کفار سے تعبیر کیا ہے۔
تا نیاری۔ اُن لوگوں کا اشرفیاں دے کر نجات حاصل کرنے کی تمنا ایسی ہی تھی جیسا کہ کوئی شخص نماز سے اس طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہے کہ پوری مسجد کو سرین سے ناپ ڈالے اور سجدہ نہ کرے۔

۵۳ مُنہیاں۔ ابوبکر نامی شخص کی تلاش میں سبزوار والوں نے جاسوس چھوڑ دیئے۔ نزار۔ لاغر۔ رہگذر۔ راہگذار، مسافر۔ حرض۔ بیماری۔ گوہر۔ وہ شخص ایک قیمتی جوہر تھا لیکن ان بے قدروں میں پڑا ہوا تھا۔ خفتہ بود۔ وہ ابوبکر نامی مسافر ایک ویرانہ میں پڑا سو رہا تھا۔

خیز کہ سلطاں تُرا طالب شدہ است
اُٹھ، کہ بادشاہ تیرا طالب ہوا ہے

گز تو خواہد شہر ما از قتل رَست
کیونکہ تیری وجہ سے ہمارا شہر قتل سے بچ جائیگا

گفت اگر پایم بُدے یا مقدمے
اُس نے کہا اگر میرے پاؤں یا چلنا ہوتا

خود براہے خود بمقصد رفتمے
اپنے راستہ پر اپنی منزل کو چل دیتا

اندریں دشمن کدہ کے ماندمے
میں اس دشمنستان میں کب ٹھہرتا؟

سوئے شہرِ دوستاں میراندمے
دوستوں کے شہر کی جانب سواری ہانک دیتا

تختۂ مُردہ کشاں بفراشتند
اُنھوں نے ایک تابوت اُٹھایا

بر کتفِ بوبکر را بر داشتند
کاندھے پر ابوبکر کو سوار کر لیا

جانبِ خوارزم شہ جملہ دواں
سب خوارزم شاہ کی جانب دوڑے

می کشیدند ش کہ تا بیند نشاں
وہ اُس کو لے جا رہے تھے تاکہ وہ نشانی دیکھے

سبزوار ست ایں جہان و مردِ حق
یہ دنیا سبزوار ہے اور مردِ خدا

اندریں جا ضائع ست و ممتحق
اُس میں رائیگاں اور نیست ہے

ہست آں خوارزم شہ یزداں جلیل
وہ خدائے بزرگ (بمنزلہ) خوارزم شاہ کے ہے

دل ہمی خواہد ازیں قوم ذلیل
اِس ذلیل قوم سے دل کا طالب ہے

گفت لا ینظر الیٰ تصویرکم
(رسولؐ نے) فرمایا ہے وہ (خدا) تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا ہے

فابتغوا ذا القلب فی تدبیرکم
پس اپنی تدبیر میں صاحبِ دل کو تلاش کرو

من ز صاحبدل کنم در تو نظر
میں صاحبِ دل کے ذریعہ تجھ میں نظر کرتا ہوں

نے بنقش و سجدہ و ایثارِ زر
نہ کہ صورت اور سجدہ اور عطائے زر کے ذریعہ

تو دلِ خود را چو دل پنداشتی
چونکہ تو نے اپنے دل کو، دل سمجھ لیا ہے

جستجوئے اہلِ دل بگذاشتی
(اسلئے) تو نے صاحبِ دل کی جستجو ترک کر دی ہے

دل کہ گر ہفصد چو ایں ہفت آسماں
(وہ) دل کہ اگر سات آسمان جیسے سات سو

اندر او آید شود یاوہ و نہاں
اُس میں آئیں تو وہ گم اور پوشیدہ ہو جائیں

ایں چنیں دل ریزہا را دل مگو
دل کے اِس طرح کے ریزوں کو دل نہ کہہ

سبزوار اندر ابوبکرے مجو
سبزوار کے اندر ابوبکر کو تلاش نہ کر

صاحبِ دل آئنۂ شش رُو بود
صاحبِ دل چھ رُخا آئینہ ہوتا ہے

حق درو از شش جہت ناظر شود
اللہ تعالیٰ چھ جانب سے اُسمیں دیکھتا ہے

ہر کہ اندر شش جہت دارد مقر
جو شش جہت میں ٹھکانا رکھتا ہو

کے کند در غیرِ حق یک دم نظر
وہ تھوڑی دیر کیلئے (بھی) ماسوی اللہ کو کب دیکھتا ہے

گر کند او از برائے او کند
اگر وہ (صاحبِ دل) نظر کرتا ہے اُس (اللہ) کیلئے کرتا ہے

در قبول آرد ہمو باشد سَنَد
اگر قبول کرتا ہے، تو وہی سہارا ہوتا ہے

شش جہت ۔ [illegible]

---

۵۱ گز تو ۔ بادشاہ شرط کے مطابق ہمیں معاف کر دیگا۔ بمقصد ۔ یعنی اگر چلنے کی طاقت ہوتی تو میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا تم لوگوں میں نہ ٹھہرتا ۔ اندریں ۔ رافضی حضرت ابوبکرؓ کے نام کے بھی دشمن ہوتے ہیں ۔ تختۂ مُردہ کشاں ۔ مُردے کے لے جانے کا تختہ ۔ سبزوار ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دنیا بھی سبزوار ہے اور یہاں بھی مردِ حق اسی طرح بے یار و مددگار رہتا ہے جس طرح ابوبکر نامی شخص سبزوار میں تھا ۔ یزداں ۔ اللہ تعالیٰ کی مثال خوارزم شاہ سمجھو اللہ تعالیٰ بھی دنیاداروں سے دل کا مطالبہ کرتا ہے۔

۵۲ گفت ۔ حدیث شریف ہے اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے وہ تمہارے دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے ۔ من ۔ اللہ تعالیٰ خلق اللہ کی طرف کسی صاحبِ دل کی وجہ سے توجہ فرماتا ہے۔ تو دل ۔ ہر شخص ایسا صاحبِ دل نہیں ہے جس کی وجہ سے مخلوقِ خدا کا منظورِ نظر بنے۔ دل ۔ اللہ تعالیٰ اس دل کو پسند کرتا ہے جس دل میں اسقدر وسعت ہو کہ سات آسمان جیسے سات سو اس میں سما جائیں۔

۵۳ ایں چنیں ۔ عام دلوں میں اس دل کی تلاش ایسی ہی ہے جیسا کہ سبزوار میں ابوبکر نامی کی تلاش ۔ صاحبدل ۔ صاحبِ دل

۵۴ ہر کہ ۔ جو شخص لامکانی بن چکا ہو وہ غیر اللہ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہے۔

چونکہ اُو حق را بُود در کل حال | برگزیدہ باشد اُو را ذوالجلال
کیونکہ وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے | اللہ تعالیٰ نے اس کو منتخب کر لیا ہے

ہیچ بے اُو حق بکس ندہد نوال | شمۂ گفتم من از صاحب وصال
اللہ تعالیٰ اسکے بغیر کسی کو عطا نہیں کرتا ہے | میں نے واصل بالحق کے بارے میں تھوڑا سا بتا دیا

موہبت ہا بر کف دستش نہد (۵۲) | وز کفش آں را بمرحوماں دہد
وہ اللہ تعالیٰ عطیہ اُسکے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھدیتا ہے | اُسکی ہتھیلی کے ذریعہ اُسکو قابلِ رحم لوگوں کو دیتا ہے

باکفش دریائے کل را اتصال | ہست بے چون و چگونہ پر کمال
اُس کی ہتھیلی کا دریائے کُل سے اتصال ہے | وہ ناقابلِ بیان کمالات سے پُر ہے

اتصالے کہ نگنجد در کلام | گفتنش تکلیف باشد والسلام
وہ اتصال جو بیان نہیں ہو سکتا ہے | اُس کا بیان کرنا تکلف ہے، والسلام

صد جوالِ زر بیاری اے غنی | حق بگوید دل بیار اے منحنی
اے مالدار! اگر تو سونے کے سَو بورے لائیگا | اللہ تعالیٰ، فرمائیگا اے کُبڑے! دل لا

گر ز تو راضی ست دل من راضیم (۵۳) | ور ز تو معرض بُود اعراضیم
اگر وہ دل تجھ سے راضی ہے میں بھی راضی ہوں | اگر وہ تجھ سے مُنہ پھیرنے والا ہے میں بھی مُنہ پھیرنیوالا ہوں

ننگرم در تو در آں دل بنگرم | تحفہ اُو را آر اے جاں بر درم
میں تجھے نہیں دیکھتا ہوں اُس کو دیکھتا ہوں | اے جان! میرے دربار اُس کا تحفہ لا

با تو او چونست ہستم من چناں | زیر پائے مادراں باشد جناں
تیرے ساتھ وہ جیسا ہے میں ویسا ہی ہوں | جنت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے

مادر و بابا و اصلِ خلق اوست | اے خنک آنکس کہ دل داند ز پوست
مخلوق کی ماں اور باپ اور اصل وہ ہے | وہ قابلِ مبارکباد ہے جس نے دل اور چھلکے میں امتیاز کر لیا

تو بگوئی نک دل آوردم بتو | گویدت ایں دل نیرزد یک تسو
تو کہے گا میں تیرے پاس یہ دل لایا ہوں | وہ تجھ سے کہدیگا کہ یہ دل ایک دمڑی کا بھی نہیں ہے

آں دلے آور کہ قطبِ عالم ست (۵۴) | جانِ جانِ جانِ آدم ست
وہ دل لا جو عالم کا قطب ہے | (وہ دل) آدم کی جان کی جان کا محبوب ہے

از برائے آں دلِ پُر نور و بر | ہست آں سلطانِ دلہا منتظر
اُس نیکی اور نور سے بھرے ہوئے دل کا | دلوں کا بادشاہ منتظر ہے

تو بگردی روزہا در سبزوار | آنچناں دل را نیابی زاعتبار
تو ایک مدت تک سبزوار میں گھومیگا | از روئے اعتبار تو ایسے دل کو نہ پائیگا

برگزیدہ۔ اگر صاحب دل کسی کی طرف نظر کرتا ہے تو خدا کیلئے کرتا ہے اور اُس کا ردّ و قبول سب خدا کیلئے ہوتا ہے۔ چونکہ۔ چونکہ اُس صاحب دل کے جملہ احوال خدا کیلئے ہوتے ہیں لہٰذا وہ خدا کا برگزیدہ ہوتا ہے۔ ہیچ۔ یہ صاحب دل خلیفۃ اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی جملہ عطا اُس کے واسطے سے ہوتی ہے۔

۵۲ موہبت۔ اللہ تعالیٰ نے جملہ عطیات اُسکے ہاتھوں مخلوق کو پہنچاتا ہے۔ دریائے کُل۔ حضرت حق تعالیٰ۔ اتصال۔ اُس کے ہاتھ کا خدا سے جو اتصال ہے اس کا بیان ممکن نہیں ہے۔ صد جوال۔ اللہ تعالیٰ سونے چاندی سے بے نیاز ہے وہ صرف دل کا اخلاص قبول کرتا ہے۔

۵۳ گر ز تو۔ جس سے وہ صاحب دل راضی ہوتا ہے اُس سے خدا راضی ہوتا ہے جس سے وہ ناراض ہوتا ہے خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے۔ مادرو۔ وہ صاحب دل ایسا ہی مربی ہے جس طرح ماں مربی ہوتی ہے۔ مادر۔ وہ صاحب دل مخلوق کیلئے بمنزلہ ماں باپ کے ہوتا ہے۔ تو بگوئی۔ تو خدا کے سامنے اپنا وہ دل پیش کرتا ہے جو ایک دمڑی کا بھی نہیں ہے۔

۵۴ قطبِ عالم۔ اس صاحب دل پر عالم کی بقا کا مدار ہوتا ہے اور یہی دل آدم کے جان کی جان کا محبوب ہے۔ از برائے۔ اللہ تعالیٰ ایسے دل کا منتظر ہے جو نور اور نیکی سے بھرا ہوا ہے۔ تو بگردی۔

پس دلِ پژمردۂ بوسیدہ جاں — بر سرِ تختہ نہی آں سو کشاں
تو ایک مرجھایا ہوا اور بوسیدہ روح والا دل — تابوت میں رکھ کر، وہاں لے جا

کہ دل آوردم ترا اے شہریار — بہ ازیں دل نبود اندر سبزوار
کہ اے شاہ! میں تیرے لئے دل لایا ہوں — سبزوار میں اس سے بہتر دل نہیں ہے

گویدت ایں گورخانہ است اے جری — کہ دلِ مردہ بدیں جا آوری
وہ تجھ سے کہیگا اے بیباک! یہ قبرستان ہے — کہ تو ایک مردہ دل یہاں لایا ہے

رو بیاور آں دلے کو شاہ خوست — کاماں سبزوارِ کون ازوست
جا، وہ دل لا جو شاہانہ مزاج رکھے — کیونکہ دنیا کے سبزوار کو اسی کی وجہ سے امن حاصل ہے

گوئی آں دل زیں جہاں پنہاں بود — زانکہ ظلمت با ضیا ضداں بود
تو کہے گا کہ وہ دل اس دنیا میں مفقود ہے — کیونکہ تاریکی اور نور دو ضد ہیں

دشمنیِ آں دل از روزِ الست — سبزوارِ طبع را میراثی است
ازل سے اس دل کے ساتھ دشمنی — (دنیاوی) طبیعت کی موروثی ہے

زانکہ او باز است دنیا شہرِ زاغ — دیدنِ ناجنس بر ناجنس داغ
کیونکہ وہ باز ہے، دنیا کووں کا شہر ہے — غیر جنس کو غیر جنس کا دیکھنا داغ ہے

ور کند نرمی نفاقے می کند — زاستمالت ارتفاقے می کند
اگر وہ نرمی کرتا ہے تو نفاق برتتا ہے — مائل کر کے، فائدہ حاصل کر رہا ہے

می کند آرے نہ از بہرِ نیاز — تا کہ ناصح کم کند نصحِ دراز
ہاں ہاں کہتا ہے نہ کہ نیازمندی سے — (بلکہ) اسلئے کہ ناصح دراز نصیحت نہ کرے

زانکہ ایں زاغِ خسِ مردار جو — صد ہزاراں مکر دارد تو بتو
کیونکہ یہ کمینہ کوا، مردار کا جویاں — تہ بہ تہ لاکھوں مکر رکھتا ہے

گر پذیرند آں نفاقش وا رہید — شد نفاقش عینِ صدقِ مستفید
اگر وہ اسکے نفاق کو قبول کرلیں تو اس نے نجات حاصل کرلی — اس کا فائدہ مند نفاق عین سچائی بن گیا

زانکہ آں صاحبدلِ با کرّ و فر — ہست در بازارِ ما معیوب خر
کیونکہ وہ شان وشوکت والا صاحب دل — ہمارے بازار میں عیب دار کو بھی خریدنے والا ہے

صاحبِ دل جو اگر بیجاں نۂ — جنسِ دل شو گر ضدِ سلطاں نۂ
صاحب دل کی تلاش کر اگر تو مردہ نہیں ہے — دل کا ہم جنس بنجا اگر تو شاہ کا مخالف نہیں ہے

آنکہ زرقِ او خوش آید مر ترا — او ولیِ تست نہ خاصۂ خدا
جس کا مکر تجھے اچھا لگتا ہے — وہ تیرا ولی ہے، نہ کہ مردِ خدا

دنیا میں ایسے دل کا ملنا ایسا ہی دشوار ہے جس طرح سبزوار میں ابوبکر نامی شخص کا ملنا۔ پس۔ اگر وہ دل تیرے پاس نہیں ہے تو اپنا مردہ دل ہی بارگاہ میں پیش کردے جس طرح سبزوار والوں نے بیمار اور لاغر ابوبکر نامی شخص کو پیش کر دیا تھا۔

گویدت۔ وہ شاہ تجھ سے کہیگا کہ یہاں کوئی قبرستان ہے کہ تو مردہ دل کو یہاں لایا ہے۔ رو۔ جا اور وہ دل لا جس کی وجہ سے عالم کا بقا ہے۔ گوئی۔ تو اس کے جواب میں کہنا کہ دنیا تاریکی ہے اور وہ دل نور ہے تاریکی میں نور کہاں ہے۔ دشمنی۔ ایسے دل سے دنیا کو روزِ ازل سے دشمنی ہے۔

زانکہ۔ وہ دل باز ہے اور دنیا جہانِ زاغ ہے کوئی اپنے ناجنس کو دیکھنا پسند نہیں کرتا ہے۔ ور کند۔ اگر کوئی دنیادار ایسے صاحب دل کے ساتھ نرمی برتتا ہے تو وہ منافقت پر مبنی ہوتی ہے یا اس سے کسی فائدہ کا امیدوار ہوتا ہے۔ می کند۔ اگر دنیادار ایسے صاحبِ دل کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے تو محض اسلئے کہ وہ اسکو زیادہ ...

نصیحت نہ کرے۔ آنکہ۔ [illegible]

گر پذیرد۔ بہت سے لوگ منافقانہ حاضر ہوئے ہیں اور مومن کامل بنگئے ہیں۔ معیوب خر۔ صاحب دل اپنی شان وشوکت کی وجہ سے عیبدار کا بھی خریدار بن جاتا ہے۔ صاحبِ دل۔ جب تجھے یہ معلوم ہوگیا کہ صاحبِ دل معیوب کو بھی خرید لیتا ہے

هرکه او بر خوی و بر طبع توزیست	پیشِ طبع تو ولی ست و نبی ست
ہر وہ جو تیری عادت اور مزاج کے مطابق زندگی گذارتا ہے	تیرے نزدیک وہ ولی ہے اور نبی ہے
رَو ہوا بگذار تا بوی خدا	در مشامت میر سد اے کدخدا
جا نفسانیت کو چھوڑ، تاکہ خدائی خوشبو	تیری ناک میں پہنچے اے صاحب خانہ!
رَو ہوا بگذار تا خوبت شود	واں مشامِ عنبریں بویت شود
جا، نفسانیت کو چھوڑ، تاکہ تیری بھلائی ہو	اور تیرا دماغ عنبر کو سونگھنے والا بن جائے
از ہوا رانی دماغت فاسدست	مشک و عنبر پیشِ مغزت کاسدست
نفسانیت سے تیرا دماغ خراب ہے	تیرے دماغ کیلئے مشک اور عنبر بے قدر ہے
عاشقی تو بر نجاست ہمچو زاغ	بوئے مشکت می نگیرد در دماغ
تو کوّے کی طرح نجاست پر عاشق ہے	تیرے دماغ میں مشک کی خوشبو نہیں آتی ہے
حد ندارد ایں سخن و آہوی ما	میگریزد اندر آخر جا بجا
اس بات کی حد نہیں ہے اور ہمارا ہرن	اصطبل میں، جا بجا بھاگ رہا ہے

تو اب کسی صاحب دل کی تلاش کرے اگر تو خدا کا دشمن نہیں ہے۔ تو ترا جس کی مکاری تجھے پسند آئے وہ تیرا دوست ہے خدا کا دوست نہیں ہے۔

ہرکہ۔ تو اس اپنے جیسے نبی کی ولایت اور نبوت کے قائل ہوتا ہے۔ رَو۔ خواہش نفسانی کو ترک کر جب تو خدائی خوشبو سونگھ سکے گا اور تیرا دماغ عنبر کو سونگھ سکے گا۔ از ہوا رانی۔ اگر تو نفس کی خواہشات کو پورا کرتا رہے گا تو مشک و عنبر کو تو نہ پہچان سکیگا عاشقی۔ چونکہ تو نفسانی خواہش میں مبتلا ہے تو تیرا دماغ خدائی خوشبو سے ناآشنا

شرح

محمد الپ الغ خوارزم شاہ نے سبزوار پر فوج کشی کی (سبزوار رافضیوں کا شہر تھا) اسکی فوجوں نے باشندگان سبزوار کو تنگ کردیا اور انکو خوب قتل کیا۔ بالآخر انہوں نے اطاعت قبول کی اور امان مانگی اور کہاکہ آپ ہماری جان بخشی کیجیے اور ہمیں رعایا بنالیجیے جس قدر خراج وغیرہ آپ کو درکار ہو۔ ہم دینے کو تیار ہیں۔ اور ہر فصل میں اس سے کچھ زیادہ ہی دیں گے۔ کم نہ کریں گے۔ ہماری جانیں تو آپ ہی کی ہیں گو ہمارے پاس کچھ دنوں کے لیے امانت ہیں۔ خوارزم شاہ نے جواب دیا کہ تم مجھ سے اس وقت اپنی جانیں نہیں بچا سکتے۔ تاوقتیکہ تم ابوبکر کو میرے سامنے نہ لاؤ۔ اور جب تک تم مجھے ابوبکر نامی شخص اپنے شہر سے ہدیۃً نہ دوگے اس وقت تک میں تمہیں کھیتی کی طرح کاٹوں گا۔ نہ تم سے خراج لوں گا اور نہ تمہاری

خوشامد سنوں گا۔ اسکے بعد انہوں نے ایک جوالِ زر پیش کی اور کہا کہ یہ لے لیجئے۔ اور رافضیوں کے شہر سے ابوبکر نامی شخص نہ مانگئے پہلا سبزوار میں ابوبکر یا ندی میں خشک ڈھیلا کہیں مل سکتے ہیں اسکی سونے کو نا منظور کیا اور کہا کہ مجوسیو! جب تک تم ہمیں ابوبکر تحفہ میں نہ دوگے اس وقت ہمیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ میں بچہ نہیں کہ سونے چاندی کو دیکھ کر دنگ ہو جاؤں۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ یوں ہی اگر تو مسجد کو سُرین سے ناپ .... دیگا تب بھی رہائی ناممکن ہے۔ تاوقتیکہ تو پورے طور پر منقاد نہ ہو جائے۔ پس تو انقیاد کامل حاصل کر۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! کہ انہوں نے مجبور ہو کر ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ تلاش کرو۔ کہیں ابوبکر نام کوئی شخص ہے یا نہیں۔ آخر تین رات اور تین دن کی کوشش کے بعد انکو ایک دبلا پتلا ابوبکر مل گیا وہ بے چارہ مسافر اور بیمار تھا اور بیماری کے سبب ایک ویرانہ کے گوشہ میں پڑا تھا۔ اس ویرانہ میں وہ ایک موتی مگر بے سر و سامان تھا اور بیماری کے سبب خون دل چہرہ پر بہہ رہا تھا۔ اور ایک گوشہ میں سو رہا تھا۔ انہوں نے پہنچکر اس سے کہا کہ جلد چلو تم کو بادشاہ سلامت بلاتے ہیں۔ تم سے ہمارے شہر کو امان مل جاوے گی اور وہ قتل سے بچ جائیگا۔ اس نے کہا کہ اگر میرے پاؤں ہوتے یا میں چل سکتا۔ تو اپنی راہ پر اپنے مقصد ہی کی طرف نہ چلتا۔ اس دشمن کدہ و دفن گڑھ میں کیوں پڑتا۔ میں اپنے دوستوں کے شہر میں نہ جاتا۔ یہ جواب سُنکر وہ گئے اور مردے ڈھونے کا تختہ لائے اور اسکو کندھوں پر رکھ کر چلے وہ اسے خوارزم شاہ کی طرف لئے جا رہے تھے۔ تاکہ وہ دیکھ لے کہ میاں ابوبکر ہے یہ تو وہ قصہ تھا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا۔ اب اسکے مناسب

مضمون ارشادی سنو سمجھو! کہ جہاں سبزوار اور اہل اللہ اس میں بے قدر اور تباہ اور خوار زم شاہ حق سبحانہٗ ہیں وہ لوگوں سے دل مانگتے

ہیں چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہٗ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ دل کو دیکھتے ہیں۔ پس تم کوشش کر کے دل حاصل کرو۔ اور اسکی صورت یہ ہے کہ صاحب دل کو تلاش کرو۔ کیونکہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ میں اصالۃً صاحب دل پر نظر عنایت کرتا ہوں اور اس کے توسط سے تم پر۔ میں تمہاری صورت اور تمہارے اعمال اور زر بخشی کو نہیں دیکھتا لہٰذا بدوں قلب خاشع حاصل کئے یہ اعمال کارآمد نہیں۔

[فائدہ] اس سے کسی کو عصاۃ مومنین کے اعمال بے سود ہونے کا شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ قلب خاشع کے درجات متفاوت ہیں اور اس کا کوئی نہ کوئی مرتبہ ہر مسلمان کو حاصل ہے پس علیٰ تفاوت مراتب خشوع ان کے اعمال کی مقبولیت ہوں گے)

اب مولانا اس کوتاہی کا منشا بیان فرماتے ہیں۔ جو لوگوں کو طلب اہل دل میں پیش آتی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ تم جو اہل دل کو طلب نہیں کرتے اسکی وجہ یہ ہے کہ تم اپنے دل کو دل سمجھے ہوئے ہو اور جانتے ہو کہ دل ہمارے پاس ہے لہٰذا اسکے حاصل کرنے کے لئے ہمیں صاحب دل کی تلاش کی ضرورت نہیں لیکن یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ دل وہ ہے کہ اگر سات سو آسمان ہی اس میں آجائیں تو اس میں گم ہو جائیں اور ان کا پتہ ہی نہ چلے۔ تم ان دل کے ٹکڑوں کو دل نہ کہو اور اس سبزوار (قلوب اہل دنیا) میں ابوبکر (دل) کو تلاش نہ کرو وہ ان میں نہ ملے گا۔

صاحب دل کی تو یہ شان ہے کہ وہ آئینہ شمس ہوتا ہے جس میں حق تعالےٰ ششش جہت سے ناظر ہوتا ہے (یعنی وہ سراسر مورد عنایات حق سبحانہٗ ہوتا ہے) اور جو کچھ بھی جہات ستہ عالم میں محصور ہے کسی پر بھی بدوں اس کے واسطہ کے

نظر نہیں کرتا۔ بلکہ جس کو وہ رد کرتا ہے اسکو اس کی خاطر رد کرتا ہے اور جس کو
قبول کرتا ہے اسی کی خاطر قبول کرتا ہے اور اس قبول کا مدار وہی ہوتا ہے
اور چونکہ صاحب دل ہر حالت میں خدا کا ہوتا ہے اسلئے وہ اسے یہ شرف توسط
فی الفیض عطا فرماتا ہے اور بدون اسکے توسط کے کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ یہ تو میں
نے اس صاحب وصال کی حالت تقرب کا ذرا سا بیان کیا ہے ورنہ اس کا تقرب
تو اس سے کہیں بالاتر ہے ـــــ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔
اب مضمون سابق سنو! اس کی یہ شان ہوتی ہے جیساکہ ہم نے بیان کیا ہے
کہ وہ واسطہ فی الفیض ہوتا ہے اسلئے گویا کہ حق سبحانہٗ اولا عطیہ کو اسکے ہاتھ میں
دیتے ہیں اور اسکے بعد ان کے واسطہ سے اوروں کو دیتے ہیں اور اس کی ہاتھ سے
حق سبحانہٗ کو اتصال کامل ہوتا ہے۔ مگر بے کیف اور بے کیف ہے اسلئے
کہا کہ جو اتصال احاطہ عقل سے باہر ہو اس کا بیان تکلیف مالایطاق اور ناممکن
ہے (فائدہ: اہل اللہ کے واسطہ فی الفیض ہونے سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ
خود متصرف فی العالم ہیں اور سب کچھ وہی دیتے ہیں جیساکہ اس زمانہ کے مبتدعین
کا خیال ہے۔
بلکہ یہ توسط ایسا ہے جیساکہ آدمی باغ لگاتا ہے اور اسکی حفاظت کے
لئے کانٹے لگاتا ہے اور ان کانٹوں کی یوں ہی تربیت کرتا ہے۔ جیسے درختوں کی
پس جس طرح مالک باغ باغ کی خاطر کانٹوں کی تربیت کرتا ہے یوں ہی حق سبحانہٗ
اہل اللہ کی خاطر عالم کی تربیت کرتے ہیں۔ اور جس طرح اس تربیت میں باغ
واسطہ ہیں۔ یوں ہی تربیت عالم میں اہل اللہ واسطہ ہیں فافھم ولا تزل)
خیر! یہ مضمون استطرادی تھا۔ اب مضمون سابق سنو! اور جانو کہ حق
سبحانہٗ تم سے دل مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل لاؤ۔ ایسی حالت میں اگر تم سو

جواب زر پیش کرو گے تو وہ یہی کہیں گے کہ ہم یہ نہیں چاہتے دل لاؤ اگر وہ تم سے راضی ہوگا تو میں بھی راضی ہوں گا۔ اور اگر وہ تم سے ناخوش ہوگا تو میں بھی ناخوش ہوں ہم تم کو نہیں دیکھتے بلکہ دل کو دیکھتے ہیں لہٰذا دل کو پیش کرو جو اس کا معاملہ تمہارے ساتھ ہوگا وہ ہی ہمارا معاملہ ہوگا کیونکہ ماؤں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے اور تمہاری ماں اور تمہارا باپ یعنی تمہارے اصل دل ہے لہٰذا ہماری جنت رضا کا ملنا موقوف ہے اسکی رضا پر۔

اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ ارے! مزہ یں ہے وہ شخص جو دل کو غیر دل سے تمیز کرے اور دل کی قدر کرے اور اسے خوش کرے۔ اور ایسا نہ کرے جب کہ لوگ غیر دل کو دل سمجھ جاتے ہیں اس سے فارغ ہوکر۔

مولانا پھر مضمون سابق بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کہ تم سے دل کا مطالبہ ہوتا ہے تو تم بزبان حال جواب دیتے ہو کہ یہ دل حاضر ہے اور اپنے دل کو پیش کرتے ہو اس پر حکم ہوتا ہے کہ یہ دل تو کوڑے کام کا بھی نہیں وہ دل لاؤ جو مدار عالم ہے اور انسان کا جزو اعلیٰ واشرف ہے (ہٰذا معنی قولہ جان جان جان جان آدم است وفسر بعض المحشین قولہ جان الاول بقولہ ذات حق وقولہ جان الثانی... بقولہ الروح الکلی قولہ جان الثالث بقولہ الروح الجزئی وقولہ جان الرابع بقولہ القوی الحیوانیہ فیکون معنی البیت ح ہات قلبا ہو القلب للعالم والالہ للقوی الحیوانیہ للروح الجزئی الذی ہو للروح الکلی للانسان وفسادہ اظہر من ان یخفی۔)

الغرض! حق سبحانہٗ اس پر نور وخبر دل کے منتظر ہیں۔ جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اور تم روز وشب اپنے سبزوار وجود میں اس دل کو ڈھونڈتے ہو مگر وہ دل نہیں ملتا پس تم اپنا مردہ اور بوسیدہ جان دل نعش پر رکھ کر لاتے ہو اور کہتے ہو کہ لیجئے میں دل لے آیا۔ اس سے بہتر دل میرے سبزوار وجود میں۔ نہیں مل سکتا۔ اس پر حکم

ہوتا ہے کہ کیا یہ تکیہ ہے جو دل مردہ یہاں لاتے ہو۔ جاؤ وہ دل لاؤ۔ جو طالب حق ہو۔ اور جو مدار ہو۔ امان سبزوار عالم کا اس پر تم عاجز ہوکر بزبان حال جواب دیتے ہو۔ کہ ایسا دل ہمارے عالم وجود میں نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ہمارا وجود مظلم ہے اور وہ دل روشن اور تاریک و روشن آپس میں متضاد ہیں والضدان لا یجتمعان۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان کا متضاد ہونا بالکل درست ہے کیونکہ سبزوار نفس یعنی دنیا ہمیشہ سے دل کا دشمن ہے کیونکہ وہ باز ہے اور دنیا کو دن کا شہر۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک غیر جنس کو دوسری غیر جنس کا دیکھنا ناگوار ہوتا ہے۔ پس اے اہلِ نفس اور دنیا دار دل کو کہیں پسند نہیں کر سکتے۔ اگر کہیں اہل دنیا اہل دل سے نرمی برتتے ہیں تو وہ نرمی منافقانہ ہوتی ہے۔ اور اس خوشامد سے وہ ایک خاص فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی چونکہ یہ مُردار خوار اور ذلیل کوّے اہل دنیا ہزاروں مکر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اسلئے وہ نرمی اسلئے کرتے ہیں تاکہ ناصح نصیحت کم کرے۔ ورنہ وہ براہِ نیاز ایسا نہیں کرتے۔ پس اگر یہ حضرات ان لوگوں کو با ایں ہمہ نفاق قبول فرما لیتے ہیں۔ تو وہ اس نفاق سے نجات پا جاتے ہیں اور طالب صادق ہوجاتے ہیں اور ان کا نفاق خلوص سے بدل جاتا ہے ورنہ منافق کے منافق رہتے ہیں اور با ایں ہمہ نفاق ان حضرات کا قبول فرمالینا کچھ بعید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حضرات بڑے کریم النفس ہیں۔ اور اس بازار دنیا میں عیب دار چیزوں کو خرید لیتے ہیں۔ یعنی ناقص کو قبول فرما لیتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر تم مردہ نہیں ہو اور حس رکھتے ہو تو صاحبِ دل کو تلاش کرو۔ اور اگر تم حق سبحانہ کے دشمن نہیں ہو تو ہم جنس دل بنو اور تضاد کو چھوڑو ہم تمہیں یہ بھی بتلاتے دیتے ہیں کہ جس کا مکر تمہیں پسند ہو یعنی جس کے افعال و اقوال تمہاری مرضی کے موافق ہوں۔ وہ ولی اللہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے نزدیک ولی ہے کیونکہ تمہاری

حالت یہ ہے کہ جو شخص تمہاری مرضی کے موافق کام کرے تمہارے نزدیک وہی ولی ہے اور وہی نبی... مگر واقع میں ایسا نہیں ہے پس تم دھوکا نہ کھانا اور غیر ولی.. کو ولی نہ سمجھ لینا۔ اگر تمہیں حقیقی ولی کی ضرورت ہے تو اس کے پہچاننے کا طریق یہ ہے کہ خواہش نفسانی کو چھوڑو۔ تاکہ تمہارے دماغ میں بوئے خدا پہنچ سکے اور تم حقیقی اہل اللہ کو پہچان سکو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ ہوائے نفسانی کو چھوڑو تاکہ تمہیں اِس بُو کے سونگھنے کی عادت ہو۔ اور وہ بوئے عنبریں تمہاری خوشبو ہو۔ جسے تم سونگھو۔ خواہش نفسانی نے تمہارے دماغ کی تجویز کو خراب کر دیا ہے اسلئے تمہارے دماغ کے نزدیک مُشک و عنبر (دینداری) خراب ہوگئے ہیں۔ اور تم کوے کی طرح نجاست دنیا پر عاشق ہو۔ اسلئے بوئے مُشک دین تمہارے دماغ کو بھلی نہیں معلوم ہوتی۔

پس تم ترک ہوا سے اپنے دماغ کا مزاج درست کرو۔ تاکہ تم بوئے خدا کو علیٰ ماہی علیہ محسوس کرسکو۔ اور اہل اللہ اور غیر اہل اللہ میں تمیز کر سکو۔ یہ گفتگو تو ختم نہیں ہوسکتی اور ہمارا آہو۔ جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں بے قرار ہے اور آخور میں ادھر ادھر گھبرایا پھرتا ہے۔ ہمیں اسکی خبر لینی چاہیئے۔

بقیہ قصۂ آہو درآخورِ خراں

گدھوں کے اصطبل میں ہرن کا بقیہ قصہ

روزہا آں آہوئے خوش ناف نر ۔۔۔ در شکنجہ بُود در اصطبلِ خر

وہ نر عمدہ ناف والا ہرن بہت دن تک ۔۔۔ گدھوں کے اصطبل میں قید میں تھا

مُضطرب در نزع چوں ماہی بخشک ۔۔۔ در یکے حُقّہ مُعذّب پشک و مشک

جاں کنی میں بے چین تھا جس طرح مچھلی خشکی پر ۔۔۔ ایک ڈبیہ میں مینگنی اور مُشک عذاب میں ہوتے ہیں

یک[1] خرش گفتے کہ ہاں ابو الوحوش ۔۔۔ طبعِ شاہاں داری و میراں خموش

ایک گدھا اس سے کہتا، ہاں وحشیوں کے ابا ۔۔۔ تو شاہوں اور سرداروں کا مزاج رکھتا ہے اور خاموش ہے

آں دگر تسخر زدے کز جزر و مد ۔۔۔ گوہر آور دست کے ارزاں دہد

دوسرا مذاق اڑاتا کہ دوماکے اتار چڑھاؤ سے ۔۔۔ موتی لے آیا ہے۔ سستا کہاں بیچتا ہے؟

ہے۔ خوش ناف۔ ہرن کی ناف میں سے مُشک نکلتا ہے خوشبو۔ سزا۔ قید۔ حُقّہ۔ ڈبیہ۔ پشک۔ مینگنی۔

[1] یک خرش۔ ایک گدھے نے ہرن سے بچے سے کہا کہ تیرا مزاج تو شاہانہ اور امیرانہ ہے اور تو بالکل خاموش ہے۔ آں دگر۔ دوسرا گدھا بولا اسکی بات تو موتی ہے یہ اس کو سستا کب فروخت کرسکتا ہے۔ واں خرے۔ ایک گدھا بولا اگر اس قدر نازک مزاجی ہے

واں خرے گفتے کہ با آں نازکی
ایک گدھا کہتا کہ اس نزاکت کے ہوتے ہوئے

بر سریرِ شاہ شو تو متکی
توشاہی تخت پر تکیہ لگا کر بیٹھ

واں خرے شد تخمہ وز خوردن بماند
ایک گدھے کو بدہضمی ہو گئی اور نہ کھا سکا

پس برسمِ دعوت آہو را بخواند
تو دعوت کے طریقے پر ہرن کو بلایا

سر چنیں کرد او کہ نے رَو اے فلاں
اس نے سر ہلایا کہ "نہیں" جا، اے فلاں!

اشتہایم نیست ہستم ناتواں
مجھے بھوک نہیں ہے، میں کمزور ہو گیا ہوں

گفت میدانم کہ نازے می کنی
اس نے کہا (ہاں) میں جانتا ہوں تو نخرے کر رہا ہے

یا ز ناموس احترازے می کنی
یا غرور کی وجہ سے پرہیز کر رہا ہے

گفت با او خور کہ ایں طعمہ تو است
اس نے اس سے کہا تو کھا یہ تیری خوراک ہے

کہ ازاں اجزائے تو زندہ نو است
کیونکہ اس سے تیرے اعضاء زندہ اور تازہ ہیں

من الیفِ مرغزارے بودہ ام
میں جنگل سے مانوس تھا

در ظلال و روضہا آسودہ ام
میں نے سایوں اور باغوں میں آرام کیا ہے

گر قضا افگند مارا در عذاب
اگر تقدیر نے ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیا ہے

کے رود آں خو و طبعِ مستطاب
وہ عمدہ عادت اور مزاج کہاں جاتا ہے؟

گر[۳] گدا گشتم گدا رو کے شوم
اگر میں فقیر ہو گیا ہوں بے آبرو کب بن سکتا ہوں؟

ور لباسم کہنہ گردد من نوم
اگر میرا لباس پرانا ہو جائے، میں نیا ہوں

سنبل و لالہ و سپرغم نیز ہم
سنبل اور لالہ اور نازبو بھی

با ہزاراں ناز و نخوت خوردہ ام
میں نے ہزاروں ناز و نخوت سے کھائے ہیں

گفت آرے لاف میزن لاف لاف
اس نے کہا ہاں گپیں مار، گپیں گپیں

در غریبی بس تواں گفتن گزاف
پردیس میں بہت سی بکواس کی جا سکتی ہے

گفت نافم خود گواہی میدہد
اس نے کہا میرا نافہ خود گواہی دے رہا ہے

منتے بر عود و عنبر می نہد
جو عود اور عنبر پر احسان جتاتا ہے

لیک[۵] آں را کہ شنود؟ صاحب مشام
لیکن اس کو کون سونگھتا ہے؟ صاحب دماغ

بر خرِ سرگیں پرست آں شد حرام
گوبر کے پجاری، گدھے کے لئے وہ حرام ہے

خر کمیزِ خر ببوید در طریق
گدھا، راستہ میں گدھے کا پیشاب سونگھتا ہے

مشک چوں عرضہ کنم بایں فریق
اس جماعت پر میں مشک کیسے پیش کروں؟

بہرِ ایں گفت آں نبی مستجیب
اسی لئے اس (حق کو) قبول کرنے والے نبی نے فرمایا ہے

رمز الاسلام فی الدنیا غریب
اشارہ اسلام دنیا میں پردیسی ہے۔

زانکہ[۷] خویشانش ہم ازوے می رمند
کیونکہ اس کے اپنے بھی اس سے بھاگتے ہیں

گرچہ با ذاتش ملائک ہمدم اند
اگرچہ ملائک اس کی ذات کے ساتھی ہیں

توشاہانہ تخت پر تکیہ لگا کر بیٹھ جا۔ واں خرے۔ ایک گدھے کو بدہضمی ہو گئی تھی اور اس کی گھاس بچ گئی تھی اس نے ہرن کے بچے کو گھاس کھانے کی دعوت دی۔

۲ سر چنیں۔ اس نے سر سے انکار کا اشارہ کیا۔ گفت۔ اس گدھے نے کہا کہ تو نخرے کر رہا ہے یا غرور کی وجہ سے پرہیز کر رہا ہے۔ طعمہ۔ خوراک۔ الیف۔ مانوس۔ مرغزار۔ جنگل۔ ظلال۔ ظل کی جمع سایہ۔ گر قضا۔ اگرچہ میں تقدیر خداوندی سے اس عذاب میں پھنس گیا ہوں لیکن وہ مزاج کہاں بدلتا ہے۔

۳ گر گدا۔ اگر میں اس وقت فقیر ہوں تو آبرو نہیں بیچ سکتا ہوں شریف انسان پرانے لباس میں بھی نیا رہتا ہے۔ سپرغم۔ ضیمران۔ نخوت۔ تکبر۔ گفت۔ پردیس میں چونکہ ناواقف لوگ ہوتے ہیں لہذا شیخی بگھارنے کا بہت موقع ہوتا ہے۔ گفت۔ ہرن بچہ نے کہا کہ میرا نافہ میری بڑائی پر گواہ ہے جو عود و عنبر سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

۵ لیک۔ لیکن اس نافہ کی خوشبو کون سونگھتا ہے؟ وہی سونگھتا ہے جو صاحب دماغ ہو، گوبر سونگھنے والا گدھا اسکو نہیں سونگھ سکتا ہے۔ خر۔ گدھا گدھے کا پیشاب سونگھتا ہے، گدھوں کو مشک کیسے سونگھایا جا سکتا ہے۔ بہر ایں۔ چونکہ صحیح خوشبو صاحب دماغ ہی سونگھ سکتا ہے اسی لیے آنحضور نے فرمایا ہے کہ اسلام نااہلوں کے لئے اجنبی ہے۔

۷ زانکہ۔ مسلمان سے اسکے

صورتش را جنس می بینند انام — لیک از وے می نیابند آں مشام

لوگ اُس کی صورت کو (اپنا) جنس سمجھتے ہیں — لیکن اُس سے وہ خوشبو حاصل نہیں کرتے ہیں

ہمچو شیرے درمیانِ نقشِ گاؤ — دور می بینش و لے اُو را مکاؤ

شیر جیسا ہے بیل صورت لوگوں میں — اُس کو دور سے دیکھ لے اُس کی کھود کرید نہ کر

ورنکاوی[۵۲] ترک گاوِ تن بگو — کہ بدرد گاو را آں شیر خو

اگر تو کرید کرتا ہے تو جسم کے بیل سے ہاتھ دھولے — کیونکہ وہ شیر طبیعت بیل کو پھاڑ ڈالے گا

طبعِ گاوی از سرت بیروں کند — خوئ حیوانی زحیواں بر کند

وہ تیرے سر میں سے بیل پن نکالدے گا — حیوان سے حیوانی خصلت دُور کر دے گا

گاو باشی شیر گردی نزد اُو — گر تو با گاوے خوشی شیری مجو

تو بیل تھا اُس کی صحبت میں شیر بنجائے گا — اگر تو بیل بن پر خوش ہے تو شیر پن نہ چاہ

تفسیر اِنِّیۡ اَرٰی سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡکُلُہُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ آں

"بیشک میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جن کو سات لاغر کھا رہی ہیں" کی تفسیر ان لاغر

گاوانِ لاغر را خدا بصفت شیرانِ گرسنہ آفریدہ بُود تا آں ہفت

گایوں کو خدانے بھوکے شیروں کی صفت پر پیدا فرمایا تھا یہاں تک کہ انھوں نے

گاوِ فربہ را باشتہا می خوردند اگرچہ آں خیالاتِ صُورِ گاواں

سات موٹی گایوں کو بھوک سے کھا لیا اگرچہ خواب کے آئینہ میں وہ خیالات

در آئینہ خواب بنمودند تو بمعنے اشیر بنگر

گایوں کی صورت میں نمودار ہوئے تو حقیقتاً شیر سمجھ

آں عزیز[۵۳] مصر میدید بخواب — چونکہ چشمِ غیب را شُد فتحِ باب

اُس شاہ مصر نے خواب میں دیکھا — چونکہ غیب کی نظر کا دروازہ کھل گیا

ہفت گاوِ فربۂ بس پرورے — خوردشاں آں ہفت گاوِ لاغرے

سات موٹی بہت پروردہ گائیں — اُن کو سات کمزور گایوں نے کھا لیا

در دروں شیراں بُدند آں لاغراں — ورنہ گاواں را نبُودندے خوراں

وہ کمزور حقیقتاً شیر تھیں — ورنہ گایوں کو کھانے والی نہ ہوتیں

بس بشر آمد بصورت مردِ کار — لیک روے شیر نیہاں مردخوار

بہت سے بشر ہیں جو کام کرنیوالے انسان کی صورت میں ہیں — لیکن انھیں انسان کو فنا کرنے والا شیر پوشیدہ ہے

مرد را خوش وا خورد فردش کند — صاف گردد دُردش از دردش کند

انسان کو کھا جاتا ہے، مرد کو یکتا بنا دیتا ہے — اُسکی تلچھٹ مصفّیٰ ہو جاتی ہے خواہ اُسکو تکلیف پہنچائے

رشتہ دار بھی بھاگتے ہیں اگرچہ ملائکہ اُس سے مانوس ہیں۔ ... صورتش۔ عام خواص کو اپنا جیسا ہی سمجھتے ہیں لیکن اُنکی خوشبو سے ناواقف ہیں۔ ہمچو شیرے۔ مردِ خدا عوام میں ایسا ہی ہے جیسا کہ بیلوں میں شیر ہے اسکو دور سے دیکھ لے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کر۔

[۵۲] ورنکاوی۔ اگر تو اُسکے احوال کی زیادہ جستجو کرتا ہے تو اپنے جسم سے ہاتھ دھولے۔ طبعِ گاوی۔ وہ تیرا بیل پن اور حیوانی خصلت کو مٹا دے گا۔ گاوَ۔ تو پہلے بیل تھا اب شیر بن جائے گا اگر تجھے اپنا بیل پن پسند ہے تو اُس شیر کی جستجو نہ کر۔ سَبۡعَ بَقَرٰتٍ۔ یہ اُس خواب کا قصہ ہے جس کی حضرت یوسفؑ نے تعبیر دی تھی اور فرمایا تھا کہ سات موٹی گایوں سے سات سال اچھی پیداوار کے اور سات دُبلی گایوں سے سات سال قحط کے مُراد ہیں۔ مولانا نے اپنے سابق بیان کے مطابق سات دُبلی گایوں سے وہ اولیاء اللہ مراد لئے ہیں جو بظاہر ضعیف ہوتے ہیں

[۵۳] عزیز۔ مصر کے بادشاہ کا لقب ہے۔ ہفت گاوَ۔ اُس نے خواب دیکھا کہ سات دُبلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھا گئیں۔ آں لاغراں۔ وہ سات دُبلی گائیں دراصل سات شیر تھے۔ بس بشر۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہی دُبلے نظر آتے ہیں لیکن وہ مُرید کی حیوانی صفات کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ صاف گردد۔ وہ حیوانی صفات اُس میں دُور ہو جاتی ہیں خواہ اُن کے ازالے سے اُس کو تکلیف پہنچے۔

زاں[۲۵] یکے دردا اُو ز جملہ درد ہا
اُس ایک درد سے وہ تمام دردوں سے
وار ہد پا بر نہد اُو بر سما
نجات پا جاتا ہے، وہ آسمان پر قدم رکھ دیتا ہے

شاہ گردد وا گذارد بندگی
بادشاہ بن جاتا ہے، غلامی چھوڑ دیتا ہے
یا بد اُو در مُردگی دل زندگی
وہ فنا میں، دل کی زندگی حاصل کر لیتا ہے

گاوِ تن قربانیِ شیرِ خداست
جسم کی گائے شیرِ خدا کی قربانی ہے
گر ترا با اُو سرِ صدق و صفاست
اگر تجھے اُس سے صدق و خلوص ہے

ور[۲۶] کشی مہماں ہُماں کونِ خری
اگر تو مہمان کشی کرے تو تو گدھے کی مقعد ہے
گاوِ تن را خواجہ تا کے پروری
اے خواجہ! تو جسم کی گائے کی کب تک پرورش کریگا؟

گاوِ تن مُردار گردد عاقبت
انجامِ کار جسم کی گائے مُردار ہو جائیگی
پس پشیمانی بری اے بد نیت
اے بدنیت! تو پھر شرمندہ ہوگا

۲۵ زاں یکے درد۔ وہ ایک درد ہے لیکن بہت سے دردوں سے نجات دلا دیتا ہے اور سفل انسان کو علوی بنا دیتا ہے۔ شاہ گردد۔ اب یہ معمولی انسان اُس شیخ کے تصرف سے شاہ بن جاتا ہے اور بدن کی مُردگی سے دل کی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ گاوِ تن۔ اگر تجھے شیخ سے عقیدت ہے تو مجاہدے کر کے جسم کی قربانی اُس کی خدمت میں پیش کر دے۔

شرح

الغرض! بہت دنوں تک وہ خوش ناف اور نر ہرن۔ گدھوں کے طویلہ میں مبتلائے عذاب رہا وہ جان کنی کے عذاب میں گرفتار اور یوں بے قرار رہتا۔ جیسے خشکی میں مچھلی۔ کیونکہ ناجنسوں کی صحبت تھی اور ایک ڈبہ میں مینگنی اور مشک کو بند کر کے تکلیف دی جا رہی تھی۔ یہ تو تکلیف کی اجمالی وجہ تھی۔ اب تفصیلی وجہ سُنو! کوئی گدھا تو اُسے کہتا تھا کہ آپ بادشاہوں اور امیروں کا سا مزاج رکھتے ہیں جو کہ کم بولتے ہیں اسلئے آپ بھی خاموش ہیں کوئی مذاق سے کہتا تھا کہ جناب آپ تو بحرِ زنجار سے موتی نکال کر لائے ہیں یوں سستے کیوں دیدیں۔ کوئی کہتا تھا کہ جناب اس نزاکت کے ساتھ تو آپ کو تختِ شاہی پر بیٹھنا زیبا ہے۔ ہمارا اصطبل آپکے قابل کب ہے۔ کوئی گدھا جب خوب سیر ہو کر کھا لیتا اور کھانا چھوڑ دیتا۔ تو دعوت کے طور پر ہرن کو بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ آج آپ میرے مہمان ہیں آپ میرے یہاں کھانا کھائیں اسکے جواب میں ہرن سر ہلا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے بھوک نہیں ہے کیونکہ میری طبیعت مضمحل ہے اس پر وہ جواب دیتا تھا کہ جناب آپ یا تو نخرے کرتے ہیں یا آپ ہماری دعوت کے قبول کرنے کو موجب ننگ سمجھتے ہیں اسلئے احتراز کرتے ہیں اِس پر

وہ کہتا تھا کہ آپ ہی کھائیں یہ آپ ہی کی غذا ہے کہ آپ کے اجزاء بدن اسی سے زندہ اور تازہ ہیں۔ میں تو گلزار سے مانوس ہوں کیونکہ میں باغوں کے سایہ میں آرام کئے ہوئے ہوں اگر بقضائے الٰہی میں اس مصیبت میں پھنس گیا ہوں تو میری پاکیزہ طبیعت سے وہ خصلت نہیں جاسکتی اور اگر میں فقیر ہوگیا ہوں تو گدا خصلت نہیں ہوا ہوں۔ اور اگر میرا لباس جسم پرانا اور خستہ ہوگیا ہے تو ———— میرا مزاج ہنوز ویسا ہی ہے ———— میں نے سنبل و لالہ اور سپرغم بہت ہی ناز و نخوت کے ساتھ کھائے ہیں پس مجھے تمہارا چارہ کیا پسند آسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ملتا تھا کہ بجا ہے خوب شیخیاں مار لیجئے! مسافرت میں بہت ہی شیخیاں ماری جاسکتی ہیں۔ کیونکہ کوئی جاننے والا تو ہوتا نہیں جو قلعی کھولے اسلئے جو چاہو کہہ لو۔ اس پر وہ کہتا تھا کہ یہ شیخیاں نہیں ہیں۔ بلکہ واقعی امر ہے۔ میری ناف خود گواہی دیتی ہے اور عود و عنبر پہ احسان رکھتی ہے۔

لیکن پھر سوچتا تھا کہ جو قوت شامہ درست رکھتا ہو وہ اسے سونگھ سکتا ہے۔ سرگیں پرست گدھوں پر تو اس کی بو حرام ہے گدھوں کا قاعدہ تو یہ ہے کہ دوسرے گدھوں کا رستہ میں پیشاب سونگھتے ہیں ان کے سامنے میں مشک کیونکر پیش کرسکتا ہوں اور وہ اسے کیا سمجھیں گے۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچا مسلمان دنیا میں کسمپرسی کی حالت میں ہیں کیونکہ باوجودیکہ فرشتے ان کے ہمدم ہیں مگر جو اپنے نہیں ———— یعنی اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ وہ بھی ان سے بھاگتے ہیں۔ غیروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ وہ لوگ ان کی صورت کو تو اپنا ہم جنس پاتے ہیں۔ مگر ان کے معنی کو مغائر پاتے ہیں اور بوئے جنسیت ان سے ان کو نہیں آتی۔ اسلئے ان سے وحشت کرتے ہیں۔

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ اہل اللہ صورت میں عوام کے مشابہ ہیں اور معنی میں جدا۔ اسلئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے گایوں میں شیر خُو گائے پس تم انہیں دُور ہی سے دیکھنا اور چھیڑنا مت اور اگر چھیڑو تو گاؤ تن سے ہاتھ دھو لو۔ کیونکہ وہ شیر خُو اس گائے کو پھاڑ ڈالیگا اور گائے کی خصلت یعنی خواب وخور وغیرہ میں انہماک کو تم سے دور کر دے گا اور تمہارا جانور پن چھڑا دیگا ـــــ اور اب تو تم گائے ہو۔ مگر پھر شیر ہو جاؤ گے ۔ پس اگر تم گائے ہی رہنا چاہتے ہو تو شیر کو مت ڈھونڈو۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم شہوات ولذات ہی کو پسند کرتے ہو تو اہل اللہ سے واسطہ نہ رکھو۔ کیونکہ ان کا تو کام تو یہ ہے کہ نفس کو ماریں اور شہوات ولذات نفسانیہ کو چھڑائیں۔ پس اگر تم کو شہوات کو چھوڑنا اور نفس کو مارنا مقصود ہے تو ان سے واسطہ رکھو ورنہ نہیں ۔ اب اس استبعاد کو دور کرتے ہیں ۔ جو صورت میں گائے اور خصلت میں شیر ہونے پر ہوتا ہے اور فرماتے ہیں ۔

کہ جب عزیز مصر کی چشم غیب بین کے لیے غیب کا دروازہ کھلا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ سات موٹی گائیں اور بہت فربہ گائیں ہیں اور ان کو سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ظاہر میں گائیں نہیں اور باطن میں شیر اور اگر باطن میں بھی گائیں ہوتیں تو گایوں کو نہ کھاتیں ۔ اس سے وہ استبعاد دور ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اہل اللہ صورتاً آدمی ہوتے ہیں مگر ان میں شیر چھپا ہوتا ہے جو آدمی کو یعنی اسکی خصائل ذمیمہ کو کھا جاتا ہے اور اسکو چٹ کر کے آدمی کو ان سے بالکل مجرّد اور خالی کر دیتا ہے اور اگر وہ اسے تکلیف فنا دیتا ہے تو اس طرح اسکی درد کو صاف اور خصائل ذمیمہ کو مُبدّل بہ خصائل حمیدہ بنا دیتا ہے اور آدمی اسکی اس ایک تکلیف فنا سے تمام تکالیف سے نجات پا جاتا ہے اور اس قدر عالی مرتبہ ہو جاتا ہے

کہ گویا آسمان پہ پاؤں رکھتا ہے اور بندگی نفس کو چھوڑ کر بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اور اس مردگی نفس سے دل زندگی پاتا ہے۔ پس اگر تم کو ان سے خلوص اور اعتقاد ہے تو گاؤ تن کو ان کے حوالہ کر دو۔ تاکہ وہ اسے کھا جائیں اور اگر تم مہمان کو بھوکا مارتے ہو اور ان شیروں کو ان کی غذا نہیں دیتے تو تم پاجی اور بے ہودہ ہو۔ آخر سوچو تو سہی اس گائے کو تم کب تک پالو گے آخر یہ مردار ہو گی اور اس کے بعد خواہ مخواہ تمہیں ندامت ہو گی۔ تم اسے ان شیروں (اہل اللہ) کے سپرد کیوں نہیں کر دیتے۔ تاکہ وہ اسے فنا کر دیں اور تمہیں فائدہ ہو۔

دربیان آنکہ کُشتن خلیل علیہ السّلام خروس را اشارت
اس کا بیان کہ (حضرت ابراہیم) خلیل اللہ کا مرغے کو مارنا

بقمع و قہر کدام صفت بُود از صفاتِ مذمومات مُہلکات
مرید کے باطن کی مہلک اور بُری عادات میں سے کونسی صفت کو زائل کرنے

در باطنِ مُرید
اور مغلوب کرنے کا اشارہ تھا

چند گوئی ہمچو زاغِ پُر فسوس ... اے خلیل از بہرِ چہ کُشتی خروس
مکر بھرے کوّے کی طرح کب تک بولے گا؟ ... اے خلیل اللہ، آپ نے مرغے کو کیوں مارا؟

حِکمتِ کُشتن چہ بود آخر بگو ... تا مُسبّح گردم آں را مُو بمُو
آخر بتائیے مارنے کی کیا حکمت تھی؟ ... تاکہ میں رونگٹے رونگٹے سے سُبحان اللہ کہوں

گفت فرماں، حکمتِ فرماں بگو ... تا مُہلّل گردم آں را من بجاں
انھوں نے فرمایا اس کا حکم، حکم کی حکمت بتائیے ... تاکہ میں اس پر دل و جان سے لا الٰہ الا اللہ پڑھوں

شہوتی ہست او و بس شہوت پرست ... زاں شرابِ زہرناکِ ژاژ مست
وہ شہوت والا اور شہوت پرست ہے ... اُس زہریلی بیہودہ شراب سے مست ہے

گر نہ بہرِ نسل بُودے اے وصی ... آدمؑ از ننگش بکردے خود خصی
اے وصی! اگر وہ نسل کے لئے ضروری نہ ہوتی ... حضرت آدمؑ اس کے عیب کی وجہ سے اپنے آپ کو خصی کر لیتے

گفت ابلیسِ لعیں دادار را ... دام زفتے خواہم ایں اشکار را
ملعون شیطان نے اللہ (تعالیٰ) سے کہا ... میں اس شکار کے لئے مضبوط جال چاہتا ہوں

سلہ وِرکُشی۔ اگر تو جسم کی قربانی پیش نہیں کرتا ہے تو گویا تو شیخ کی مہمانی ادا نہیں کرتا ہے۔ گاوِ تن۔ لامحالہ جسم فنا ہوگا تو پھر تو شرمندہ ہوگا۔ دربیان۔ حضرت ابراہیمؑ کا مرغ کو ذبح کرنا اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ انسان کو شہوت پرست نہ ہونا چاہیئے۔

سلہ خروس۔ مرغ۔ مسبّح۔ سُبحان اللہ کہنے والا۔ گفت۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میں نے خدائی حکم سے مرغ کو ذبح کیا۔ حِکمت۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ اس خدائی حکم کی کیا حکمت تھی بتلائیں۔ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والا۔ شہوتی۔ مرغ ایک شہوت پرست پرندہ ہے۔ گر نہ۔ چونکہ نسلِ انسانی کی بقا کے لئے شہوت ضروری ہے ورنہ حضرت آدمؑ اپنے آپ کو خصی بنا لیتے۔ دادار۔ منصف: اللہ تعالیٰ۔ دامِ انسان کو پھانسنے کے لئے مضبوط جال عنایت کر دے۔

زر و سیم و گلۂ اسپش نمود — کہ بدیں تانی خلائق را ربود
سونا اور چاندی اور گھوڑوں کا گلہ دکھایا — کہ تو اس سے لوگوں کو اچک سکے گا

گفت شاباش و ترش آویخت لنج — شد ترنجیدہ و ترش ہمچوں ترنج
بولا، آفریں ہے اور ترش روئی سے تھوتھنی نکالی — رنجیدہ اور لیموں کی طرح ترش ہو گیا

پس زر و گوہر ز معدنہائے خوش — کرد آں پس ماندہ را حق پیشکش
تو سونا اور جواہر عمدہ کانوں سے — اللہ (تعالیٰ) نے اس مردود کے آگے کر دیئے

گیر ایں دام دگر را اے لعیں — گفت زیں افزوں دہ اے نعم المعیں
اے ملعون! یہ دوسرا جال لے لے — بولا، اے عمدہ مددگار! اس سے بڑھ کر دے

چرب و شیریں و شرابات ثمیں — دادش و بس جامۂ ابریشمیں
چکنے میٹھے (کھانے) اور قیمتی مشروبات — اور بہت سے ریشمین کپڑے اسکو دیئے

گفت یارب بیش ازیں خواہم مدد — تا ببندم شاں بحبل من مسد
بولا، اے خدا! میں اس سے زیادہ مدد چاہتا ہوں — تاکہ میں ان کو مونج کی رسی میں باندھ لوں

تا کہ مستانت کہ نر و پُر دلند — مرد وار آں بندہا را بگسلند
تاکہ تیرے وہ مست جو نر اور بہادر ہیں — ان بندشوں کو مردانہ وار توڑ دیں

تا بدیں دام و رسنہائے ہوا — مرد تو گردد ز نامرداں جدا
تاکہ نفسانیت کے اس جال اور رسیوں کی وجہ سے — تیرے مرد نامردوں سے جدا ہو جائیں

دامِ دیگر خواہم اے سلطانِ تخت — دامِ مرد انداز حیلت ساز سخت
اے شاہِ تقدیر! میں دوسرا جال چاہتا ہوں — جو جال، انسان کو پچھاڑنے والا سخت حیلہ ساز ہو

خمر و چنگ آورد در پیش و نہاد — نیم خندہ زد بداں شد نیم شاد
(اللہ تعالیٰ) شراب اور ستار سامنے لایا اور رکھ دیا — وہ تھوڑا سا ہنسا اور اُن پر آدھا راضی ہو گیا

سوئے اضلالِ ازل پیغام کرد — کہ برآر از قعرِ بحرِ فتنہ گرد
اس نے ازلی (صفت) اضلال کو پیغام دیا — کہ فتنے کے سمندر کی گہرائی سے گرد نکال لا

نے یکے از بندگانت موسی است — پردہا در بحر او از گرد بست
کیا تیرے بندوں میں موسیٰ نہیں ہیں؟ — انھوں نے سمندر میں گرد کے پردے باندھ دیئے

آب از ہر سو عناں را واکشید — از تگِ دریا غبارے بر جہید
پانی نے ہر جانب سے اپنی باگ کھینچ لی — دریا کی گہرائی سے غبار اُٹھا

چونکہ خوبیِ زناں با او نمود — کہ ز قرار و صبرِ مرداں می ربود
جب عورتوں کا حسن اس کو دکھایا — جو مردوں کا صبر و قرار نے اڑتا ہے

زر و سیم۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو چاندی سونا دکھایا کہ یہ جال موجود ہے اس سے انسان کو تو پھانس سکتا ہے۔ گفت۔ شیطان اس جال کو ناکافی سمجھ کر رنجیدہ ہو گیا۔ پس۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو عمدہ قسم کا سونا اور جواہر دکھائے کہ یہ جال عمدہ ہے۔ از زیں افزوں۔ شیطان نے کہا میں اس سے زیادہ جال چاہتا ہوں۔

چرب۔ حضرت حق تعالیٰ نے اس کو عمدہ غذائیں اور فاخرہ لباس دیئے کہ ان سے انسانوں کو پھانس سکے۔ گفت یارب۔ اس شیطان نے پھر یہ کہا کہ اس سے زیادہ مضبوط جال چاہتا ہوں تاکہ ہر کس و ناکس اس کو نہ توڑ سکے اور مردان خدا غیروں سے ممتاز ہو جائیں۔

دامِ مرد انداز۔ شیطان نے کہا ایسا سخت جال دے جس میں بڑے سے بڑا بہادر پھنس جائے۔ خمر و چنگ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پھنسانے کیلئے شراب اور ستار شیطان کے سامنے رکھے تو کچھ راضی ہوا مسکرایا۔ سوئے اضلال۔ اس شیطان نے اللہ تعالیٰ کی صفت مضل کو پکارا کہ فتنے کے سمندر سے گرد اڑا دے۔ نے یکے چونکہ موسیٰ اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کے مظہر اتم تھے اور انھوں نے کمال دکھایا کہ دریا میں گرد کے پردے آویزاں کر دیئے تو مجھے بھی صفت مضل کا مظہر اتم ہونا چاہیے۔

چونکہ۔ اب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حسن کا فتنہ

پس زد انگشتک برقص اندر شتاب — کہ بدہ زوتر رسیدم بر مراد
تو اس نے چٹکی بجائی اور ناچنے لگا — کہ بہت جلد دیجئے، میں مقصد کو پہنچ گیا

چوں بدید آں چشمہائے پرخمار — کہ کند عقل و خرد را بیقرار
جب اُس نے وہ نشیلی آنکھیں دیکھیں — جو عقل اور سمجھ کو بے قرار بنا دیتی ہیں

واں صفائے عارضِ آں دلبراں — کہ بسوزد چوں سپند ایں دل برآں
ان معشوقوں کے رخساروں کی وہ صفائی — کہ جس پر یہ دل کالے دانے کی طرح جلتا ہے

روئے و خال و ابرو و لب چوں عقیق — گوئیا خور تافت از پردہ رقیق
چہرہ اور تل اور ابرو اور عقیق جیسے ہونٹ — گویا باریک پردے سے سورج چمک رہا ہے

قد چوں سروِ خراماں در چمن — خد ہمچوں یاسمین و نسترن
ایسا قد جیسا کہ چمن میں سرو خراماں — رخسارہ چنبیلی اور گلِ سیوتی جیسا

دید او آں غنج بر جست او سبک — چوں تجلی حق از پردہ تنک
اُس نے وہ ناز و ادا دیکھی، تو فوراً اچھلا — جو باریک پردے میں سے اللہ (تعالیٰ) کی تجلی کی طرح تھی

عالمے شد والہ و حیران و دنگ — زاں کرشمہ و زاں دلال نیک شنگ
ایک جہان سرگشتہ اور حیران اور دنگ ہو گیا — اس کرشمہ اور اس شوخ اچھے ناز سے

تفسیر لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر ہم نے اس کو کمتروں سے کمتر کی طرف لوٹا دیا اور جس کو ہم (زیادہ) عمر دیتے ہیں اس کو بناوٹ میں اوندھا کر دیتے ہیں کیا وہ نہیں سمجھتے کی تفسیر

آدم و جن و ملک ساجد شدہ — ہمچو آدم باز معزول آمدہ
(حسینوں کے سامنے) آدمی اور جن اور فرشتے سجدہ کر چکے — پھر وہ (حسین) آدم کی طرح معزول ہو گیا

گفت آوخ بعدِ ہستی نیستی — گفت جرمت اینکہ افزوں زیستی
اُس (حسین) نے کہا آہ وجود کے بعد فنا — اُس نے کہا، تیرا قصور یہ ہے کہ تو زیادہ زندہ رہا

جبرئیلش می کشاند مو کشاں — کہ بروں زیں خلد و ز جوقِ خوشاں
جبرئیل اُس (حسین) کو بال پکڑ کر کھینچ رہے ہیں — کہ اس جنت اور حسینوں کے جھرمٹ سے نکل جا

گفت بعد از عز ایں اذلال چیست — گفت آں دادست و اینت داوری
اُس نے کہا عزت کے بعد یہ ذلیل کرنا کیوں ہے؟ — (جبرئیل نے) کہا وہ عطا تھی اور یہ تیرے لئے انصاف ہے

جبرئیلا سجدہ میکردی بجاں — چوں کنوں میرانیم تو از جناں
اے جبرئیل! تو (دل و) جان سے سجدہ کرتا تھا — تو اب مجھے جنت سے کیوں نکالتا ہے

شیطان کو دھتا بتا دو چٹکیاں بجانے لگا اور خوشی سے اچھلنے لگا کہ اب میرا نشانہ پورا ہو گیا۔ چٹکی بجانا۔ بدید۔ جو تھے شعر تک شرط ہے پانچویں شعر میں برجست اس کی جزا ہے یعنی ان عورتوں کی ان چیزوں کو دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ چشمہائے پرخمار۔ نشیلی آنکھیں۔ خرد۔ عقل۔ خور۔ سورج۔ سپند۔ کالا دانہ جو نظر بد دفع کرنے کیلئے آگ پر ڈالا جاتا ہے اور وہ چٹختا ہے۔ عقیق۔ عقیق سرخ پتھر جس سے ہونٹوں کو تشبیہ دی جاتی ہے۔

۵ گویا۔ چہرے کا منظر یہ تھا جیسا کہ باریک پردے سے سورج نظر آئے۔

۶ عالمے۔ ان حسینوں کی تمام چیزوں نے دنیا کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ دلال۔ ناز و انداز۔ شنگ۔ شوخ۔ آدم۔ حسینوں کے زوال پذیر حسن کی یہ کیفیت ہے کہ ان کے شباب کے وقت تمام مخلوق انکو سجدہ کرتی ہے اور جب حسن ڈھل جانے کے بعد اس کی حالت حضرت آدم کی سی ہوتی ہے جو جنت سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ گفت۔ وہ حسین آہیں بھرتا ہے کہ ہائے کمال کے بعد زوال۔ جرمت۔ اس کو جواب ملتا ہے کہ زیادہ جینے کی سزا ہے۔ جبرئیلش۔ جس طرح حضرت آدم جنت سے نکلے تھے اسی طرح اس حسین کو جبرئیل حسینوں کے زمرے اور حسن کی دولت سے باہر نکال دیتے ہیں۔

۴۳ حلّہ می پرّد زمن در امتحاں — ہمچو برگ از نخل در فصلِ خزاں
(اس) آزمائش میں میری پوشاک ختم ہوتی جارہی ہے — جیساکہ خزاں کے موسم میں کھجور سے پتے

آں رُخے کہ تابِ اُو بُد ماہ وار — شُد بہ پیری ہمچو پُشتِ سوسمار
وہ رُخ کہ جو چمک میں چاند جیسا تھا — بڑھاپے میں وہ گوہ کی پُشت کی طرح ہوگیا

واں سر و آں فرقِ گش شعشع شُدہ — وقتِ پیری ناخوش و اصلع شُدہ
وہ سر اور وہ حسین مانگ چمکتی ہوئی — بڑھاپے کے وقت بدصورت اور گنجی ہوگئی

واں قدِ رقصانِ نازانِ چوں سناں — گشت در پیری دوتا ہمچو کماں
وہ نیزے جیسا رقص اور ناز کرتا ہوا قد — بڑھاپے میں کمان کی طرح دُہرا ہوگیا

برف گشتہ موی ہمچوں پرِّ زاغ — وز تشنّج رُوی گشتہ داغ داغ
کوّے کے پروں کی طرح کے بال برف بنگئے — اور جھرّیوں سے چہرہ داغ داغ ہوگیا

۵۱ رنگِ لالہ گشتہ رنگِ زعفراں — زورِ شیرش گشتہ چوں زہرہ زناں
لالہ کا رنگ زعفران بن گیا — اُس کی شیر جیسی طاقت عورتوں کے پتّے کیطرح ہوگئی

چشم چوں نرگس شُدہ پژمردہ — گرمیِ اعضا شُدہ افسردہ
نرگس جیسی آنکھ مرجھا گئی — اعضا کی گرمی ٹھنڈی ہوگئی

آنکہ مردے در بغل کردے بفن — می بگیرندش بغل وقتِ شُدن
جو فن کے ذریعہ بہادر کو بغل میں دبا لیتا تھا — چلنے کے وقت لوگ اُس کی بغلیں تھامتے ہیں

ایں خود آثارِ غم و پژمردگیست — ہر یکے زینہا رسولِ مُردگیست
یہ خود غم اور پژمردگی کے آثار ہیں — اِن میں سے ہرایک موت کا پیغامبر ہے

تفسیر اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ

"مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے نہ ختم ہونیوالا اجر ہے" کی تفسیر

۵۲ لیک اگر باشد قرینش نورِ حق — نیست از پیری ورا نقصان و دق
لیکن اگر اللہ (تعالیٰ) کا نور اُس کا ساتھی ہو — بڑھاپے سے اُس کو کوئی نقصان اور پریشانی نہیں ہے

سُستیِ او ہست چوں سُستیِ مست — کاندراں سُستیش رشکِ رستم ست
اُس کی سُستی مست کی سی سُستی ہے — کیونکہ اُس کی سُستی پر رُستم کو رشک ہے

گر بمیرد استخوانش غرقِ ذوق — ذرہ ذرہ اش در شعاعِ نورِ شوق
اگر وہ مر جائے تو اس کی ہڈیاں ذوق میں غرق ہیں — اُس کا ذرہ ذرہ شوق کے نور کی شعاعوں میں ہے

۵۳ وانکہ نورش نیست باغِ بے ثمر — کہ خزانش می کُند زیر و زبر
جس کو نور حاصل نہیں ہے وہ بے پھل کا باغ ہے — اُس کو موسمِ خزاں تہ و بالا کر دیتا ہے

بعد از عز۔ وہ حسین جبرئیل سے کہتا ہے کہ اس عزت کے بعد یہ ذلت کیوں ہوئی۔ آں داد ست۔ جبرئیل جواب دیتے ہیں وہ حسن محض عطا تھی اب یہ ذلت انصاف کا تقاضا ہے۔ جبرئیلا۔ وہ حسین کہتا ہے کہ اے جبرئیل پہلے تو مجھے سجدے کرتا تھا اب تو حُسن کی جنت سے مجھے کیوں نکالتا ہے۔

۴۳ حلّہ۔ میں حُسن کے لباس سے ایسا ہی محروم ہوا جارہا ہوں جیساکہ درخت خزاں میں پتوں سے۔ نخل۔ عام درخت مراد ہے۔ سوسمار۔ گوہ جس کی کھال کھردری ہوتی ہے۔ فرق۔ سر کی مانگ۔ گش۔ خوش۔ شعشع شدہ۔ چمکیلی۔ اصلع۔ گنجا۔ سناں۔ بھالا۔ معشوق کے قد کو بھالے کی لکڑی سے تشبیہ۔

۵۱ لالہ۔ سُرخ پھول ہے۔ زعفران۔ زعفران کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ زہرہ زناں۔ عورت نازک ہوتی ہے۔ گرمی۔ بوڑھاپے میں حرارتِ غریزی گھٹ جاتی ہے۔ آنکہ۔ جو شخص بڑے بڑے پہلوانوں کو بغل میں دبا لیتا تھا اب اُس کی یہ حالت ہے کہ لوگ اُس کی بغل میں ہاتھ دے کر سہارا نہ دیں تو وہ چل بھی نہیں سکتا ہے۔ ایں۔ بڑھاپے کے آثار موت کا پیغام دیتے ہیں۔

۵۲ لیک۔ جس شخص کو نورِ حق حاصل ہوگیا ہو بڑھاپا اُس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ سُستی۔ ایسے انسان کے اعضاء کی سُستی مست کی سُستی کی طرح ہے جو رستم جیسے پہلوان کے لئے بھی باعثِ رشک ہے۔ گر بمیرد۔ ایسا انسان مرتا ہے تو اُس

گُل نماند خارہا ماند سیاہ — زرد و بے مغز آمدہ چوں تلِ کاہ

پھول ختم ہو جاتے ہیں کانٹے کالے پڑ جاتے ہیں — پیلا اور بغیر پھل کے ہو جاتا ہے جس طرح گھاس کا ڈھیر

تا چہ زلت کرد ایں باغ اے خدا — کہ ازو ایں حُلّہا گردد جدا

اے اللہ! اس باغ سے کیا غلطی ہوئی — کہ اُس کا یہ لباس جدا ہو گیا؟

خویشتن را دید و دیدِ خویشتن — زہرِ قتال است ہیں اے ممتحن

اُس نے اپنے آپ کو دیکھا، اور خود بینی — اے مصیبت کے مارے! قاتل زہر ہے

شاہدے کز عشقِ او عالم گریست — عالمش می راند از خود جرم چیست؟

وہ معشوق جس کے عشق میں دنیا روتی تھی — اُسکو دنیا اپنے پاس سے بھگاتی ہے، کیا خطا ہے؟

جرم[۵۱] آنکہ زیورِ عاریہ بست — کرد دعویٰ کایں حُلل ملکِ من ست

غلطی یہ ہے کہ اُس نے مانگا ہوا زیور پہنا — دعویٰ یہ کیا کہ یہ میرا لباس ہے

وا ستانیم آنکہ تا داند یقیں — خرمن آنِ ماست خوباں خوشہ چیں

میں واپس لے لیتا ہوں، تاکہ یقین آ جائے — کھلیان ہماری ملکیت ہے حسین اُسکے خوشہ چین ہیں

تا بداند کاں حُلل عاریہ بود — پرتوے بود آں زخورشیدِ وجود

تاکہ وہ جان جائے کہ وہ لباس مانگا ہوا تھا — وہ وجود کے سورج کا عکس تھا

آں جمال و قدرت و فضل و ہُنر — زآفتابِ حُسن کرد ایں سو سفر

اُس حسن اور طاقت اور فضل و ہنر نے — اس جانب حسن کے سورج سے سفر کیا تھا

باز می گردند چوں استارہا — نورِ آں خورشید ازیں دیوارہا

ستاروں کی طرح واپس ہو جاتے ہیں — اُن دیواروں سے سورج کے نور

پرتوِ خورشید شُد تا جایگاہ — ماند ہر دیوار تاریک و سیاہ

سورج کا عکس (اپنی) جگہ چلا گیا — ہر دیوار، کالی اور سیاہ رہ گئی

آنکہ کرد اُو در رُخِ خوبانت دنگ — نورِ خورشید ست از شیشہ سہ رنگ

وہ حسن، جس نے معشوقوں کے چہرے پر تجھے حیران کر دیا — وہ سہ رنگے شیشے سے، سورج کا نور ہے

شیشہائے[۵۲] رنگ رنگ آں نور را — می نماید ایں چنیں رنگیں بما

رنگ برنگ کے شیشے اُس نور کو — ہمیں ایسا رنگین دکھاتے ہیں

چوں نماند شیشہائے رنگ رنگ — نورِ بے رنگت کند آں گاہ دنگ

جب رنگ برنگ کے شیشے نہ رہیں گے — اُس وقت وہ بے رنگ نور تجھے حیران کر دیگا

خوی کُن بے شیشہ دیدن نور را — تا چو شیشہ بشکند نبود عمی

نور کو بغیر شیشہ کے دیکھنے کی عادت ڈال — تاکہ جب شیشہ ٹوٹ جائے تو اندھا پن نہ ہو

کی رگ رگ میں خدا سے ملنے کا شوق بھرا ہوا ہوتا ہے۔
۵۰ وآنکہ۔ جو شخص پاس نورِ خداوندی سے محروم ہے اُس کی مثال بے پھل کے باغ کی سی ہے جس کو خزاں تہ و بالا کر دیتی ہے۔ حُلل۔ ایسے باغ کا خزاں میں یہ حال ہوتا ہے کہ پھولوں کی جگہ سیاہ کانٹے لے لیتے ہیں اور تیلے کی گھاس کی طرح بے جان ہو جاتا ہے۔ تاچہ۔ اِس باغ کا کیا جرم ہے؟ خویشتن۔ اِس باغ میں خود بینی تھی جو بہت بڑا جرم ہے۔ شاہدے جس معشوق کے عشق میں عالم روتا تھا اب ہی عالم اُسکو اپنے پاس سے بھگاتا ہے اُس

۵۱ جرم۔ اُس کا جرم یہ ہے کہ یہ اُس حسن کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ واستانیم۔ ہم اُس حسن کو اس لئے واپس لے لیتے ہیں تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حسن دراصل ہماری ملکیت ہے اور دنیا کے حسین ہمارے خوشہ چین ہیں۔ تا بداند۔ تاکہ حسین یہ سمجھ جائے کہ یہ حسن کا لباس مانگا ہوا اور باری تعالیٰ کی ایک تجلی تھی۔ آں جمال۔ تمام خوبیاں اللہ کی ہیں کائنات اُس کا مظہر ہے۔ باز می گردند یہ تمام خوبیاں کائنات میں عارضی ہیں یہ پھر اپنے مرکز کی طرف واپس ہو جاتی ہیں۔ آنکہ کرد۔ کائنات میں اُن کا ظہور ایسا ہی ہے جیسے سہ رنگے آئینہ میں سے سورج کی روشنی نظر آئے۔

۵۲ شیشہائے جس طرح وہ نور ایک رنگ کا ہے اور مختلف شیشوں میں سے مختلف

قانعی با دانشِ آموختہ
تو نے سیکھی ہوئی سمجھ پر اکتفا کر لیا ہے

وز چراغِ غیر چشم افروختہ
اور دوسرے کے چراغ سے تو نے آنکھیں روشن کی ہیں

اُو چراغِ خویش بربا یدکہ تا
وہ اپنا چراغ لے جائے گا تاکہ

تو بدانی مستعیری نے فتی
تو جان لے کہ تو مانگا ہوا لینے والا ہے نہ کہ جوانمرد

گر تو کردی شکر و سعیِ مجتہد
اگر تو نے شکر کیا اور پوری کوشش

غم مخور کہ صد چناں بازت دہد
تو غم نہ کر وہ اس جیسے سینکڑوں (حسن) دیگا

ور نکردی شکر اکنوں خوں گری
اگر تو نے شکر ادا نہ کیا تو اب خون کے آنسو روئیگا

کہ شدست آں حسن از کافر بری
کیونکہ وہ حسن ایک ناشکرے سے چلا گیا ہے

اَمَّنَّا الکُفْرَانِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ
(اللہ تعالیٰ نے) کافروں کے اعمال کو رائیگاں کر دیا ہے

اُمَّةُ الْاِیْمَانِ اَصْلَحَ بَالَهُمْ
(اور) مومنوں کی جماعت کے اعمال کی اصلاح کر دی ہے

گم شُد از بے شکر خوبی و ہنر
ناشکرے سے اچھائی اور ہنر اس طرح گم ہوا

کہ دگر ہرگز نہ بیند زاں اثر
کہ وہ دوبارہ کبھی اس کا نشان نہ دیکھے گا

خویشی و بے خویشی و شکر و وداد
جمایت اور غیریت اور شکر اور عطا

رفت زانساں کہ نیارد شاں بیاد
اس طرح سے گئیں کہ وہ انکو یاد (بھی) نہ کرے گا

کہ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ اے کافراں
اے کافرو: اُن کے اعمال کو رائیگاں کر دیا ہے

جُستنِ کام ست از ہر کامراں
جستجو کرنا ہر (دنیادار) بامراد کا مقصد ہے

جز اہلِ شکر و اصحاب وفا
سوائے شکر گذاروں اور باوفا لوگوں کے

کہ مر ایشاں راست دولت در قفا
کیونکہ دولت اُن کے پیچھے ہے

دولتِ رفتہ کجا قوت دہد
گذری ہوئی دولت کب طاقت دیتی ہے؟

دولتِ آیندہ خاصیت دہد
آنیوالی دولت خاصیت دکھاتی ہے

قرض دہ زیں دولت اَقْرِضُوا
اس قرض دو کے سلسلہ میں تو اس کا قرض دے

تا کہ صد دولت بہ بینی پیش رُو
تاکہ تو اپنے سامنے سینکڑوں دولتیں دیکھے

اندکے زیں شرب کم کن بہر خویش
اس پینے میں سے کچھ کم کر دے

تا کہ حوضِ کوثرے یابی بہ پیش
تاکہ تو آئندہ حوضِ کوثر پائے

جرعہ بر خاکِ وفا آنکس کہ ریخت
جس شخص نے وفا کی زمین پر ایک گھونٹ بہایا

کے تواند صیدِ دولت زو گریخت
دولت کا شکار اس سے کہاں بھاگ سکتا ہے!

خوش کند دلشاں کہ اَصْلَحَ بَالَهُمْ
(اللہ تعالیٰ) انکا دل خوش کر دیگا کیونکہ انکے دل کی

رَدَّ مِنْ بَعْدِ التَّوٰی اَنْزَالَهُمْ
انکی مہمانی کے کھانے کو ختم ہو جانیکے بعد لوٹا دیا ہے

نظر آتا ہے اسی طرح اس کی صفات ہیں۔ چوں نماند۔ جب وہ مظاہر باقی نہیں رہتے تو صرف یکرنگا نور باقی رہ جاتا ہے جو خوئے کش۔ انسان کو صفات خداوندی کا بغیر مظاہر کے مشاہدہ کرنا چاہیئے تاکہ کائنات کی فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ اس نور کا مشاہدہ کر سکے تاقنعی۔ تو نے مظاہر کے ذریعہ اس کی صفات کے مشاہدہ کی عادت ڈال رکھی ہے۔

[3] او چراغ۔ حضرت حق تعالیٰ اپنی منصب حسن کو واپس لے لیتے ہیں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ

[4] ور نکردی۔ اگر حسن کے ازالہ پر تو کفر شروع کر دیگا تو پھر خون کے آنسو بہا۔ اور عوض شکر گذار کو ملتا ہے کافر کو نہیں ملتا۔ اُمَّۃُ الکُفْرَانِ۔ کافروں کے اعمال رائیگاں ہیں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دل کی اصلاح کر دی ہے۔ گم شُد۔ ناشکرے سے ہنر اور خوبی اس طرح زائل ہوتی ہے کہ پھر اس کا نشان نہیں ملتا ہے۔ خویشی۔ کافر میں سے اوصاف حسنہ اس طرح نابود ہو جاتے ہیں کہ اس کو یاد بھی نہیں آتے ہیں۔

[5] جز ز اہلِ شکر۔ دولتِ رفتہ اور دولتِ آئندہ صرف شکر گذاروں اور وفاداروں کا حصہ ہے۔ قرض دہ۔ قرآن پاک میں ہے اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو کے حکم پر عمل کر تاکہ تجھے بڑا اجر ملا۔ تا کہ

حسن تیرے پاس عارضی تھا مستعیر۔ مانگنے والا۔ گر تو کردی۔ اگر تو اس نعمت کے زوال پر بھی اللہ کا شکر ادا کریگا۔ تو وہ تجھے اس سے سینکڑوں گنا زیادہ حسن عطا کریگا۔

اے[1] اجل وے ترکِ غارت ساز دہ — ہر چہ بُردی زیں شکوراں باز دہ

اے موت ..... دیہات کو لوٹنے والے ترک! — ان شکر گزاروں کا جو کچھ تو نے چھینا ہے واپس دیدے

وادہد ایشاں نہ بیذیرند ہاں — زانکہ مُنعِم گشتہ اند از رخت جاں

وہ اگر واپس دیگی وہ اسے کو ہرگز قبول نہ کرینگے — کیونکہ روح کے سامان سے وہ مالدار بنگئے ہیں

صوفییم[2] خرقہا انداختیم — باز نستانیم چوں در باختیم

ہم صوفی ہیں اور ہم نے چیتھڑے اتار دیے ہیں — جبکہ ہم نے ان کو ہار دیا ہے ہم دوبارہ نہیں لیں گے

ما عوض دیدیم وانگہ چوں عوض — رفت از ما حاجت و حرص و غرض

ہم نے بدلہ پایا ہے اور پھر بدلہ بھی کیسا؟ — ہم سے ضرورت اور حرص اور غرض روانہ ہوگئی ہے

زآب شورِ مُہلکے بیروں شدیم — بر رحیق و چشمۂ کوثر زدیم

ہم مُہلک کھاری پانی سے باہر آگئے ہیں — شراب اور حوضِ کوثر پر مقیم ہو گئے ہیں

آنچہ کردی اے جہاں با دیگراں — بیوفائی و فن و نازِ گراں

اے دنیا! تو نے جو کچھ دوسروں کیساتھ برتی — بے وفائی اور چالاکی اور بھاری ناز

بر سرت ریزیم ما بہرِ خدا — کہ شہیدیم آمدہ اندر غزا

ہم خدا کے لئے، تیرے سر پر مارتے ہیں — کیونکہ ہم تو جہاد کے شہید ہیں

تا بدانی کہ خدائے پاک را — بندگاں ہستند پُر حملہ و مِرا

تاکہ تو جان لے، کہ خدائے پاک کے — حملہ اور جنگ سے پُر (بھی) بندے ہیں

سبلت[3] تزویرِ دنیا بر کنند — خیمہ را بر باروی نصرت زنند

دنیا کی مکاری کی مونچھیں اکھاڑ دیتے ہیں — مدد (خداوندی) کے قلعہ پر جھنڈا گاڑ دیتے ہیں

ایں شہیداں باز نو غازی شدند — ویں اسیراں باز بر نصرت زدند

یہ شہید از سر نو غازی بن گئے ہیں — یہ قیدی پھر مدد پر آمادہ ہیں

قفلِ مشکلہا ز لطفش حل شدہ — نفسِ کافر ناگہاں بسمل شدہ

اس کی مہربانی سے مشکلوں کا قفل کھل گیا ہے — کافر کا نفس اچانک تڑپنے لگا

ناامیدی رفتہ اُمید آمدہ — گشت مسجد ناگہاں ایں بتکدہ

مایوسی ختم ہوئی، اُمید پیدا ہو گئی — یہ بت خانہ، اچانک مسجد بن گیا

سر برآوردند باز از نیستی — کہ بہ بیں ما را اگر اکمہ نیستی

وہ عدم سے پھر موجود ہو گئے — ہمیں دیکھ لے تو اندھا (تو) نہیں ہے

تا بدانی در عدم خورشید ہاست — وانچہ اینجا آفتاب آنجا سُہاست

تاکہ تو سمجھ لے کہ عدم میں بہت سے سورج ہیں — جو یہاں سورج ہے وہاں (کا) ستارہ ہے

(انفاق سے) اپنی ضروریات کو کم کرکے دوسروں پر خرچ کرتا ہے تب آخرت میں اس کو بدلہ ملتا ہے۔ جزیہ۔ جو سخی دوسروں پر خرچ کرے گا دولت آخرت اس کے ہاتھ آئیگی۔ بخورش کنند۔ اللہ تعالیٰ بدلہ دیکر انکو خوش کردیگا اور جو کچھ انھوں نے خرچ کیا ہے اسکو بڑھا کر واپس کردیگا۔

[2] صوفییم وہ کہیں گے ہم صوفی ہیں ہم گدڑی لٹا چکے ہیں اب اس کو واپس نہیں لیں گے۔ ما عوض۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ بدلہ عنایت کردیا ہے جس کے بعد ہمیں دنیا کی حرص وحاجت نہیں رہی ہے۔ زآب شور۔ دنیاوی چیزیں بمنزلہ شور پانی کے ہیں اور آخرت کی نعمتیں چشمۂ کوثر ہیں۔ آنچہ کردی۔ یہ انسان دنیا کو کہہ دیتا ہے کہ ہم شہیدانِ راہِ خدا میں سے ہیں تیری جعلسازیوں کو تیرے سر پر مارتے ہیں۔ تابدانی۔ تاکہ یہ دنیا یہ سمجھ لے کہ خدا کے وہ بندے بھی ہیں جو دنیا کو پرکاہ سمجھتے ہیں۔

[3] سبلت۔ یہ مردانِ خدا دنیا کی مونچھیں اکھاڑ پھینکتے ہیں اور اللہ کی مدد کے قلعہ پر جھنڈا لہرا دیتے ہیں۔ ایں شہیداں۔ جو لوگ فنا کے بعد بقا کا درجہ حاصل کرلیتے ہیں وہ از سر نو زندہ ہوجاتے ہیں۔ قفل مشکلہا۔ ان کی جملہ مشکلات لطفِ خداوندی سے زندگی نصیب ہوگی۔ اکمہ۔ مادر زاد اندھا۔ تابدانی۔ عالم غیب میں ایسے سورج ہیں کہ دنیا کا سورج اُن کے مقابلہ میں سُہا ستارہ ہے۔

درعدم[۵۱] ہستی برادر چون بود | ضد اندر ضد چون مکنون بود
اے بھائی! عدم میں وجود کس طرح ہوتا ہے؟ | ضد، ضد میں کیسے پوشیدہ ہوتی ہے؟

یُخرِجُ الحَیَّ مِنَ المَیِّت بدان | کہ عدم آمد امیدِ عابدان
سمجھ لے وہ مُردے سے زندہ پیدا کرتا ہے | عدم میں عبادت گذاروں کی امید ہے

مردِ کارندہ کہ انبارش تہی ست | شاد و خوش نے بر امیدِ نیستی ست؟
وہ کاشتکار جس کا کھلیان خالی ہے | کیا وہ عدم کی امید پر خوش و خرم نہیں ہے؟

کہ بروید آں ز سوئے نیستی | فہم کن گر واقفِ معنیستی
کہ وہ عدم میں سے اُگ آئے گی | سمجھ لے، اگر تو حقیقت کا جاننے والا ہے

دمبدم[۵۲] از نیستی تو منتظر | کہ بیابی فہم و ذوق آرام و بِر
تو ہر وقت عدم کا منتظر رہ | تاکہ تو آرام اور نیکی کا ذوق اور فہم حاصل کرے

نیست دستوری کشاد ایں راز را | ورنہ بغدادے کنم انجاز را
اِس راز کو کھولنے کی اجازت نہیں | ورنہ میں انجاز کو بغداد بنا دیتا

پس خزانہ صنعِ حق باشد عدم | کہ برآرد زو عطاہا دمبدم
اللہ تعالیٰ کی کارگری کا خزانہ عدم ہے | کیونکہ وہ اس سے پے در پے عطا برآمد کرتا ہے

مبدع[۵۳] آمد حق و مبدع آن بود | کہ برآرد فرع بے اصل و سند
اللہ (تعالیٰ) ایجاد کرنے والا ہے اور ایجاد کرنے والا وہ ہوتا ہے | جو بغیر جڑ اور اصل کے شاخ پیدا کردے
کرنے والا یعنی معدوم کو موجود بنانے والا ۱۱

کھل جاتی ہیں انسان کا نفس بسمل ہو جاتا ہے
۵۰ ناامیدی۔ فنا سے جو ناامیدی پیدا ہوئی تھی وہ سب امید سے بدل گئی اُن کے لئے یہ دنیا پاک جگہ ہو گئی۔ سرسبز اور تندرست۔ فنا کے بعد پھر اُن کو ابدی

۵۱ در عدم۔ نیستی میں ہستی مضمر کیسے ہو سکتی ہے؟ یعنی نیستی اور ہستی دو متضاد چیزیں ہیں ایک دوسرے میں چھپی ہوئی کیسے ہو سکتی ہیں؟ مکنون پوشیدہ۔ یخرج یہ سوال کا جواب ہے یہ ایسے ہی ممکن ہے جیسا کہ نطفہ سے زندہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عدم۔ تمام عابدوں کی امیدیں غیب اور عدم سے وابستہ ہیں۔ مرد کارندہ یعنی وہ کسان جس نے بیج خرچ کر کے اپنی کوٹھی خالی کر لی وہ اسی پیداوار پر خوش ہے جو.... فی الحال معدوم ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آجائے گی۔
۵۲ دمبدم۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ جو کچھ اس کے لئے پردۂ غیب میں ہے وہ اس کا منتظر ہے تاکہ وہ سمجھ لے کہ نیکی سے لامحالہ آرام میسر آئے گا۔ نیست۔ پردۂ غیب کی چیزوں کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ورنہ میں موجود پرستوں کو غیب یعنی آخرت پرست بنا دیتا۔ بغداد یعنی پردۂ غیب کی نعمتوں کو ماننے والوں کا شہر۔ انجاز۔ ترکستان کا ایک شہر تھا جس کا بادشاہ اور لوگ آتش پرست تھے۔ پس خزانہ۔ حضرت حق تعالیٰ کی کارگاہ عدم ہے جس سے وہ عطایا عنایت کرتا رہتا ہے۔
۵۳ مبتدع۔ بدع سے ایجاد

شرح

اچھا! تم کوّے کی طرح کب تک ایک ہی رٹ لگائے جاؤ گے اس گفتگو کو چھوڑو۔ اور پوچھو کہ اے خلیل! آپ نے مرغ کو کیوں ذبح کیا۔ [فائدہ: ولی محمد نے کہا ہے کہ ہمچو زاغ مصرع ثانی سے متعلق ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے خلیل! تم نے زاغ کی طرح خروس کو کیوں مارا۔ او الراجح عندی ما قلت و اللہ اعلم] بتلائیے تو سہی اس میں حکمت کیا تھی۔ تاکہ اس پر مطلع ہو کر میرا بال بال اس خدائے حکیم و علیم کی تسبیح کرے۔ جب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا

کہ میرے لحاظ سے تو حکمت یہ تھی کہ مجھے حکم ہوا تھا۔
اس پر یہ سوال ہوا کہ اچھا۔ اس حکم کی حکمت کیا تھی۔ تاکہ میں اس پر مطلع ہو کر
بجان و دل کہوں لاالہ الااللہ العلیم الحکیم۔ اس کا جواب یہ ملا کہ وہ شہوت ناک
اور بغایت شہوت پرست اور اس زہریلی اور بیہودہ شراب شہوت سے مست تھا
بنابریں وہ واجب القتل تھا۔ ان سوالات وجوابات حالیہ سے فارغ ہو کر مولانا شہوت
کی مذمت فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ واقعی یہ شہوت ایسی بے ہودہ چیز ہے کہ اگر
حق سبحانہٗ کو بقائے نسل مقصود نہ ہوتی۔ اور وہ اس کی برائی کو لوگوں سے محجوب نہ کر دیتا
تو اس کی شرم سے آدمی خصی ہو جاتا۔ اس کی برائی کا تم واقعہ ذیل سے ادراک کر سکتے
ہو۔ وہ واقعہ یہ ہے ـــــ شیطان نے حق سبحانہٗ سے درخواست کی کہ مجھے شکار
انسان کے لیے ایک زبردست جال کی ضرورت ہے لہٰذا عنایت فرمایا جائے اس
پر چاندی، سونا اور گھوڑے وغیرہ اسکو دکھلائے گئے اور کہا گیا کہ تم ان سے انکو
پھانس سکتے ہو۔ اسکے جواب میں اسنے کہا کہ واہ حضرت واہ! بھلا یہ ان سے
کب قابو میں آئے گا ـــــ غرضکہ وہ ناخوش ہوا اور غصکے مارے
لٹک گیا۔ اسکے بعد اعلیٰ درجہ کی کانوں کے جواہرات اسکے سامنے پیش کئے گئے
اور کہا گیا کہ ملعون لے یہ جال لے۔ اس پر بھی اس نے قناعت نہ کی اور کہا کہ اے
بہتر مددگار! یہ کافی نہیں ہے اور دے اس پر مرغن وشیریں ... غذائیں قیمتی شربت
اور ریشمی کپڑے عطا فرمائے۔ اسنے اس پر بس نہ کی اور کہا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ
اعانت کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں ان کو جال میں پھانس سکوں اور تاکہ تیرے عشاق
جو مرد اور بہادر ہیں اس جال کو توڑ نہ سکیں اور تاکہ تیرے مرد اس جال اور ان
خواہش نفسانی کی رسیوں کے ذریعہ سے نامردوں سے ممتاز ہو جائیں۔
پس میں ایک اور جال مانگتا ہوں مگر معمولی جال نہیں۔ بلکہ وہ جال جو مردوں

کو پچھاڑنے والا اور نہایت چالاک ہو - اس پر شراب اور پانی ... اس کے سامنے رکھے گئے اسے وہ مسکرایا اور کچھ خوش ہوا - اسکے بعد حق سبحانہ کی صفت اضلال سے درخواست کی - کہ ہنوز امتحان کی تکمیل نہیں ہوئی - آپ بحر امتحان سے گرد نکال دیں یعنی امتحان کو انتہا تک پہنچا دیں - آپ کی شان ارفع و اعلیٰ ہے دریا سے گرد تو آپکے بندے نکال سکتے ہیں -

دیکھئے ! آپکے بندوں میں ایک موسیٰ ہیں جنہوں نے دریا میں گرد کے پردے باندھ دیئے کہ پانی نے ہر طرف سے اپنی باگ کھینچ لی اور سمٹ گیا اور دریا سے گرد نکل آئی اور وہ خشک ہوگیا - پس آپ ضرور ایسا کیجئے - پس جبکہ حق سبحانہ نے اسکو عورتوں کا حسن دکھلایا جو مردوں کا صبر و سکون کھوئے دیتا ہے تو اس نے چٹکی بجائی اور وجد میں آکر ناچنے لگا اور کہا کہ ہاں اب میرا مقصد حاصل ہوا بس جلدی سے مجھے عنایت فرما دیجئے اور جب کہ اس نے ان نشیلی آنکھوں کو جو عقول کو بے تاب کئے دیتی ہیں - اور ان معشوقوں کے اس صفائے رخسار کو دیکھا جس پر عشاق کے دل سپند کی طرح چلتے ہیں اور ان کے چہرہ اور خال اور ابرو اور ان عقیق کی مانند لبوں کو دیکھا جو ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے پردۂ باریک سے آفتاب چمکتا ہو اور اس قد کو دیکھا جو اس سرو خراماں کے مشابہ تھا جو چمن میں موجود اور سرسبز و شاداب ہو اور اس رخسار کو دیکھا جو یاسمین و نسرین کے مشابہ تھا - اور اس ناز کو دیکھا جو ان میں خون چھلکتا تھا جیسے باریک پردہ سے تجلی حق نمودار ہو تو بھڑک گیا - کیونکہ وہ جانتا تھا شہوت سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں اور برقِ حسن سے زیادہ اس میگزین میں آگ لگانے والی دوسری شے نہیں -

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حسینوں کے کرشمہ اور ان کے نہایت شوخ ناز سے - ایک عالم سرگشتہ و حیران و دنگ ہے - حتیٰ کہ انسان، جن اور فرشتے مثل

ہاروت وماروت کی طرح بھی اسکے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ مگر وہ آدم علیہ السلام کی طرح ایک وقت میں اس عزت سے معزول ہوجاتا ہے ـــــ اس پر وہ کہتا ہے کہ ہائے افسوس! میرا حسن وجود کے بعد معدوم ہوگیا ہے اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ تمہارا جُرم یہ ہے کہ تم زیادہ جئے اس بنار پر یہ نعمت تم سے چھین لی گئی۔ جبریل اسکو بال پکڑکر کھینچتا ہے اور کہتا ہے کہ جنت حُسن سے اور حسینوں کی جماعت سے باہر نکل۔ اس پر وہ کہتا ہے کہ اے جبریل! تو تو مجھے صدق دل سے سجدہ کرتا تھا۔ اب تو مجھے جنت سے کیوں نکالتا ہے۔ دیکھ تو سہی میرے جسم سے حصہ حُسن یوں اُترا جاتا ہے جیسے فصلِ خزاں میں درخت سے پتے جھڑتے ہوں۔ [فائدہ: چونکہ حسین کو معزولی میں حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دی تھی۔ اسلئے لوازم یا مناسبات مشبہ بہ کو اسکے لیے ثابت کیا ہے۔ ورنہ نہ وہاں جنت ہے۔ نہ جبریل نہ سجدہ۔ نہ سوال نہ جواب۔ اور مقصود صرف اسکے حسن کا زوال اور اس پر اس کا اظہارِ غم ہے] القصہ وہ اس کا حسن زائل ہوتا ہے اور وہ روتا پیٹتا ہے۔ اس کا وہ رخسار جس کی چمک چاند کی چمک سے ملتی تھی۔ بڑھاپے سے گوہ کی پشت کی طرح ہوجاتا ہے اور اس کا سر اور وہ حسین مانگ جو سیاہ بالوں میں چمکتی تھی۔ بڑھاپے کے وقت ناپسندیدہ ہوجاتے ہیں اور سر کے بال جھڑ جاتے ہیں اور اس کا لچکدار اور سناں کی طرح حملہ آور قد بڑھاپے میں کمان کی طرح دوہرا ہوجاتا ہے اور اسکے بال جو کوّے کے پروں کی طرح کالے تھے برف کیطرح سفید ہوجاتے ہیں اور جھریاں پڑکر منہ خراب ہوجاتا ہے اور اس کی لالہ کی سی رنگت زعفران کی رنگت ہوجاتی ہے یعنی چہرہ زرد پڑجاتا ہے۔

اور اس کا شیر کا سا زور عورتوں کی کمزوری سے بدل جاتا ہے اور اس کی نرگس کی مانند آنکھ پژمردہ ہوجاتی ہے اور گرمی اعضا سرد ہوجاتی ہے اور جو کہ چالاکی

سے آدمی کو بغل میں دبا لیتا تھا۔ اب اسکی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ چلنے کے وقت اور لوگ اسے بغل میں لیتے ہیں۔

مگر یہ باتیں اصلی غم و پژمردگی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو اسکے آثار ہیں کیونکہ اصلی غم اور پژمردگی موت ہے اور یہ قاصد ہیں اِسکے ——— الحاصل بڑھاپا حسینوں کو بہت ضرر پہنچاتا ہے لیکن سے اگر بجائے جمال ظاہری کے کسی کو کمال باطنی حاصل ہو اور نورِ حق سبحانہ اس کے متصل ہو تو اسکو بڑھاپے سے کوئی ضرر اور کوئی تکلیف نہیں ہوتی گو وہ سست ہوتا ہے مگر اسکی سُستی ایسی ہوتی ہے جیسے مست کی سستی کہ وہ اس سُستی میں بھی رشکِ رستم ہوتا ہے اور گو اسکے اعضا میں ضعف ہوتا ہے مگر اس کے دل میں کمال قوت ہوتی ہے یہ اگر مرتا بھی ہے تو اسکی ہڈیاں ذوق و شوق میں ڈوبی ہوتی ہیں۔ اور اس کا ذرہ ذرہ نورِ شوق کی شعاعوں میں محو ہوتا ہے۔

برخلاف ان لوگوں کے جن کو نورِ حق سبحانہ حاصل نہیں ہے بلکہ وہ صرف حُسن ظاہری ہی رکھتے ہیں۔ ان کے بڑھاپے کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے باغ بے ثمر جس کو خزاں نے زیر وزبر کر دیا ہو اور جس میں گُل نہ رہا ہو۔ اور صرف کالے کانٹے رہ گئے ہوں اور وہ زرد اور بے مغز ہو۔ جیسے گھاس کے ڈھیر کی حالت دیکھ کر تم تعجب سے کہتے ہو کہ اے اللہ اس نے کیا قصور کیا تھا۔ جو یہ پوشاکِ حُسن اس باغ سے جلا کی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ وہ عجب میں گرفتار ہو گیا۔ اور عجب آدمی کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ اسلیے اس کی یہ گت بنی اور تم حیرت سے کہتے ہو کہ وہ معشوق جس کے عشق سے ایک عالم روتا تھا اَب کوئی اُس کو پاس نہیں لپکنے دیتا۔ آخر اس نے کیا قصور کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ اسنے مستعار زیور حسن پہن کر دعوائے مِلکیت کیا تھا اسلیے ہم اس کو

واپس لیتے ہیں ۔ تاکہ اُسے یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ خرمن حُسن ہماری ملک ہے ۔ اور حسین لوگ اس سے مستفید ہیں اور تاکہ وہ جان لے کہ یہ لباس مستعار تھا۔ اور ہم کہ خورشید وجود میں ہمارا پَرتَو تھا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ جمال اور فضل وکمال طاقت وقدرت جو تمہارے اندر ہے سب مستعار ہیں اور آفتاب حُسن سے عالم کی طرف آئے ہیں ۔ بالآخر یہ ستاروں کی طرح اپنے مُقر کی طرف لوٹ جائیں گے اور یہ دھوپ ان دیواروں سے آفتاب کی طرف لوٹ جائے گی۔ اور تم ان سے بے بہرہ ہو جاؤ گے۔

کیونکہ قاعدہ ہے کہ دھوپ جس وقت اپنے مرکز کی طرف لوٹ جاتی ہے ۔ تو دیواریں تاریک اور سیاہ رہ جاتی ہیں ۔ پس تم سمجھو کہ جس حُسن نے تم کو حیران کر دیا ہے اور جس پر تم عاشق ہو وہ نور خورشید ازلی ہے جو ان مختلف رنگ کے شیشوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور یہ مختلف الالوان شیشے اس نور کو ہم کو رنگین اور متکیف بکیف دکھلاتے ہیں ۔ مگر جب یہ شیشے نہ رہیں گے یعنی یہ اجسام فنا ہو جائیں گے اس وقت وہ تم کو بے رنگ اور بے کیف دکھلائی دیگا ۔ پس تم کو چاہیئے کہ اس نور کو بدوں شیشہ کے دیکھنے کی عادت ڈالو۔ اور اجسام کا واسطہ چھوڑ دو تاکہ جب یہ عینک ٹوٹ جائے اور تم مرجاؤ تو تم اندھے نہ ہو جاؤ۔ بلکہ پھر بھی اس نور کو دیکھ سکو ۔ تم علم تقلیدی پر قناعت کئے ہوئے ہو۔ اور کمالات مستعار پر خوش ہو۔

لیکن یاد رکھو! کہ ایک روز مالک کمالات اپنے کمالات واپس لیگا۔ تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہماری ملک نہ تھے بلکہ دوسرے کے ملک تھے اس وقت تمہاری دو حالتیں ہوں گی ۔ یا تو تم نے اس معطی کا شکر ادا کیا ہوگا۔ یا نہیں! اور اس میں جہد بلیغ کی ہوگی یا نہیں اگر تم نے شکر کیا ہے اور اس میں

جہد بلیغ کی ہے تو ہم کو ان کمالات کے زوال کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ ان سے سینکڑوں کمالات تمہیں عطا فرما دے گا۔

اور اگر تم نے اس کا شکر نہیں کیا ہے تو تم کو خون رونا چاہیئے کیونکہ وہ حسن کمال جو تم کو ان کمالات فانیہ کے معاوضہ میں ملتا ناشکر لوگوں سے بیزار ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ ہم ناشکر لوگوں کے اعمال کو کھو دیں گے۔ اور شاکرین جو کہ مومن ہیں ان کی حالت درست کریں گے۔ اسلئے ناشکر لوگوں سے خوبی اور کمالات ضائع ہو گئے ہیں۔ کہ پھر وہ ان کی صورت نہ دیکھیں گے۔ نہ تو یوں کہ وہ کمالات پھر انہیں واپس مل جائیں اور نہ یوں کہ ان کا معاوضہ انہیں مل جائے اور تعلق اور بے تعلقی اور شکر منعمانِ دنیوی اور دوستی مردم۔ غرض تمام اوصاف ان سے یوں رخصت ہو جائیں گے کہ پھر وہ ان کو یاد بھی نہ آسکے۔ کیونکہ اَضَلَّ اعمالھم سے مراد یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو۔ جو دنیا میں کامران اور اپنے مطلوبات سے ہم آغوش ہیں نامراد کر دیں گے۔ اور اس کی یہی صورت ہے کہ نہ تو ان کو وہی کمالات ملیں کیونکہ وہ بھی ان کا

ان کا مطلوب ہیں اور نہ ان سے بہتر ان کا معاوضہ ملے کیونکہ وہ بدرجۂ اولیٰ مطلوب سے غافل ہیں اسلیئے گویا کہ سو رہے ہیں اور جو آنکھ سوتی ہو وہ تو خیالات اور معدومات ہی کو دیکھتی ہے۔ پس جبکہ ہمارے خوابہا کے سبب حقیقت (عدم) ہماری نظر سے مخفی ہو گئی۔ اور خیال (عالم فانی) ظاہر ہو گیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم غلطی میں گرفتار ہو کر سرگشتہ و حیران ہو گئے۔ اور مقصود کو چھوڑ کر غیر مقصود میں پھنس گئے۔

(فائدہ: اس بیان میں مولانا نے عالم حسّی کو معدوم اور خیال قرار دیا ہے یہ بنا بر حقیقت نہیں ہے بلکہ تشبیہاً ہے یعنی یہ عالم وجود اپنے عدم و فرعیت بقا کی وجہ سے ایسا ہے جیسا حقیقت کے مقابلہ میں خیال اور موجود کے مقابلہ میں معدوم

پس اسکو معدوم اور خیال کہنا۔ عدم کی نسبت سے ہے نہ کہ واقع کے لحاظ سے چنانچہ اس کی طرف مولانا نے نظائر سے اشارہ ہی کردیا ہے۔ اور دریا کی نسبت سے کف کو معدوم اور خیال قرار دیا ہے اور ہوا کی نسبت سے خاک کو اور فکر کی نسبت سے اقوال کو۔ فتدبر]

اب مولانا تعجب سے فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے عدم (عالم وجود) کو کیسے مشاہد کردیا ہے اور حقیقت (عدم) کو کیسے نظروں سے محجوب کردیا ہے عجیب قدرت اسکی۔ اس کے بعد حق سبحانہ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں اے نظر بندی کرنیوالے کامل القدرت خدا کیا کہنا ہے تیری کمال قدرت کا۔ کہ تونے محجوبین کی نظر میں درد کو صاف اور اس ذلیل اور محقر عالم کو باوقعت بنادیا۔ اس کے بعد مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں ـــ

اور کہتے ہیں کہ دیکھو جادوگر چاندنی کو بجائے کپڑے کے سوداگر کے سامنے ناپ دیتے ہیں اور اس سے سونا نفع میں حاصل کرلیتے ہیں اور وہ اس طرح داؤوں پیچ سے ان سے روپیہ وصول کرلیتے ہیں اور ان کے ہاتھ سے روپیہ تو تو نکل جاتا ہے مگر کپڑا ندارد ہوتا ہے۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا۔ تو اب سمجھو! کہ دُنیا جادوگرنی ہے اور ہم تاجر۔ اور وہ ہمارے ہاتھ چاندنی کوناپ کر بجائے کپڑے کے بیچ رہی ہے۔ اور خواہشات ولذات کو جو فی الحقیقت بے حقیقت ہیں ہماری نظروں میں مؤقر اور قابل تحصیل بنا رہی ہے۔ یعنے وہ اپنا جادو کرکے زور سے ایک گز کپڑے کو چاندنی کے ذریعہ سے پانچسو گز بنا رہی ہے اور شہوات ولذات کو جو ایک درجہ میں مقصود ہی ہیں زندگی کا اصلی مقصد ثابت کررہی ہے اور تم سے تمہارا زر عمر چھین رہی ہے پس تم کو واضح ہو کہ جب یہ روپیہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور تم مرو گے اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہارا

زرعمر بھی ضائع ہوگیا اور کپڑا یعنی مقاصد دنیویہ بھی تمہارے قبضہ میں نہ رہے
اس وقت تمہیں بجز حسرت اور افسوس کے کچھ چارہ نہ ہوگا۔

اس لیے تم کو چاہیئے کہ اس جادو گرنی سے بچنے کے لئے حق سبحانہ کی جناب میں پناہ لو۔ اور کہو کہ اے اللہ! فریاد ہے ان جادوگروں اور ان کی گرہوں سے یہ منتر پھونک کر گرہیں لگاتے ہیں اور میرے حواس پر قبضہ کئے لیتے ہیں پس اے فریاد رس خدا میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں تو مجھے اس شکست سے بچالے لیکن یہ بھی نہیں کہ صرف یہ الفاظ زبان سے کہہ لو۔ کیونکہ محض الفاظ بہت کمزور ہیں اسلئے اثر نہیں کر سکتے بلکہ زبان فعل سے بھی یہ الفاظ کہو اور جو طریقہ عملی اس استعاذہ کا بتایا گیا ہے یعنی اتباع شریعت اور رضا جوئی حق سبحانہ اس کو بھی عمل میں لاؤ اس وقت تم کو اس جادو گرنی دنیا سے نجات ہو جائے گی۔ اور یہ تم کو نہ ٹھگ سکے گی ــــ دیکھو اعمال صالحہ کی بڑی ضرورت ہے کیونکہ دنیا میں تمہارے ساتھی تین ہیں۔ جن میں ایک وفادار ہے اور دو بے وفا ــــ اول تو مال ہے اور دوسرا دوست۔ یہ تو بے وفا ہیں اور تیسرا عمل صالح ہے یہ وفادار ہے کیونکہ مال تو مرنے کے بعد دروازہ تک ہی ساتھ نہیں آتا بلکہ پھونک نکلتے ہی قطع تعلق کر دیتا ہے۔ ہاں دوست آتا ہے لیکن وہ بھی صرف قبر تک۔ اور جب تمہیں موت آتی ہے اور تم قبر میں دفن ہوتے ہو تو وہ بزبان حال کہتا ہے کہ میں اس جگہ سے آگے تمہارا ساتھی نہیں ہوں۔ زیادہ سے زیادہ میں یہ کر سکتا ہوں کہ تمہاری قبر پر کچھ دیر ٹھہر جاؤں اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں! تمہارا عمل صالح تمہارا وفادار ساتھی ہے کہ وہ تمہاری قبر میں بھی تمہارے ساتھ جائے گا۔ پس تم اسکو اپنا معین بناؤ۔

اسی بنار پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ راہ موت کے

لیے عمل سے بڑھ کر وفادار کوئی ساتھی نہیں ہے پس اگر اعمال اچھے ہیں تو قبر میں تمہارے دوست اور معین و مددگار ہوں گے اور اگر بُرے ہیں تو تمہیں اذیت پہنچائیں گے۔ اسلئے تم کو اصلاح اعمال کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ تم ان کی مضرتوں سے مامون اور منافع سے منتفع ہو سکو۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اصلاح اعمال کا مقصود شرعی ہونا تو نص سے ثابت ہو گیا۔ اب سُنو! کہ اصلاحِ اعمال بدوں شیخ کے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عالم میں ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ بھی بدوں استاد کے نہیں آ سکتا۔ بلکہ ضرورت ہوتی ہے کہ اوّل استاد سے سیکھا جائے پھر مشق کی جائے تاکہ وہ ایک مدت کے بعد تم کو موت کے وقت تک فائدہ دے۔ جب ادنیٰ پیشہ کی یہ حالت ہے تو اصلاح اعمال کا طریقہ جو نہایت ہی مہتم بالشان کام ہے بدوں استاد کے کیسے آ سکتا ہے۔

بنا بریں تم کو چاہیئے کہ اصلاح اعمال کے طریقوں کو کریم النفس صالح شخص سے سیکھو۔ جو کہ اس کا اہل ہو۔ اور نا اہلوں کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دو۔ بلکہ موتی کو صدف میں تلاش کرو جو اس کا محل ہے اور غیر محل میں مت ڈھونڈو۔ علیٰ ھٰذا فن کو اہلِ فن سے سیکھو نہ کہ نا اہلوں سے۔ اور اگر تم کو خوش قسمتی سے اہل اللہ مِل جائیں جو علاوہ صاحب فن ہونے کے خیر خواہ بھی ہیں تو تم انصاف سے کام لو اور تعلّم کو ضروری سمجھ کر بے توقف ان سے تعلیم حاصل کرو اور بالکل عار نہ کرو۔ کیونکہ اگر کوئی دباغی کا کام کرے اور اس میں وہ کہنہ لباس پہن لے تو اس سے اسکی آبرو میں ذرا فرق نہ آئے گا۔ علیٰ ھٰذا۔ اگر لوہار اپنے کام کے وقت گدڑی پہن لے تو اسکی عزت مخلوق کی نظر میں کم نہ ہو گی۔ کیونکہ انہوں نے بضرورت ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی تعلم کے لیے اپنے کو ذلیل و خوار بناؤ گے تو اس سے تمہاری آبرو میں بھی فرق نہ آئے گا۔ کیونکہ تم بضرورت ایسا کر رہے ہو۔

پس تم تکبر کے لباس کو اپنے بدن سے اتار ڈالو۔ اور تعلم کے وقت تذلل کا لباس پہن لو ــــــــــ اب ہم تمہیں ایک اور بات بتلاتے ہیں وہ یہ کہ اگر کوئی علم سیکھے تو اس میں زیادہ دخل الفاظ کو ہے کہ الفاظ کے ذریعہ سے اسے مقصود سمجھایا جائے۔ اور اگر کوئی پیشہ سیکھے تو اس میں بہت بڑا دخل عمل کو ہے اور اسکی ضرورت ہے کہ اسے اس کام کی مشق کرائی جائے۔ مگر فقر کا طریق ان دونوں سے جدا ہے یہ صحبت و تعلق مرشد کامل سے حاصل ہوتا ہے نہ اس میں ہاتھ کام آتا ہے نہ زبان۔ اور ہاتھ اور زبان کو جو کچھ بھی دخل ہے وہ استعداد حصول فقر کے لیے ہے کہ اس سے قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اور خود فقر ان سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ علم فقر کی حقیقت تو انوار الہیہ ہیں جو اہل اللہ کی ارواح میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق کتابوں اور گفتار سے نہیں ہے اور عمل سے تعلق نہ ہوتا تو محتاج بیان ہی نہیں۔ پس اس علم جان کو تو ایک روح دوسری روح سے بلا توسط حاصل کر سکتی ہے۔ کتابوں اور گفتگو سے نہیں حاصل کر سکتی۔ کیونکہ الفاظ اور نقوش کتابیہ خود اس نور کو روح تک پہنچانے سے قاصر ہیں۔

مثلاً آفتاب کا عکس ایک آئینہ میں موجود ہے اُس عکس کو دوسرے آئینہ تک پہنچا دے۔ نہ یہ طاقت تحریر میں ہے نہ تقریر میں۔ بلکہ اسکی صورت صرف یہ ہے کہ ایک آئینہ دوسرے آئینہ کے مقابل ہو۔ اور اسکے براہ راست وہ نور حاصل کرے ــــ اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کسی سالک کو بذریعہ تقریر یا تحریر کے کچھ اسرار علم فقر کے معلوم ہو جائیں تو اسکو حقیقت اس علم کی حاصل نہیں ہے۔ تا وقتیکہ نور الہیہ .... سینہ کو نہ کھول دے

اب سمجھو! کہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۔

مگر ہر کامران کے عموم سے اہل وفا- اور شاکرین مستثنیٰ ہیں کیونکہ دولت مقصود ان سے وابستہ ہے اور وہ اسکی محروم نہ ہوں گے ـــــــ اسی سے تم سمجھو کہ دولت زائد اور کمالات دنیویہ فانیہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے - ہاں دولت آئندہ جو بصورت شکر ملنے والے ہیں وہ اثر رکھتی ہے اور نفع پہنچاتی ہے پس تم اس دولت کمالات دنیویہ قدرت واختیار- فضل وکمال وغیرہ کو خدا کی راہ میں صرف کرو- اور اقرضُوا اللہَ قَرْضًا حَسَنًا کی تعمیل میں حق سبحانہٗ کو قرض دو- تاکہ تم ایسی سینکڑوں دولتوں کو اپنے سامنے موجود پاؤ- اور اسی شراب دولت کمالات سے خود کم نفع حاصل کرو اور زیادہ حصہ اس کا خدا کی راہ میں صرف کرو- تاکہ اسکے معاوضہ میں حوض کوثر کمالات اخرویہ کو تم اپنے سامنے موجود پاؤ- کیونکہ جو لوگ خاک وفا پر اس شراب کا گھونٹ ڈالتے ہیں یعنی وفاداری کرتے ہیں- اور اس طرح اس شراب کو وفا سے متلبس کرتے ہیں دولت اخرویہ ان سے بچ کر نہیں جا سکتی وہ اسے ضرور حاصل کریں گے اور خدا اسکے دل کو حسب وعدہ خوش کریگا اور جبکہ وہ اپنی ہستی اور اپنے کمالات رضاءِ حق میں فنا کر دیں گے-

فنائے سامان کے بعد پھر وہ سامان انکو عطا کریگا اور کہے گا کہ اے موت! .. (مراد فنائے اصطلاحی ہے) اور اے اس گاؤں کے لوٹنے والے ترک (فنا) جو کچھ تو ان شاکرین کا سامان لے گیا ہے ان کو واپس دیدے- بنا بریں وہ ان کو واپس دیگا لیکن شاکرین اسے قبول نہ کریں گے کیونکہ انکو روحانی دولت باقیہ مل چکی ہوگی- اور اس کے ذریعے سے وہ اس دولت فانیہ سے مستغنی ہو چکے ہوں گے- اور وہ کہیں گے کہ ہم صوفی ہیں اور ہم نے لباس ہستی اتار دیا ہے- پس تو جبکہ ہم اسے دے چکے ہیں تو اب واپس نہ لیں گے- نیز ہم کو ان کا معاوضہ مل چکا ہے اور عوض بھی کیسا جس سے ہماری احتیاج اور حرص وغرض مذموم جو ان کمالات فانیہ سے تھی سب جاتی رہی- اسلئے بھی ہم انہیں

واپس نہ لیں گے۔ ہم اس آبِ شور مہلک کمالات دنیویہ سے نجات پا چکے ہیں اور شرابِ طہور اور چشمۂ کوثر ہر کمال اخروی ہمیں مل گیا ہے۔ اب ہمیں کیا ضرورت ہے کہ دوبارہ اس آبِ شور کو لیں ـــــ غرضکہ دولت کمالات دنیویہ جوان سے فنا ہو چکی ہے وہ اسے واپس نہیں لینا چاہتے۔ اور دنیا کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے دنیا! جو کچھ تو نے دوسروں کے ساتھ بے وفائی اور مکر اور ناز نخرے کئے ہیں۔

اب ہم اس کی معاوضہ میں تجھ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم شہید اور فانی فی الحق ہیں اور اب تجھ سے جنگ کے لئے آئے ہیں۔ تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ بندگانِ خدا ایسے بھی ہیں جو تجھ پر حملہ کرتے ہیں اور تجھ سے لڑتے ہیں اور تیری اطاعت نہیں کرتے۔ پس وہ دنیا کے مکر کو تہس نہس کر دینگے۔ اور اس جنگ میں فتح حاصل کریں گے اور بعد بقا یہ شہید پھر سنئے سرے سے دنیا کا مقابلہ کریں گے اور یہ لوگ جو اول دنیا کے قیدی تھے پھر اسکے مقابلہ میں فتح حاصل کرینگے ان کی مشکلات کا قفل بعنایت حق سبحانہٗ کھل چکا ہوگا اور ان کا نفس کافر قتل ہو چکا ہوگا اور ان سے نا امیدی زائل ہو چکی ہوگی اور آفتابِ امید طالع ہو چکا ہوگا اور انکی ہستی جو اول بتکدہ تھی جس میں نفس و شیطان کی پرستش ہوتی تھی اب مسجد ہو گئی ہوگی جس میں صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش ہوتی ہوگی اور یہ لوگ عدم سے پھر وجود میں آئیں گے۔ اور فنا فی الحق کے بعد بقا بالحق حاصل کریں گے اور کہیں گے کہ لوگو! اگر تم اندھے نہیں ہو۔ تو ہمیں دیکھو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ فنا قابل نفرت نہیں ہے بلکہ قابل تحصیل ہے کیونکہ وہاں خورشید کمال رہتے ہیں۔ اور کاملین دنیا کو ان سے وہی نسبت ہے جو سہا کو آفتاب سے۔ شاید تم پوچھو کہ جناب! وجود و عدم، فنا و بقا ہر دو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور ایک ضد میں دوسری نہیں ہو سکتی۔ پس فنا سے بقاء اور عدم سے وجود کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بنص قرآنی غلط ہے کیونکہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ۔ یعنی حق سبحانہٗ کی قدرت ایسی کامل ہے کہ وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے۔ اسکی ہمارے بیان کی صحت

ظاہر ہو گئی - پس تم سمجھ لو کہ عدم اور فنا میں عابدوں کی امید (بقا) ہے - اور یہ خیال جس طرح بنصِ قرآنی غلط ہے یوں ہی مشاہدہ بھی اسکی تردید کرتا ہے - دیکھو! جو شخص بوتا اور اپنے انبار غلہ کو خالی کرتا ہے کیا وہ عدم کی ہی امید پر شاد اور خوش نہیں ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ دانہ نیستی اور عدم سے پھر وجود میں آئیں گے - پس اگر تم واقف معنی ہو تو اسکے ہمارے بیان کا صدق سمجھ سکتے ہو - دور کیوں جاؤ - تم اپنے ہی کو دیکھ لو کہ تم عدم سے وجود کے ہر وقت منتظر رہتے ہو - اور چاہتے ہو کہ تمہیں فہم اور ذوق اور آرام اور ہر قسم کی بھلائیاں جو معدوم ہیں - عدم سے وجود میں آکر مل جائیں -

پس ثابت ہوا ہے کہ عدم سے وجود اور فنا سے بقا حاصل ہوتی ہے - مجھے اسکے زیادہ اس راز کو کھولنے کی اجازت نہیں - ورنہ میں تمام منکرین کو منوا دوں - کہ عدم میں ہستی ہے اور فنا میں بقا ہو سکتی ہے -

[فائدہ : اجازت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گو مشیئت تشریعی حق سبحانہٗ کو ہدایت ہی مقصود ہے - مگر مشیئت تکوینی ہدایت و گمراہی دونوں مطلوب ہیں اسلئے وہ مشیئت تکوینی یہ نہیں چاہتے - کہ عالم میں صرف ہدایت ہو - نیز چونکہ یہ عالم امتحان ہے اور امتحان کا مدار اختیار پر ہے اسلئے وہ نہیں چاہتے کہ آدمی مجبور ہو کر ہدایت کو قبول کریں کہ اختیار خود ہدایت حاصل کریں]

الحاصل : خزانہ صنع حق سبحانہٗ عدم ہے جسکے وہ ہر دم بخششیں نکال کر عالم پر فائض کرتا ہے اسکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حق سبحانہٗ مبدع ہیں اور مبدع وہی ہوتا ہے جو بلا مادہ کے اور عدم بحت سے ایک شئی کو وجود میں لائے - پس ثابت ہوا کہ حق سبحانہٗ اشیاء کو عدم صرف سے وجود میں لاتے ہیں اور یہ غلط ہے - کہ کوئی شے عدم سے وجود میں نہیں آتی -

مثالِ عالمِ ہست نیست نما و عالمِ نیست ہست نمائے

موجود عالم جو بظاہر معدوم ہے اور معدوم عالم جو بظاہر موجود ہے کی مثال

نیست را بنمود ہست آں محتشم — ہست را بنمود بر شکلِ عدم

اُس عزت و جلال والے نے معدوم کو موجود دکھایا — موجود کو معدوم کی شکل میں پیدا کیا ہے

بحر را پوشید و کف کرد آشکار — باد را پوشید و بنمودت غبار

سمندر کو پوشیدہ کر دیا ہے، جھاگ کو رُونما کر دیا ہو — ہوا کو چھپا دیا ہے، غبار کو ظاہر کر دیا ہے

چوں[1] منارہ خاک پیچاں در ہوا — خاک از خود چوں بر آید بر عُلا

ہوا میں چکراتی ہوئی خاک منارہ کی طرح ہو — خاک بلندی پر خود کیسے چڑھ جاتی ہے؟

خاک را بینی بہ بالا اے علیل — باد را نہ جُز بتعریف و دلیل

اے بیمار! تو خاک کو اوپر دیکھتا ہے — ہوا کو بتانے اور دلیل کے سوا نہیں دیکھتا ہے

کف ہمی بینی روانہ ہر طرف — کف بے دریا ندارد مُنصَرف

تو جھاگ کو ہر طرف جاری دیکھتا ہے — بغیر دریا کے جھاگ نہیں چل سکتا ہے

کف بحس بینی و دریا از دلیل — فکر پنہاں آشکارا قال و قیل

تو جھاگ کو حواس سے دیکھ لیتا ہے اور دریا کو دلیل سے (سمجھتا ہے) — خیال پوشیدہ ہے اور گفتگو واضح ہے

نفی[2] را اِثبات می پنداشتیم — دیدۂ معدوم بینی داشتیم

ہم نے معدوم کو موجود سمجھ لیا — ہم معدوم کو دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہیں

دیدہ کاندر دے نعاسے شُد پدید — کے تواند جُز خیال و نیست دید؟

وہ آنکھ جس کو نیند آرہی ہو — وہ خیالی معدوم کے سوا کیا دیکھ سکتی ہے؟

لاجرم سرگشتہ گشتیم از ضلال — چوں حقیقت شُد نہاں پیدا خیال

لامحالہ ہم گمراہی سے حیران ہو گئے ہیں — چونکہ حقیقت چھپ گئی ہے اور خیال واضح ہے

ایں عدم را چوں نشاند اندر نظر — چوں نہاں کرد آں حقیقت از بصر

اِس معدوم کو نظر میں کیسے جما دیا! — اِس حقیقت کو نظر سے کیسے چھپا دیا!

آفریں[3] اے اُوستادِ سحر باف — کہ نمودی مُعرضاں را دُردِ صاف

اے جادو کرنے والے اُستاد! آفریں ہے — تو نے مُنہ موڑنے والوں کو تلچھٹ، نیر دکھائی

ا مثال۔ دنیا درحقیقت غیر موجود ہے اور موجود نظر آتی ہے اور آخرت حقیقتاً موجود ہے لیکن معدوم نظر آتی ہے مولانا نے اِس بات کو چند مثالوں سے سمجھایا ہے۔ محتشم۔ معزز۔ نیست یعنی عالمِ شہود۔ ہست یعنی عالمِ غیب۔ بحر۔ اِس شعر میں دو مثالیں ہیں سمندر اور ہوا جو حقیقتاً موجود ہیں اُن کو جھاگ اور غبار سے پوشیدہ کر دیا جو غیر واقعی چیزیں ہیں تو جو معدوم ہے وہ نظر آرہا ہے اور جو موجود ہے وہ مخفی ہے۔

[1] چوں منارہ۔ گرد کا بگولا اٹھتا ہے خاک نظر آتی ہے اور ہوا نظر نہیں آتی۔ باد ہوا نظر نہیں آتی اُس کا وجود اِس لئے سمجھ میں آجاتا ہے کہ خاک میں از خود اُڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ کف۔ سطح آب پر جھاگ بہہ رہے ہیں جھاگ نظر آتے ہیں پانی کا وجود اِس لئے سمجھ میں آجاتا ہے کہ جھاگ از خود نہیں بہہ سکتے۔ فکرِ پنہاں۔ انسان کے افکار پوشیدہ ہیں اور اُس کی گفتگو جس کا وجود افکار کے وجود کا پرتو ہے وہ ظاہر ہے یہی حال شئونات اور وجود مطلق کا ہے اور وجود مطلق جو کہ حقیقت ہے وہ بظاہر غیر موجود ہے شئونات جو کہ حقیقتاً غیر موجود ہیں وہ موجود نظر آتی ہیں۔

[2] نفی را۔ ہم نے معدوم کو موجود اور موجود کو معدوم سمجھ رکھا ہے یہ ہماری آنکھ کا قصور ہے کہ وہ غیر موجود کو موجود دکھا رہی ہے۔ دیدہ۔ جس آنکھ میں نیند ہو وہ محض خیال اور غیر واقعی چیزوں کو موجود دکھا دیتی ہے۔ پیدا خیال۔ یعنی غیر واقعی چیز نظر آرہی ہے یعنی عدم۔ عالمِ شہود جو کہ معدوم ہے وہ نظر آتا ہے۔ آں حقیقت۔ عالمِ غیب نگاہوں سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔

[3] آفریں۔ یہ حضرت حق تعالیٰ کی سحر آفرینی ہے کہ منکر غیر حقیقی چیز کو حقیقی سمجھے

ساحراں مہتاب پیمایند زود | پیش بازرگان و زر گیرند سود
جادوگر فوراً چاندنی ناپ دیتے ہیں | سوداگر کے سامنے اور سونا اور نفع حاصل کرلیتے

سیم بربایند زیں گوں پیچ پیچ | سیم از کف رفتہ و کرباس ہیچ
اس پیچ در پیچ معاملہ سے چاندی اڑا لیتے ہیں | چاندی ہاتھ سے گئی اور کپڑا کچھ نہیں

ایں جہاں جادوست ما آں تاجریم | کہ ازو مہتاب پیمودہ خریم
یہ دنیا جادو ہے ہم وہ سوداگر ہیں | کہ اس کی ناپی ہوئی چاندنی خریدتے ہیں

گز کند کرباس پانصد گز شتاب | ساحرانہ او ز نورِ ماہتاب
وہ جلدی سے پانسو گز کپڑا ناپ دے | جادوگری کے ذریعہ چاند کی چاندنی سے

چوں[1] ستد او سیم عمرت اے رہی | سیم شد کرباس نے، کیسہ تہی
اے غلام! جب اس نے تیری عمر کی چاندی لے لی | چاندی گئی، کپڑا نہ ملا، تھیلی خالی ہوگئی

قل اعوذت خواند باید کاے احد | ہیں ز نفاثات افغاں وز عقد
تجھے قل اعوذ پڑھنی چاہئے کہ اے خدا! | جادوگرنیوں اور گرہوں سے فریاد ہے

میدمند اندر گرہ آں ساحرات | الغیاث اے مستغاث از برد و مات
وہ جادوگرنیاں گرہ میں پھونک مارتی ہیں | اے فریادرس! اس شطرنجی چال سے فریاد ہے

لیک برخواں از زبانِ فعل نیز | کہ زبانِ قول سست است اے عزیز
لیکن عمل کی زبان سے بھی پڑھ | اے پیارے! کیونکہ قول کی زبان کمزور ہے

در[2] زمانہ مر ترا ہمرہ سہ اند | آں یکے وافی و آں دو غدر مند
دنیا میں تیرے تین ساتھی ہیں | ایک وفادار اور دو حیلہ جو ہیں

آں یکے یاراں و دیگر رخت و مال | واں سوم وافی ست آں حسن الفعال
ایک دوست ہیں اور دوسرا مال واسباب ہیں | تیسرا وفادار نیک عمل ہے

مال ناید با تو بیروں از قصور | یار آید لیک تا بالینِ گور
مال تو محلوں سے باہر (بھی) نہ نکلے گا | دوست آئے گا لیکن قبر کے سرہانے تک

چوں[3] ترا روزِ اجل آید بہ پیش | یار گوید از زبانِ حالِ خویش
جب تجھے موت کا دن درپیش ہوگا | دوست اپنی زبانِ حال سے کہے گا

تا بدیں جا بیش ہمرہ نیستم | بر سرِ گورت زمانے بیستم
اس جگہ سے آگے کا ساتھی نہیں ہوں | تھوڑی دیر تیری قبر پر ٹھہرتا ہوں

[1] چوں ستد۔ دنیادار کی عمر اسی دھوکے میں برباد ہوجاتی ہے، عمر ختم ہوجاتی ہے اور وہ کچھ حاصل نہیں کرپاتا ہے۔ قل اعوذ۔ حضور پر یہ سورت جادو کے اثر کے لئے نازل ہوئی تھی... نفاثات۔ وہ جادوگرنیاں جو گرہیں باندھ کر ان پر جادو پڑھ کر دم کرتی ہیں۔ لیک۔ یہ اعوذ صرف زبانی نہ ہو بلکہ عمل بھی ہو۔

[2] در زمانہ۔ دنیا میں انسان کے تین ساتھی ہیں دوست، مال، نیک عمل ان میں سے دو مرتے وقت ساتھ چھوڑ دیں گے نیک عمل وفاداری کرے گا اور ساتھ دے گا۔ قصور قصر کی جمع ہے محل۔ تلو۔ بالین۔ سرہانا۔

[3] چوں ترا۔ موت کے وقت دوست محض قبر تک ساتھ دیتے ہیں اور واپس ہوجاتے ہیں۔ فقط انسان کے اعمال اس کا قبر میں بھی ساتھ دیتے ہیں۔ ملتحد۔ جائے پناہ۔ قرین۔ ساتھی۔

لگتے ہیں۔ ورد۔ تلپٹ۔ ساحراں۔ دنیا میں بھی ایسے جادوگر ہیں جو چاندنی کو کپڑا بنا کر فروخت کر دیتے ہیں۔ کرباس۔ سوتی کپڑا۔ ایں جہاں۔ دنیا کے بارے میں ہماری بھی یہی حالت ہے کہ ہم چاندنی کو کپڑا سمجھ رہے ہیں۔

فعلِ تو وافی ست زاں کُن ملتحد　　کاندر آید با تو در قعرِ لحد
تیرا عمل وفادار ہے اُس میں اپنی پناہ گاہ بنالے　　کیونکہ تیرے ساتھ قبر کی گہرائی میں آئے گا

در تفسیر قولہ علیہ السلام لَابُدَّ مِنْ قَرِیْنٍ یُدْفَنُ مَعَكَ وَهُوَ حَیٌّ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تفسیر کہ ایک ساتھی ضروری ہے جو میرے ساتھ زندہ

وَتُدْفَنُ مَعَهٗ وَاَنْتَ مَیِّتٌ وَاِنْ كَانَ كَرِیْمًا اَكْرَمَكَ
دفن ہوگا اور تو مردہ اس کے ساتھ دفن ہوگا تو اگر وہ شریف ہے تو تیری عزت کریگا اور اگر

وَاِنْ كَانَ لَئِیْمًا اَسْلَمَكَ وَذٰلِكَ الْقَرِیْنُ عَمَلُكَ فَاَصْلِحْهُ مَا اسْتَطَعْتَ
کمینہ ہے تو تجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے، پس جس قدر ممکن ہو تو اس کی اصلاح کرلے

پس پیمبر گفت بہرِ ایں طریق　　باوفاتر[1] از عمل نبود رفیق
پیغمبر نے فرمایا ہے، اس راستے کے لئے　　کوئی ساتھی عمل سے زیادہ باوفا نہیں ہے

گر بود نیکو ابد یارت شود　　ور بود بد در لحد مارت شود
اگر وہ نیک ہوگا، ابد تک تیرا دوست ہوگا　　اگر بد ہوگا، تیرے لئے قبر میں سانپ ہوگا

ایں عمل ویں کسب در راہِ سداد　　کے تواں کرد اے پدر بے اوستاد
یہ عمل اور یہ کمائی، سچائی کے راستے میں　　اے بابا! بغیر اُستاد کے کب کی جا سکتی ہے؟

دُوں تریں کسبے کہ در عالم رود　　ہیچ بے ارشادِ استادے بود؟
کمتر درجہ کا پیشہ جو دنیا میں چل رہا ہے　　کبھی اُستاد کی راہنمائی کے بغیر ہوا ہے؟

اوّلش[2] علم ست و انگاہے عمل　　تا دہد بر بعدِ مہلت تا اجل
اس پیشہ کی ابتدا جاننا پھر عمل کرنا ہے　　تاکہ تھوڑی دیر بعد موت تک پھل دے

اِسْتَعِیْنُوْا فِی الْحِرَفْ یَا ذَا النُّہٰی　　مِنْ کَرِیْمٍ صَالِحٍ مِنْ اَہْلِہَا
اے عقلمندو! پیشوں میں مدد حاصل کرو　　کسی شریف نیک سے جو اُن کا اہل ہو

اُطْلُبُ الدُّرَّ اَخِیْ وَسْطَ الصَّدَفْ　　وَاطْلُبِ الْفَنَّ مِنْ اَرْبَابِ الْحِرَفْ
اے بھائی! موتی سیپ کے اندر تلاش کر　　اور فن کو پیشہ وروں سے طلب کر

اِنْ رَأَیْتُمْ نَاصِحِیْنَ اَنْصِفُوْا　　بَادِرُوْا التَّعْلِیْمَ لَا تَسْتَنْکِفُوْا
اگر تم نصیحت کرنیوالوں کو دیکھو خاموشی سے سنو　　تعلیم کی طرف بڑھو، تکبر نہ کرو

در دباغی گر خلق پوشید مرد　　خواجگی خواجہ را آں کم نہ کرد
اگر دباغی میں انسان نے پھٹا پرانا پہنا　　اس نے شریف کی شرافت کو نہ گھٹایا

وقتِ[3] دم آہنگر ار پوشید دلق　　احتشامِ او نشد کم پیشِ خلق
اگر لوہار نے دھونکنے کے وقت پرانی گدڑی پہن لی　　تو لوگوں کے سامنے اس کی عزت نہیں گھٹی

[1] باوفا۔ انسان کے نیک اعمال سے زیادہ بہتر کوئی سفر کا ساتھی نہیں ہے۔ گر بود۔ نیک عمل انسان کا یار بنے گا اور بد عمل اسکے لئے سانپ اور بچھو بنے گا۔ ایں عمل۔ یہ عمل اور ہنر بغیر اُستاد کے حاصل نہیں ہوتا ہے لہٰذا کسی کو شیخ بنالے۔ ارشاد۔ راہنمائی۔

[2] اوّلش۔ ہر چیز کا پہلے علم حاصل کیا جاتا ہے پھر اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ حِرَف۔ حرفہ کی جمع ہے پیشے۔ ذَا النُّہٰی۔ عقلمند۔ صدف۔ سیپی۔ در دباغی۔ انسان کی ظاہری حیثیت اس کے باطنی جوہر کو کم نہیں کرتی ہے۔ خلق۔ پرانا کپڑا۔

[3] وقتِ دم۔ دھونکنے کے وقت۔ آہنگر۔ لوہار۔ دلق۔ گدڑی، پستی جھکے لباس پر بڑائی کا مدار نہیں ہے تو تعلیم حاصل کرنے میں ذلت اور شکستگی کا لباس اختیار کرنا چاہیے۔ علم بعلم کتابی زبانی سکھایا جاتا ہے ہنر عملی طور پر سکھایا جاتا ہے۔

پس لباسِ کبر بیروں کن ز تن ‏— مُلبسِ ذُل پوش در آموختن
تو تکبر کا لباس جسم سے اُتار دے — سیکھنے میں ذلت کا لباس پہن لے

عِلم آموزی طریقش قولی ست — حرف آموزی طریقش فعلی ست
تو علم سیکھتا ہے تو اُس کا طریقہ زبانی ہے — دستکاری سیکھتا ہے تو اُس کا طریقہ عملی ہے

فقر[1] خواہی آں بصحبت قائم ست — نے زبانت کار می آید نہ دست
فقر چاہتا ہے، وہ صحبت سے متعلق ہے — نہ تیری زبان کام آتی ہے، نہ ہاتھ

دانشِ انوارست در جانِ رجال — نے ز راہِ دفترو نے قیل و قال
انوار کا علم (سالک اولیاء) لوگوں کے دل میں ہے — (وہ حاصل نہیں ہوتا ہے) نہ کتاب کے راستہ نہ گفتگو سے

دانشِ آں را ستاند جاں ز جاں — نے ز راہِ دفترو نے از زباں
اُس کا علم روح، روح سے حاصل کرتی ہے — نہ کتاب کے راستے سے اور نہ زبان سے

در دلِ سالک اگر ہست آں رموز — رمز دانی نیست سالک را ہنوز
اگر سالک کے دل میں وہ رموز (بھی) ہیں — (لیکن) سالک کو ابھی ان کی سمجھ نہیں ہے

تا[2] دلش را شرح آں سازد ضیا — پس اَلَمْ نَشْرَحْ بفرماید خدا
جب تک کہ اُس کے دل کو نورِ خدا کی تشریح نہ کردے — پھر خدا فرماتا ہے، کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟

کہ درونِ سینہ شرحت دادہ ایم — شرح اندر سینہ ات بنہادہ ایم
یعنی ہم نے تیرے سینہ میں اُس کی شرح عنایت کر دی ہے — ہم نے تیرے سینہ میں شرح رکھ دی ہے

تو[3] ہنوز از خارج آں را طالبی — مَحلبی از دیگراں چوں حالبی
تو ابھی تک باہر سے اُس کا طالب ہے — تو خود دودھ کی جگہ ہو تو دوسروں سے دودھ کیوں دوہتا ہو!

چشمۂ شیرست در تو بے کنار — تو چرا می شیر جوئی از تغار
تیرے اندر دودھ کا لامحدود چشمہ ہے — تو گڑھے سے دودھ کا جویاں کیوں ہے؟

منفذے داری بہ بحرائے آبگیر — ننگ دار از آب جستن از غدیر
اے پانی حاصل کرنیوالے! تیرا سمندر تک راستہ ہے — حوض سے پانی لینے میں شرم کر

کہ اَلَمْ نَشْرَحْ نہ شرحت ہست باز — چوں شدی تو شرح جوئی گدیہ ساز
کیا ہم نے نہیں کھولا" تیری شرح نہیں ہے پھر — تو شرح کا طالب اور بھکاری کیوں بنا ہے؟

در نگر در شرحِ دل در اندروں — تا نیاید طعنۂ لَا یُبْصِرُوْنْ
دل کی شرح کو باطن میں دیکھ لے — تاکہ "وہ نہیں دیکھتے ہیں" کا طعنہ نہ دیا جائے

[1] فقر۔ فقر محض شیخ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے نہ زبان سے نہ عمل سے۔۔۔ دانش انوار۔ انوارِ الٰہی کا علم وہ اولیا کے دلوں میں ہے وہ دل، دل سے حاصل کر سکتا ہے زبان اور کتاب سے حاصل نہیں کر سکتا۔ در دل سالک کے دل میں اگر کچھ اشارے بھی ہیں تو وہ اُن اشاروں کے سمجھنے سے ابھی محروم ہے۔

[2] تا دلش۔ جب سالک کے لئے نورِ خداوندی اُن۔۔۔ اشاروں کی تشریح کر دیتا ہے تو اللہ کی جانب سے اَلَمْ نَشْرَحْ والی بشارت ملتی ہے۔۔۔ اَلَمْ نَشْرَحْ۔ قرآن میں آنحضورؐ کے لئے فرمایا گیا ہے "کیا ہم نے تمہارا شرحِ صدر نہیں کر دیا" یعنی ہم نے وہ نورِ عطا کر دیا ہے جس سے تم رموز اور اشاروں کو سمجھ سکتے ہو۔ کہ۔ اَلَمْ نَشْرَحْ میں آنحضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تمہارے سینہ میں وہ استعداد رکھ دی ہے۔

[3] تو ہنوز۔ ایک عام انسان یہ سمجھتا ہے کہ علوم و اسرار کہیں باہر سے حاصل کئے جاتے ہیں یہ غلط ہے وہ علوم خود انسان کے دل اور روح میں موجود ہیں۔ محلب دودھ کی جگہ۔ حالب۔ دودھ دوہنے والا۔ تغار گڑھا۔ غدیر۔ حوض۔ کہ اَلَمْ نَشْرَحْ۔ خطاب اگرچہ آنحضورؐ کو ہے لیکن ہر طالب حق اِس میں داخل ہے۔ در نگر۔ انسان کا دل ایک جامع حقیقت ہے اُس میں ذات و صفات باری تعالیٰ کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اگر اُس میں مشاہدہ نہیں کرتا ہے تو ایسے شخص پر لَا یُبْصِرُوْنْ "وہ نہیں دیکھتے ہیں" کا طعنہ لگیگا جو کفار کے بارے میں ہے۔

تفسیر قولہٖ عزّ وجلّ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ

اللہ تعالٰی کے قول "اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو" کی تفسیر

یک[1] سبد پُر ناں ترا بر فرقِ سر ۔۔۔ تو ہمی خواہی لبِ ناں دربدر

روٹیوں کی ایک بھری ٹوکری تیرے سر کی مانگ پر ہے ۔۔۔ تو روٹی کا ٹکڑا دربدر مانگتا ہے

در سرِ خود پیچ و ہل خیرہ سری ۔۔۔ رَو درِ دل زن چرا بر ہر دری

اپنے سر میں لگ اور بیہودہ پن چھوڑ ۔۔۔ جا دل کا دروازہ کھٹکھٹا ہر دروازہ پر کیوں جاتا ہے

تا بزانوئی میانِ آبِ جُو ۔۔۔ غافل از خود زین و آں تو آبجُو

تو زانو تک نہر کے پانی میں ہے ۔۔۔ تو خود سے غافل ہے اس اور اُس سے پانی کا جویا ہے

بر سرت نانست پایت اندر آب ۔۔۔ وز عطش وز جوع گشتستی خراب

تیرے سر پر روٹی ہے اور تیرا پاؤں پانی میں ہے ۔۔۔ اور تو پیاس اور بھوک سے تباہ ہے

پیش آب و پس ہم آب بامدد ۔۔۔ چشمہا را پیش سد و خلف سد

آگے بھی جاری پانی ہے اور پیچھے بھی ۔۔۔ چشموں کے آگے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی دیوار ہے

اسپ[2] زیرِ راں و فارس اسپ جُو ۔۔۔ چیست ایں گفت اسپ و لیکن اسپ کو

گھوڑا ران کے نیچے ہے اور سوار گھوڑے کا جویاں ہے ۔۔۔ یہ کیا ہے؟ گھوڑا ہے، لیکن گھوڑا کہاں ہے؟

ہین نہ اسپ است ایں بزیرِ تو پدید ۔۔۔ گفت آرے لیک اسپ خود کہ دید

ہائیں، تیرے نیچے کھلا ہوا یہ گھوڑا ہے ۔۔۔ وہ کہتا ہے ہاں لیکن اپنا گھوڑا کس نے دیکھا ہے؟

مستِ آب و پیشِ روی اوست آں ۔۔۔ اندر آب و بیخبر ز آبِ رواں

وہ اسپر عاشق ہے اور وہ اس کے منہ کے سامنے ہے ۔۔۔ وہ پانی میں ہے اور جاری پانی سے بےخبر ہے

مستِ چیز و پیشِ روی اوست چیز ۔۔۔ بیخبر زاں چیز و شرحِ خویش نیز

وہ ایک چیز پر عاشق ہے اور چیز اسکے منہ کے سامنے ہے ۔۔۔ وہ اُس چیز اور اپنی تفصیل سے بھی بےخبر ہے

چوں[3] گوہر در بحر گوید بحر کو ۔۔۔ واں خیالِ چوں صدف دیوارِ او

جیسا کہ موتی سمندر میں کہے، سمندر کہاں ہے؟ ۔۔۔ وہ خیال، سیپ کی طرح اُس کی دیوار ہے

گفتنِ آں کو حجابش میشود ۔۔۔ ابرِ تابِ آفتابش میشود

اُس کا کہنا، وہ کہاں ہے؟ اُس کا پردہ بنتا ہے ۔۔۔ اور سورج کی چمک اُس کیلئے ابر بنجاتی ہے

بندِ چشمِ اوست ہم چشمِ بدش ۔۔۔ عینِ رفعِ سد او گشتہ سدش

اس کی بُری آنکھ بھی اس کی آنکھ کا پردہ ہے ۔۔۔ بعینہ دیوار کا ہٹانا اُس کے لئے دیوار بنگیا

---

[1] یک سبد۔ ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ ذاتِ حق ہر انسان کے ساتھ ہے لیکن آڑ حائل ہے تو اب بس اُسکے مشاہدہ کی طلب ہونی چاہیئے۔ سبد ٹوکری۔ درِ دل۔ دل میں مشاہدہ کی کوشش کر دربدر اُس کو ڈھونڈتا نہ پھر۔ تا بزانو۔ حضرتِ حق کو باہر تلاش کرنے والے کی ایک مثال تو یہ تھی کہ روٹیوں کا طبق سر پر ہو اور وہ دربدر روٹی مانگتا پھرے دوسری مثال یہ ہے کہ انسان خود پانی میں کھڑا ہو اور دوسروں سے پانی مانگے۔

[2] اسپ تیسری مثال یہ ہے کہ انسان گھوڑے پر سوار ہو اور اُسی گھوڑے کو تلاش کرے لوگ اُس سے پوچھیں کہ تو کس چیز پر سوار ہے تو اُس کو کہنا پڑے کہ گھوڑے پر لیکن پھر بھی گھوڑے کو تلاش کرے۔ ہین۔ اُس گھوڑے سوار سے لوگ کہتے ہیں کہ گھوڑا تو تیرے نیچے موجود ہے وہ کہتا ہے ہاں لیکن مجھے گھوڑا نظر نہیں آرہا ہے۔ مست۔ وہ گھوڑے کی تلاش میں مدہوش بنا ہوا ہے اور گھوڑا اُس کے سامنے موجود ہے اس کی مثال تو یہی ہے کہ انسان جاری پانی میں کھڑا ہو اور اُس سے بیخبر بھی ہو۔

[3] چوں گوہر۔ چوتھی مثال یہ ہے کہ موتی سمندر میں ہو اور سمندر کو تلاش کرے جس طرح موتی کیلئے سیپ سمندر کو دیکھنے سے مانع ہے اسی طرح انسان کے اوہام اور خیالات مانع بنتے ہیں گفتنِ او مطلوب کے قریب ہوتے ہوئے اُس کا مطلوب کو پوچھنا اُس مطلوب کا پردہ اور اُس مطلوب کے آفتاب کی چمک اُس کیلئے ابر بنجاتی ہے۔ بندِ چشم۔ اُنکی غلط نظر خود اُنکی آنکھ کا پردہ بن گئی خود ہو کر آڑ کو ہٹانے والی چیز تھی وہ فوراً آڑ بن گئی۔

بندِ گوشِ اُو شدہ ہم گوشِ اُو[1] — ہوش باحق دار اے مدہوشِ اُو

اُس کا کان بھی اُس کے کان کی رکاوٹ ہوگیا — اللہ کا ہوش کر، اے اُس کے دیوانے!

ہوش را توزیع کردی بر جہات — می نیرزد تُرّہ آں تُرّہات

تونے ہوش کو (مختلف) جانبوں میں تقسیم کر دیا ہے — وہ فضول (خیالات) ساگ کی قیمت کے نہیں ہیں

در تفسیر قولِ نبی علیہ السّلام مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ[2] هَمًّا وَّاحِدًا كَفَاهُ اللهُ سَائِرَ هُمُوْمِهٖ وَمَنْ تَفَرَّقَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ لَا يُبَالِي اللهُ فِيْ اَيِّ وَادٍ مِّنْهَا هَلَكَ

آنحضورؐ کے اِس قول کی تفسیر کہ جس نے غموں کو ایک غم بنا لیا اللہ تعالےٰ اُسکے سارے غموں کیلئے کافی ہوگیا اور جس کے متفرق غم ہیں تو اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ وہ کونسی وادی میں تباہ ہوا

آبِ ہُش را می کَشَد ہر بیخ و خار — آبِ ہوشت چوں رسد سوئے ثمار

ہر جڑ اور کانٹا ہوش کے پانی کو چوس رہا ہے — پھلوں تک تیرے ہوش کا پانی کیسے پہنچے؟

آب ہا را میکشد آں خس گیاہ — آبِ ہوشت چوں رسد سوئے اِلٰہ

پانی کو معمولی گھاس پی رہی ہے — تیرے ہوش کا پانی خدا تک کیسے پہنچے؟

ہیں بزن آں شاخِ بد را خو کُنش — آب دہ ایں شاخِ خوش را نو کنش

خبردار! اُس شاخ کو کاٹ دے (اور) اُسکو دور کر دے — اس اچھی شاخ کو پانی دے، اُس کو تازہ کر

ہر دو[3] سبز اند ایں زماں آخر نگر — کیں شود باطل ازاں روید ثمر

اب دونوں سبز ہیں، انجام کو دیکھ — یہ خراب ہو جائے گی، اُس سے پھل پیدا ہونگے

آبِ باغ ایں را حلال آں را حرام — فرق را آخر بہ بینی والسّلام

باغ کا پانی اس کیلئے حلال اُسکے لئے حرام ہے — تو آخر میں فرق کو سمجھے گا، والسّلام

عدل چہ بُوَد؟ آب دہ اشجار را — ظلم چہ بُوَد؟ آب دادن خار را

عدل کیا ہے؟ درختوں کو پانی دے — ظلم کیا ہے؟ کانٹے کو پانی دینا

عدل وضعِ نعمتے در موضعش — نے بہر بیخے کہ باشد آب کش

عدل، جگہ پر نعمت صرف کرنا ہے — نہ کہ ہر جڑ کو پانی دینا جو پانی چوستی ہے

ظلم چہ بُوَد؟ وضعِ در نا موضعے — کہ نباشد جز بلا را منبعے

ظلم کیا ہے؟ بے محل صرف کرنا — جو صرف مصیبت کا چشمہ ہے

نعمتِ حق را بجان و عقل دہ — نے بہ طبعِ پُر زحیر و پُر گِرہ

اللہ (تعالےٰ) کی نعمت جان اور عقل کو دے — نہ کہ پیچش اور گرہوں والی طبیعت کو

بار کُن[4] بیگارِ غم را بر تنت — بر دل و جاں کم نہ آنجاں کندنت

غم کی بیگار کو اپنے جسم پر سوار کر — دل اور جاں پر نہیں، کیونکہ وہ جان کی تباہی ہے

---

[1] بندِ گوش۔ ایسے طلبگار کا کان خود اُس کو بہرا بنا دیتا ہے۔ مدہوش۔ بہوش، بہت دہشت زدہ۔ ہوش۔ انسان کی پراگندہ خیالی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ در تفسیر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو پراگندہ خیال نہ رہنا چاہیئے۔

[2] ہموم۔ ہم کی جمع ہے آنیوالے کام کا غم و فکر۔ آب ہش۔ اگر انسان دنیاوی معاملوں کے سوچ بچار میں لگا رہے گا تو آخرت سے غافل ہو جائیگا۔ جن حضرات کی دنیاوی فکروں سے رہائی ہوگی تو آخرت کی فکر میں لگیگا۔

[3] ہر دو۔ دنیا اور آخرت کی فکر میں سے آخرت کی فکر اچھے پھل لائے گی۔ آب۔ دنیا کے باغ کو فکر کا پانی دینا درست نہیں ہے۔ عدل۔ انصاف تو یہ ہے کہ انسان پھل دار درختوں کو پانی دے کانٹوں کی جھاڑی کو پانی نہ دے۔ در موضعش۔ بھلائی کی جگہ بھلائی کرنا عدل ہے، ظلم کوئی کام بے موقع کرنا ظلم ہے۔ نعمت حق۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے روحِ انسانی کی تربیت کرنی چاہیئے نہ کہ روحِ حیوانی کی۔

[4] بار کن۔ دنیا کی مصیبتوں کو قالب تک محدود رکھو، قلب تک نہ پہنچنے دو۔ بر سرِ عیسیٰ۔ روح حضرت عیسیٰ جیسی چیز ہے اور جسم خرِ عیسیٰ ہے، بوجھ گدھے پر لادنا چاہیئے نہ کہ عیسیٰ پر، یہ حماقت ہے کہ عیسیٰ پر بوجھ لدا ہوا ہو

بر سرِ عیسیٰؑ نہادہ تنگِ بل — خر سکیزہ میزند در مرغزار

بوجھ کا گٹھر عیسیٰ کے سر پر رکھے ہوئے ہے — گدھا، چراگاہ میں دولتیاں مار رہا ہے

سُرمہ را در گوش کردن شرط نیست[1] — کارِ دل را جستن از تن شرط نیست

سُرمہ کو کان میں لگانا مناسب نہیں ہے — دل کا کام، جسم سے لینا مناسب نہیں ہے

گر دلی رو ناز کن خواری مکش[2] — ور تنی شکر منوش و زہر نوش

اگر تو (مجسم) دل ہے جا فخر کر ذلت نہ اٹھا — اگر تو (مجسم) جسم ہے، شکر نہ کھا اور زہر چکھ

زہر تن را نافع ست و قند بد — تن ہماں بہتر کہ باشد بے مدد

جسم کے لئے زہر مفید اور شکر مضر ہے — جسم وہی بہتر ہے، جو بے سہارا ہو

ہیزمِ دوزخ تنت و کم کُنش — ور بر وید ہیں تو از بُن بر کَنش

جسم، دوزخ کا ایندھن ہے اُسکو گھٹا — اگر وہ اُگے خبردار! تو اُس کو جڑ سے اکھاڑ دے

ورنہ حمالِ حطب باشی حطب — در دو عالم ہمچو جفتِ بولہب

ورنہ تو ایندھن ہی ایندھن کا بار بردار ہوگا — دونوں جہان میں، ابولہب کی بیوی کی طرح

از حطب بشناس شاخِ سدرہ را[3] — گرچہ ہر دو سبز باشد اے فتیٰ

سدرۃ (المنتہیٰ) کی شاخ کو ایندھن کی لکڑی سے — اے نوجوان! اگرچہ دونوں سبز ہوں

اصلِ ایں شاخ ست از نار و دخاں — اصلِ آں شاخ ست ہفتم آسماں

اِس شاخ کی جڑ آگ اور دھواں ہے — اُس شاخ کی جڑ، ساتویں آسمان (پر) ہے

ہست مانندایں بصورت پیشِ حس — کہ غلط بین ست چشم و کیشِ حس

یہ حس کے سامنے (آپس میں) مشابہ ہیں — کیونکہ حس کی آنکھ اور طریقہ غلط بین ہے

ہست پیدا آں بہ پیشِ چشمِ دل — جہد کن پیشِ دل آ جہد المقل

دل کی آنکھ کے لئے، وہ واضح ہے — کوشش کر نادار کی سی کوشش، دل کے سامنے

ور نداری پا بجنباں خویش را — تا بہ بینی ہر کم و ہر بیش را

تو اگر پاؤں نہیں رکھتا ہے خود کو حرکت دے — تاکہ تو ہر کم و بیش کو دیکھ لے

کایں تحرک ہست تبرک را کلید — ور تحرک[4] گردی اے دل مستفید

کیونکہ یہ حرکت کرنا برکت حاصل کرنے کی کنجی ہے — اے دل! تو حرکت کرنے سے فائدہ مند ہوگا

اور گدھا چمن میں مزے اڑائے۔ سُرمہ۔ ہر عمل کا ایک محل ہے۔ سُرمہ کان میں لگانا حماقت ہے۔

[2] گر دلی۔ اگر تو مجسم روح وقلب بن گیا ہے تو اب مجاہدوں کی تکلیف اٹھانی ضرورت نہیں ہے اور اگر تو مجسم جسم ہے تو راحت طلبی چھوڑ کر مجاہدوں کا زہر کھا۔ زہر۔ یہ محنت اور مشقت جسم کے لئے مفید ہے اور راحت طلبی مضر ہے۔ ہیزم۔ انسان کا جسم دوزخ کا ایندھن ہے اس کو ختم کرنا چاہئے ورنہ تیرا لقب بھی وہی ہے جو ابولہب کی بیوی کا ہے قرآن نے اُس کو حمالۃ الحطب کہا ہے یعنی دوزخ کا ایندھن اٹھانے والی

[3] از حطب۔ جسم دوزخ کا ایندھن اور روح سدرۃ المنتہیٰ کی شاخ ہے دونوں میں فرق کرلے۔ اصل ایں۔ جسم کی شاخ دھوئیں اور آگ کی جڑ ہے اور روح کی شاخ عالمِ بالا کی چیز ہے۔ ہست مانند۔ یہ دونوں شاخیں یکساں نظر آتی ہیں جس کی وجہ آنکھ کی •

[4] ور تحرک۔ بُرائی سے حتی المقدور بچنا مفید ہے۔ گر راہ۔ جب انسان راہِ طریقت میں کوشاں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ راستہ دکھاتے ہیں اگر فنا اختیار کرتا ہے تو اُس کو بقا نصیب ہوتی ہے۔ در کیست۔ انسان جس قدر کسر نفسی اختیار کرتا ہے اسی قدر اُس کو بلندی نصیب ہوتی ہے۔

• غلط بینی ہے۔ چشمِ دل۔ دل کی آنکھ سے دیکھو دونوں میں فرق نظر آئیگا۔ ورنداری۔ انسان کو غلط بینی سے نکلنے کی ہر صورت کوشش کرنی چاہئے اگر پاؤں نہیں ہیں تو جسم کو ہی سرکانا چاہئے۔

در معنیٔ ایں رباعی

(اس رباعی کے معنی کے بیان میں)

گر راہ روی راہ برت بکشایند
اگر تو راہ (طریقت) پر چلیگا تیرے لئے راستہ کھول دینگے

ور نیست شوی بہستیت بگرایند
اگر تو فنا ہو جائیگا تجھے بقا کی طرف مائل کر دینگے

ور پست شوی نگنجی اندر عالم
اگر تو پست ہو جائے تو تو عالم میں نہ سمائے گا

وانگاہ ترا بے تو بتو بنمایند
اس وقت تجھے بغیر تیرے (وجود کے) دکھائینگے

گر زلیخا بست درہا ہر طرف
اگرچہ زلیخا نے ہر طرف دروازے بند کر دیئے

یافت یوسفؑ ہم ز جنبش منصرف
یوسفؑ نے بھی حرکت سے واپسی کی جگہ پالی

چوں توکل کرد یوسفؑ بر جہید
جب یوسفؑ نے توکل کیا (اور) کود پڑے

باز شد قفل و در و رہ شد پدید
دروازے کا تالا کھل گیا اور راستہ ظاہر ہو گیا

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
اگرچہ دنیا کا کوئی شگاف نظر نہیں آتا ہے

خیرہ یوسفؑ وار می باید دوید
یوسفؑ کی طرح اندھا دھند بھاگنا چاہیئے

تا کشاید قفل و رہ پیدا شود
تاکہ تالا کھلے اور راستہ ظاہر ہو جائے

سوئے بیجائی شما را جا شود
لامکاں کی جانب تمہارے لئے جگہ ہو جائے

آمدی اندر جہاں اے ممتحن
اے آزمائش میں پڑے ہوئے تو دنیا میں آیا

ہیچ می بینی طریقِ آمدن
کچھ تجھے آنے کا راستہ نظر آیا؟

تو ز جائے آمدی وز موطنے
تو ایک جگہ اور ایک وطن سے آیا

آمدن را راہ دانی ہیچ نے
تو آنے کا راستہ جانتا ہے؟ کچھ بھی نہیں

گر ندانی تا نگوئی راہ نیست
اگر تو نہیں جانتا ہے ہرگز نہ کہہ کہ راہ نہیں ہے

زیں رہ بے راہ مارا رفتنیست
ہمیں اسی بغیر راستے کے راستہ سے جانا ہے

میروی در خواب شاداں چپ و راست
تو خواب میں خوشی خوشی دائیں بائیں جاتا ہے

ہیچ دانی راہِ آں میداں کجاست
تو کچھ جانتا ہے کہ اس میدان کا راستہ کدھر ہے!

تو ببند آں چشم و خود تسلیم کن
تو اس آنکھ کو بند کر لے اور خود کو سپرد کر دے

خویش را بینی دراں شہرِ کہن
تو اپنے آپ کو اس قدیم شہر میں دیکھے گا

چشم چوں بندی کہ صد چشم خمار
تو آنکھ کیسے بند کریگا؟ کیونکہ سینکڑوں آنکھیں اور نشہ

بندِ چشم تست ایں سوا ز غرار
غفلت کی وجہ سے اس جانب کے لئے تیری آنکھ کا پردہ ہیں

چار چشمی تو ز عشقِ مشتری
تو (اپنے) خریدار کے عشق میں چار آنکھوں والا ہے

بر امیدِ مہتری و سروری
بڑائی اور سرداری کی امید پر

---

۵۲ گر زلیخا۔ حضرت یوسفؑ نے زنا سے بچنے کی کوشش کی تو زلیخا کے بند کئے ہوئے دروازے کھل گئے اور حضرت یوسفؑ زلیخا کے پھندے سے نکل گئے۔ گرچہ رخنہ۔ دنیا سے بھاگ نکلنے کے لئے اگرچہ دروازہ نظر نہیں آرہا ہے لیکن جب انسان کوشش کرتا ہے تو راہ پیدا ہو جاتی ہے اور لامکان کا راستہ پالیتا ہے۔

۵۳ آمدی۔ انسان عالم بالا سے جس راستہ سے آیا ہے وہ بھی اس کی نظروں سے غائب ہے اسی طرح وہ غائب راستہ سے عالم بالا تک جا بھی سکتا ہے۔ تو ز جائے۔ انسان عالم بالا سے آیا ہے اور اس کو آنے کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ گر ندانی۔ راستہ نظر نہ آنے کی وجہ سے اس راستہ کا انکار نہ کر اسی راستہ سے واپس جانا ہے۔ میروی۔ انسان خواب میں راستہ کو بغیر جانے ہوئے چلتا ہے۔ تو ببند۔ انسان کو حسی آنکھ کو بند کر کے خود کو خدا کے حوالہ کرنا

۵۴ چشم چوں بندی۔ دنیا سے تو آنکھیں بند نہ کر سکے گا کیونکہ تیری سینکڑوں لالچ سے مست نظروں نے تیری نظر بندی کر دی ہے اور تو دنیا کی مزخرف چیزوں کو دیکھ رہا ہے۔ چار چشمی۔ تو ہر وقت اپنی سرداری اور بڑائی کے خیال سے اپنے معتقدوں کا منتظر بنا ہوا ہے۔ گر تجسسی۔ تجھے سونے میں بھی یہی خواب اسی طرح نظر آتے ہیں جیسے اُلو کو خواب میں ویرانہ نظر آتا ہے۔

گر بخسپی مُشتری بینی بخواب	چغدِ بَد کے خواب بیند جز خراب
اگر تو سوتا بھی ہے تو خواب میں خریدار کو دیکھتا ہے	منحوس چغد ویرانہ کے سوا کب دیکھتا ہے؟
مُشتری خواہی بہر دم پیچ پیچ	تو چہ داری کہ فروشی؟ ہیچ ہیچ
تو ہر وقت پیچ وتاب میں خریدار کا خواہشمند ہے	تو رکھتا کیا ہے؟ کہ بیچے گا؟ کچھ بھی نہیں
گر ترا نانے بُدے یا چاشتے	از خریداراں فراغت داشتے
اگر تجھے روٹی یا ناشتہ، حاصل، ہوتا	تو خریداروں سے بے نیاز ہوتا
گر درانباں مر ترا نانے بُدے	از خریداراں دلت فارغ شُدے
اگر تھیلے میں تیری روٹی ہوتی	تو تیرا دل خریداروں سے بے نیاز ہوتا

لہ مُشتری۔ تو اپنے خریداروں کا تو منتظر رہتا ہے لیکن تیرے پاس اُنکے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ گر ترا۔ اگر تیرے پتے میں کچھ ہوتا تو پھر تو خریداروں کا منتظر ہی نہ ہوتا، عوام میں مقبولیت اور عوام کو گرویدہ کرنے کی وہی شخص کوشش کرتا ہے جو تہی دست ہوتا ہے آنے والے قصہ سے یہی بتانا مقصود ہے۔

شرح اس بیان سے معلوم ہوا۔ کہ عدم بھی ایک شے ہے جو کہ صنعت حق سبحانہٗ کا خزانہ اور عالم وجود کی اصل ہے۔ پس عدم عالم وجود کے مقابلہ میں موجود کہلانے کا زیادہ مستحق ہوگا۔ اور عالم وجود عدم کے مقابلہ میں معدوم کہلانے کے زیادہ لائق ہوگا۔ کیونکہ عدم اصل ہے اور عالم وجود اسکی فرع۔ والاصل اقوٰی وجوداً من الفرع۔ دوسری عدم باقی ہے۔ اور عالم وجود فانی۔ اور باقی فانی کے مقابلہ میں موجود کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔ اور فانی باقی کے مقابلہ میں لقب معدوم کے لیے زیادہ زیبا ہے۔

جب یہ تمہیدی مضمون معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ حق سبحانہٗ کی عجیب شان ہے کہ اُسنے معدوم (اضافی یعنی عالمِ وجود) کو وجود (حقیقی) دکھلایا۔ اور موجود (اضافی یعنی عدم) کو معدوم (حقیقی) ظاہر فرمایا۔ اور یہ ایسا ہے جیساکہ اسنے دریا کو چھپادیا ہے جوکہ اصل ہے اور کف کو ظاہر فرمادیا ہے جوکہ فرع ہے۔ یا ایسا ہے جیساکہ اُسنے ہَوا کو چھپادیا ہے جوکہ اصل ہے اور خاک کو ظاہر فرمادیا ہے جو اُسکے تابع ہے۔ مثلاً بگولہ کہ اس میں ہَوا اصل ہے اور خاک تابع مگر خاک ظاہر ہے اور ہَوا مخفی ـــــ یہ ہم نے

کیوں کہا۔ کہ ہوا اصل ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ خاک بذاتِ خود اوپر نہیں جاسکتی پس ضروری ہے کہ اس میں ہُوا ہو۔ مگر تم خاک کو تو دیکھتے ہو۔ اور ہُوا کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ جس وقت تم کو دلیل سے سمجھایا جاتا ہے اس وقت مانتے ہو۔ علیٰ ہٰذا۔ تم کف کو ہر طرف دوڑتے دیکھتے ہو۔ مگر دریا کو نہیں دیکھتے۔ حالانکہ کف بدوں دریا کے نہیں ٹھہر سکتا۔ پس تم کفؔ کو تو آنکھ سے دیکھتے ہو جو فرع ہے اور دریا کو دلیل سے مانتے ہو۔ جو کہ اصل ہے یا ایسا ہے جیساکہ فکر مخفی ہے جو کہ اصل ہے اور گفت گو ظاہر ہے جو کہ فرع ہے پس گفت گو کو اصل کے ذریعے سے ذریعے جان لیتے ہو۔ اور فکر کی دلیل سے قائل ہوتے ہو اس بیان سے معلوم ہوا کہ ہم معدوم کو موجود سمجھتے ہیں، یعنی ہم نے تمہارے سینہ کو منشرح کر دیا۔ اور اسکو کھول دیا۔ اور اسکو انوار عرفانیہ کا منبع بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ دل خود منبع علوم ہے۔ لیکن افسوس کہ تم ان کو باہر ڈھونڈھتے ہو۔ ارے تم تو اس دودھ کا مخزن ہو۔ پھر دوسروں سے کیوں دوہتے پھرتے ہو اور تمہارے اندر تو خود شیر علوم و معارف کا بہت بڑا چشمہ موجود ہے۔ پھر تم تغاری اور کونڈوں... (کتابوں اور رسمی عالموں) سے اسکے کیوں طالب ہو۔ اور اے تالاب (سالک) تو تو بحرِ حقیقی سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں تجھے تالابوں سے پانی لینے سے شرم آنی چاہیئے۔ کیا؟ اَلَمْ نَشْرَحْ سے تیری حالت ظاہر نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے کیونکہ گو شرح صدر مخصوص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو۔ مگر مطلق شرح صدر آپکے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ اسکی قابلیت علیٰ حسب الاستعداد ہر ایک میں ہے۔ پھر تو دوسروں سے دریافت کرتا اور بھیک مانگتا کیوں پھرتا ہے۔

پس تو تحصیل علم کے لیے اپنے اندر شرح دل کا مطالعہ کر۔ تاکہ تجھ پر اندھے ہونے کا طعنہ نہ وارد ہو۔ اور تو لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ کا مصداق نہ بنے۔ بھلے مانس! تیرے سر پہ روٹیوں کا بھرا ہوا ٹوکرا رکھا ہوا ہے اور تو دربدر ٹکڑے مانگتا

پھرتا ہے - یعنی تجھے دل حاصل ہے جو منبع علوم ہے مگر تو اسے نہیں دیکھتا۔ اور علومِ رسمیہ کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے نہایت بے حجابات ہے تو اپنے باطن میں مشغول ہو۔ اور پاجی بن۔۔ چھوڑ دے اور اگر تجھے علم کی طلب ہے تو دل کا دروازہ کھٹکھٹا ہر دروازہ پر مارا مارا کیوں پھرتا ہے۔ ارے تو ندی میں گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑا ہے مگر تجھے اپنی حالت کی خبر نہیں اور اس سے پانی مانگتا ہے اور تیرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور تیرے پاؤں پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں مگر تو پیاس اور بھوک سے خراب ہو رہا ہے یہ تیری بدقسمتی ہی نہیں ہے اور تیرے آگے بھی پانی ہے اور پیچھے بھی۔ مگر تیری آنکھوں کے سامنے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی۔ کہ تو اسے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ کتنی بیجا بات ہے۔ تو ان حجابات کو اٹھا اور پانی سے منتفع ہو۔ نیز تیری ایسی مثال ہے جیسے شہسوار کی ران کے نیچے گھوڑا موجود ہے اور وہ پوچھے کہ گھوڑا کہاں ہے جب کوئی اس سے پوچھے کہ ارے یہ تیری رانوں کے نیچے کیا ہے تو کہے گھوڑا۔ مگر پھر یہی کہے۔ کہ گھوڑا کہاں ہے پھر اس سے کہا جائے کہ ارے یہ تیرے نیچے گھوڑا نہیں ہے تو کہے ہاں! مگر کوئی اپنی سواری کا گھوڑا بھی دیکھتا ہو ــــ بھلا اس سے بھی زیادہ کوئی احمق ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

بس تیری یہی حالت ہے کیونکہ تو دل رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ دل منبع علوم ہے۔ کیونکہ تو مسلمان ہے اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے اور قرآن میں یہ مضمون منصوص ہے مگر پھر تحصیل علم کے لئے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے اور جب تجھے متنبہ کیا جاتا ہے تو خود اقرار کرتا ہے مگر پھر اس بیہودگی کو نہیں چھوڑتا۔

الغرض! وہ طالب ایسا ہے جیسا کوئی ایک شے پر عاشق ہو اور مطلوب اسکے سامنے موجود ہو۔ اور وہ پھر بھی اس کا طالب ہو۔ یا کوئی پانی کے اندر موجود ہو اور اس بہتے ہوتے پانی کی اسے خبر نہ ہو۔ کیونکہ یہ بھی ایک شے کا طالب ہے اور وہ شے اس کے

پاس موجود ہے مگر یہ اسکے بے خبر ہے بلکہ اسے خود اپنی ہی خبر نہیں ــــ یا یوں کہو کہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے موتی دریا میں موجود ہے اور کہے کہ دریا کہاں ہے کیونکہ وُہ مطلوب کے پاس موجود ہے مگر سمجھتا ہے کہ مطلوب مجھ سے دُور ہے اور اس کا یہ خیال انعدام مطلوب سے اس کے لیے سیپ کی طرح حجاب ہوگیا ہے اور اس کا یہ کہنا ہے کہ کہاں ہے اُس کے لیے حجاب ہے اور اس کے آفتاب مطلوب کے ظہور و تابش کے لیے اَبر بن گیا ہے اور یہ اسکی چشم بد (غلط بین ہے) اس کی آنکھ کے لیے آڑ بن گئے ہیں۔ اور اس طرح رفع دیوار خود اس کے لیے دیوار ہو گئی ہے۔ نیز خود اسکے کان غلط سننے والے اس کے کان کی ڈاٹ بن گئے ہیں یعنی اسکے لیے آنکھیں تو ہیں مگر غلط بیں ہیں کہ موجود کو معدوم دیکھتی ہیں اور اسکے کان بھی ہیں مگر غلط سُنتے ہیں کہئے آسمان کی تو سُنیں زمین کی مگر وہ اپنی آنکھوں اور کانوں کو آفت سے محفوظ سمجھتا ہے اسلئے جبکہ آنکھیں موجود کو معدوم دیکھتی ہیں اور کان موجود کو معدوم سُنتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ شئے واقع میں معدوم ہے کیونکہ اگر موجود ہوتی تو میں باوجود اسکے کہ میری آنکھیں موجود ہیں اسے کیوں نہ دیکھ سکتا۔ اور دوسرے لوگ اسے معدوم کیوں بتاتے اسلئے یہ آنکھیں اور کان جو کہ اسکے زعم میں رفع سد ہیں۔ خود حجاب اور سد بن گئے واللہ اعلم بالصواب؛

[فائدہ: مولانا کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ تم علوم کو اپنے دل میں دیکھو اور غیروں سے طلب نہ کرو اسکی کسی کو عدم ضرورت شیخ کا شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ دل میں ڈھونڈنے کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے دل کو اس قابل بناؤ کہ وہ منبع علوم بنے اور مولانا پیشتر فرما چکے ہیں کہ یہ بات بدوں شیخ کے حاصل نہیں ہوسکتی اسلئے ضرورت ہے شیخ کی۔ اور حاصل یہ ہے کہ شیخ حاصل کرو اور اسکے ذریعے سے دل کو اس قابل بناؤ کہ وہ منبع علوم بنے پھر اس میں علوم کا مطالعہ کرو۔ اور کتب علماء رسمیہ کے پیچھے نہ پڑو۔

فائدہ ۲:۔ چونکہ دل کے منبع علوم شرعیہ بننے کی ضرورت ہے اتباع شریعت

کی۔ اور اتباع شریعت موقوف ہے علوم شرعیہ پر اور علومِ شرعیہ حاصل ہوتے ہیں علماء ظاہر سے اسلئے بقدر ضرورت علماء ظاہر کی طرف رجوع بھی لازم ہے اور مقصود مولانا کا یہ ہے کہ بلا ضرورت علوم و علماءِ رسمیہ کے ممنون احسان نہ ہو۔ اور علومِ رسمیہ ہی کو مقصود اصلی نہ بناؤ۔ واللہ اعلم]

خلاصہ یہ ہے کہ اے غافل از حق! تو خدا سے خبردار ہو اور اسکی اطاعت کر۔ اس سے تیرا دل منبع علوم بنے گا۔ اور تجھے کتب علمیہ اور علماءِ رسمیہ سے استغناء حاصل ہو جائے گا۔ تو نے اپنے ہوش کو مختلف حیات پر منقسم کر دیا ہے حالانکہ ان فضولیات میں ایک شئے بھی کسی کام کی نہیں۔ پس تو ان خرافات کو چھوڑ اور اپنے خیالات کو ایک مرکز پر جمع کر اور صرف حق سبحانہٗ کو مطلوب ٹھہرا۔ اور بدوں اس کے وصول الی اللہ نہایت ہی متعذر ہے۔ کیونکہ تیرے ہوش کا پانی تو کانٹوں (امورِ دنیویہ) ہی کی جڑوں میں جذب ہو رہا ہے پھر وہ پھلوں (مطلوبِ حقیقی) تک کیسے پہنچ سکتا ہے اور جبکہ یہ ذلیل گھاس (امورِ دنیویہ) تیرے ہوش کے پانی کو جذب کر رہے ہیں یعنی تیرے ہوش کو اپنے ہی میں مصرف رکھتے ہیں تو وہ حق سبحانہٗ تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اور تجھے حق سبحانہٗ کا خیال کیونکر ہو سکتا ہے پس تو اس شاخ بد (تعلقات دنیویہ) کو کاٹ! اور اس شاخ (تعلقاتِ حق سبحانہٗ) کو پانی دے اور تر و تازہ کر۔ یہ ضرور ہے کہ یہ دونوں شاخیں سر سبز اور مرغوب خوشگوار ہیں۔ مگر تم کو انجام پر نظر کرنا چاہیئے۔ انجام اس کا یہ ہوگا کہ شاخ اوّل برباد ہو جائے گی۔ اور شاخ ثانی مثمر اور نتیجہ بخش ہوگی ——— دیکھو! اوّل کی تربیت اور اس کو پانی دینا ناجائز ہے اور ثانی کو پانی دینا واجب اور یہ فرق ان دونوں میں تم کو مرنے کے بعد معلوم ہوگا۔

یہ مضمون تو ختم ہوا اب ہم اس کے مناسب دوسرا مضمون تم کو سناتے ہیں مگر اوّل یہ سمجھ لو کہ عدل کیا ہے؟ عدل کی حقیقت درختوں کو پانی دینا ہے اور ظلم کیا ہے؟ ظلم کی حقیقت کانٹوں کو پانی دینا ہی یا بتبدیل عنوان یوں کہو۔ کہ عدل یہ ہے کہ ہر نعمت کو اسکے موقع پر رکھا جائے اور آبِ نعمت

ہر اُس جسم کو نہ دیا جائے جو اسکے لیے جاذب ہو۔ اور ظلم یہ ہے کہ کسی نعمت کو ایسے محل میں صرف کیا جائے جو اسکے لائق نہ ہو اور صرف بلیات کا سرچشمہ ہو۔ اور کسی بھلائی کی اس سے توقع نہ ہو۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہم کہتے ہیں کہ تم نعمتِ حق کو تندرستی علم و فضل روح اور عقل پر صرف کرو جو اس کا محل ہیں اور نفس پر صرف نہ کرو جو کہ تکالیف اور مشکلات کا معدن ہے۔ برخلاف اسکے اقتضاءات نفس کے خلاف کر کے بارِ غم کو نفس پر لادو۔ اور ارتکاب معاصی سے جو کہ موجب تاذی روح ہے تکلیف کو روح اور دل پر نہ لادو۔ کیونکہ یہ عدل ہے اور اسکے خلاف ظلم۔ مگر تم ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ عیسیٰ روح کے سر پر تم نے بارِ غم لاد رکھا ہے۔ اور خرِ نفس گلزار میں قلانچیں مارتا پھر رہا ہے تم کو ایسا نہ چاہیئے۔ بلکہ جو جس قابل ہو اسکے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیئے۔

دیکھو! جس طرح سرمہ کان میں ڈالنا مناسب نہیں ہے یوں ہی دل کا کام نفس سے لینا زیبا نہیں ـــــ پس اگر تم صاحب دل ہو تو تم کو ناز کرنا چاہیئے اور ذلت نہ اٹھانا چاہیئے۔ یعنی دین کا کام کرنا چاہیئے جو موجب عزت و راحت ہے اور دنیا کا کام چھوڑ دینا چاہیئے جو کہ موجب ذلت و تکلیف ہے اور اگر تم اہلِ نفس ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ خبردار! شکر نہ کھانا اور زہر ہی کھانا۔ یعنی دنیا ہی میں مصروف رہنا اور دین کے کام نہ کرنا۔ کیونکہ نفس کے لیے زہر ہی نافع ہے اور قند مضر ہے اور اسکے لیے موردِ تباہی کے کام مفید ہیں اور دینی کام مضر ہیں۔

[فائدہ: "شکر منوش" اور "زہر چش" امر و نہی تہدیدی ہیں اور طلب فعل و ترک مقصود ہیں]۔ لیکن ہم تمہیں سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نفس وہی بہتر ہے جو بے مدد ہو اور جس کی پرورش نہ کی جائے کیونکہ یہ دوزخ کا ایندھن ہے پس تم اس کو کم کرو۔ اور اگر یہ اُگے اور یہ ترقی کرے تو تم اس کو جڑ سے اُکھیڑ ڈالو۔

ورنہ تم دونوں عالم میں ابولہب کی بیوی کی طرح حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ہوگے جوکہ دوزخ کے لیے ایندھن ڈھو رہے ہو۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ گو شاخ سدرہ (روح) اور ایندھن (نفس) دونوں سبز ہیں۔ مگر تم ان دونوں میں امتیاز کرو۔ اور جانو! کہ ایندھن (نفس) کا مرجع آگ اور دھواں (دوزخ) ہے اور شاخ سدرہ (روح) کا مرجع آسمان ہفتم (عالم بالا اور لامکان) گو دونوں شاخیں چشم حسی کی نظر یکساں معلوم ہوتے ہیں کیونکہ حس کا مشرب غلط بینی ہے لیکن چشم بصیرت کی نظر میں فرق ظاہر ہے پس تم سے جس قدر بھی ہوسکے کوشش کرکے دل کی طرف بڑھو اور نفس کو چھوڑ دو اور اگر تمہارے پاؤں ہی نہ ہوں تو اپنے کو حرکت ہی دیدو۔ یعنی اگر تم پوری کوشش نہیں کرسکتے تو بھی امکن ہی کوشش کرو تاکہ تمہیں اشیاء علیٰ ماہی علیہ نظر آئیں اور تم غلط بینی سے نجات پاؤ۔ کیونکہ مشہور ہے "فی الحرکۃ برکۃ" یعنی حرکت حصول برکت کا ذریعہ ہے۔ پس حرکت سے تمہیں فائدہ حاصل ہوگا۔

دیکھو: زلیخا نے ہر طرف سے دروازے بند کر دیئے تھے مگر یوسف علیہ السلام نے حرکت کی تو انہیں الیسی کا مقام مل ہی گیا۔ اور وہ اس محل خطرے سے بچ گئے اور جبکہ انہوں نے خدا پر بھروسہ کیا اور خدا کا نام لیکے بھاگے تو دروازہ کا قفل حق سبحانہٗ کی تائید سے کھل ہی گیا۔ اور رستہ نکل آیا۔ پس اگرچہ عالم میں کوئی سوراخ نظر نہیں آتا جس سے تم اس خدا تک پہنچ جاؤ۔ مگر تم کو یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنا چاہیئے تاکہ قفل کھل جائے اور رستہ نکل آئے اور تمہاری حق سبحانہٗ کی طرف چلنے کے لیے جگہ ہوجائے۔

تم کو راہ کے نظر نہ آنے سے اسکے انعدام کا شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ تم دنیا میں آئے ہو اور ضرور کسی رستہ سے آئے ہو۔ اچھا! بتاؤ کہ کس رستہ سے آئے ہو کوئی

رستہ دکھلائی دیتا ہے اور تم کسی جگہ سے اور کسی مقام سے تو آئے ہو تو کیا جانتے ہو کہ کس رستہ سے آئے ہو۔ اگر تم نہیں جانتے تو یہ نہ کہنا کہ رستہ نہیں ہے ضرور ہے ورنہ آئے کیونکر۔ نیز اسی رستہ سے تم کو پھر جانا ہے پس اگر رستہ نہیں ہے تو جاؤ گے کیونکر؟ پس معلوم ہوا کہ رستہ ضرور ہے گو ہمیں معلوم نہیں بس یونہی وصول الی اللہ کے رستہ کو ہی سمجھ لو۔ اچھا اور سنو! خواب کے اندر تم دائیں بائیں خوش خوش دوڑتے ہو کیا تم جانتے ہو کہ اس میدان کا رستہ کہاں کو ہے ہرگز نہیں پس ایسا ہی وصول الی الحق کی راہ کو سمجھ لو۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ رستہ ضرور ہے مگر ہمیں معلوم نہیں۔ تو اب اسکی صورت یہ ہے کہ آنکھ بند کر کے اپنے کو حق سبحانہٗ کے یا شیخ کے حوالہ کر دو اس طرح تم اپنے کو اسی شہر قدیم یعنی عالم غیب میں پاؤ گے لیکن تم آنکھ کیسے بند کر سکتے ہو کیونکہ سینکڑوں نشیلی آنکھیں تمہاری آنکھ کے لیے بند ہونے سے مانع ہیں۔ یعنی دنیا میں تمہارے مطلوبات اور معشوق بکثرت ہیں وہ تم کو آنکھ کیونکر بند کرنے دیں گے۔ کیونکہ عشق آنکھ بند ہونے سے مانع ہے۔

چنانچہ تم سرداری کی توقع میں خریداروں پر عاشق ہو۔ اور ان کے عشق نے تمہاری دو آنکھوں کو چار بنا دیا ہے یعنی ہر وقت آنکھیں کھولے دیکھتے ہو کہ ادھر سے کوئی آتا ہوگا۔ ادھر سے کوئی آتا ہوگا۔ اور اگر سوتے ہی ہو تو خواب میں... خریداروں کو دیکھتے ہو۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے کیونکہ اُلّو کو خواب میں ویرانہ ہی نظر آتا ہے پس جب تمہاری یہ حالت ہے تو کیا توقع ہو سکتی ہے کہ تم آنکھ بند کر لو گے۔

بھلے مانس! تو جو ہر دم اپنے خریداروں کا طالب ہے، بتا تو سہی تیرے پاس دھرا کیا ہے جو تو اسکے ہاتھ بیچے گا۔ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اگر تیرے پاس روٹی یا دوپہر کا کھانا ہوتا تو تجھے یہ ڈھونگ بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور تجھے خریداروں کی پرواہ ہی نہ

ہوتی ۔ اور اگر تیرے توشہ دان میں روٹی ہوتی تو خریداروں کی فکر سے تیرا دل مطمئن ہوتا۔ کیونکہ یہ جو کچھ تو کر رہا ہے ۔ محض پیٹ کے لیے کر رہا ہے پس اگر تو روٹی سے بے فکر ہوتا تو تجھے اس ڈھونگ کی ضرورت نہ ہوتی اور جب کہ ضرورت ہے تو معلوم ہوا کہ تیرے پاس روٹی نہیں ہے اور جب تو اتنا مفلس ہے تو خریداروں کے ہاتھ کیا بیچے گا ۔ اور جبکہ تو اس کے ہاتھ کچھ نہیں بیچ سکتا تو ان کے جمع کرنے کی درد سری بیکار ہے

خلاصہ یہ کہ مولانا طلب جاہ کی مذمت اور اس کا بے سود ہونا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طلب جاہ بالکل لغو ہے کیونکہ طلب خریداراں دلیل ہے اس کے عدم کمال کی ۔ کیونکہ صاحب کمال مستغنی ہوتا ہے ۔ پس جبکہ طالب جاہ خود کامل نہیں تو اس کا معتقدین کو جمع کرنا بے کار ہے ۔ کیونکہ جب اس کے اندر کمال ہی نہیں تو انہیں دکھلائے گا کیا ۔ اور قدر کس چیز کی کرائے گا ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ انہیں فریب دے اور دھوکے سے اپنے نقصان کو کمال ظاہر کرے ولا یخفیٰ شناعتہٗ۔